Scanned with CamScanner

بسمہ تعالیٰ

اللطیف

زیرِ ظلِ حمایت و سرپرستی

شیخ المشائخ اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری

دام برکاتہم العالیہ سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور۔

مدیر مؤسس:

حضرت اقدس مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

(سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور۔)

تاریخ اجراء:-

بر موقعۂ جلسۂ تقسیم اسناد یکشنبہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ر مارچ ۱۹۸۹ء

مطبوعہ [illegible] قومی پریس بنگلور

زیرِ نگرانی:-

مولانا مولوی سید شاہ عثمان صاحب نوری عرف فصیح پاشاہ بی کام (عثمانیہ)

ادیب فاضل (مدراس) ناظم دار العلوم لطیفیہ

مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری عرف ہلال پاشاہ صاحب

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور

مدیرانِ مسئول:-

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی قادری

مدرس دار العلوم لطیفیہ

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری ادہونی

استاذ دار العلوم لطیفیہ۔

نمائندگانِ طلباء

۱) مولوی سید ریاض الدین کڈلور (تمل ناڈو) متعلم جماعت مولوی عالم

۲) حافظ عبد اللہ خاں باپٹ لا (آندھرا) متعلم جماعت ششم

۳) پی محی الدین پاشا بی کوتہ کوٹہ (آندھرا) متعلم جماعت ششم

۴) حافظ محمد محبوب پاشاہ سرار (کرناٹک) متعلم شعبۂ حفظ

فہرست مضامین سالنامۂ اللطیف سنہ ۱۴۰۹ھ

نظم

از قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری ویلوری قدس سرہ

پیشکش عالیجناب مولنا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

علم نکتے کا جب لیا ارشاد — پیر سوں سب کل میں ہوا آزاد
ہے ظہور اس کا آسمان و زمیں — خاک ہور آب ہور آتش و باد
سب وہی کیا و لیلیٰ و مجنوں — کیا و شیریں و خسرو و فرہاد
تم وجہ اللہ کی اشارت سوں — مکہ ترا سب میں دیکھ ہوں میں شاد
میں بسرتا ہوں اسم یادو بسر — میرے روں روں میں ہے تیرا یاد
مجھ رگے رگ سوں چنگ کی آواز — اللہ اللہ کا نکلتا ناد
ہے امانت وجود بیش از موت — دو امانت کیا ہوں استرداد
ڈھونڈتا ہوں ایس کو پاتا ہوں — نہ کی آتش میں جل ہوا ہوں رماد
ہجر کے بار سے چھوڑا اے دوست — فوق طاقت توں مجھ پہ بوجھ نہ لاد
ہجر کے بات سوں بجاں ہوں میں — کون سنتا ہے تجھ بنا فریاد

آخرت کی سفر کا اے قربی
علم توحید حق ہے میرا زاد

رباعی
الدنیا مزرعۃ الآخرۃ
کثرت میں جمال پاک وحدت دیکھو
عسرت میں ہے صاف نقش عشرت دیکھو
دنیا میں رہے عالم دیں پیش نظر
آئینہ ہے اس لئے کہ صورت دیکھو
متاع الدنیا قلیل
زیبائش و تزئین پہ نظر ہوتی ہے
آخر کی بھی کچھ تجھے خبر ہوتی ہے
یہ موٹے پیسے پھوٹیں گے اک دن
امجد ہر شام کی سحر ہوتی ہے
از حضرت امجد حیدرآبادی

انسان کی زندگی میں جذبات و احساسات اور خیالات کی غیر معمولی وقعت و اہمیت اور بڑی قدر و قیمت ہے اور ان ہی کے وجود سے زندگی میں رعنائی، حسن اور حرکت و عمل ہے اور جب یہی خیالات راسخ اور غیر متزلزل عقائد کا روپ دھار لیتے ہیں تو ان ہی کے سانچہ میں انسان کے تمام اعمال و افعال، اور اشغال و حرکات ڈھلنے لگتے ہیں۔ اور اگر یہ عقائد فطرت سلیمہ سے موافقت و مطابقت رکھتے ہیں جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے تو وہ انسان کے لئے دنیا میں فوز و فلاح اور سعادت کا چشمہ ثابت ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی نجات کا ذریعہ قرار پاتے ہیں۔ اور اگر یہ عقائد فطرت سلیمہ سے مختلف و متضاد ہیں تو وہ انسان کے لئے دنیا میں ذلت و پستی اور اس کے منصب اشرف المخلوقات کی اہانت کا باعث ہوتے ہیں، اور آخرت میں بھی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں اور یہ روشن حقیقت ہے کہ فیضانِ نبوت سے بہرہ ور عقائد ہی نے

انسان کو اسکی ذات کی پہچان اور اس کے خالق کی صحیح معرفت عطا کی جس کے نور سے وہ اوہام و اباطیل اور جہالت کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں گم ہو جانے سے محفوظ رہا اور جب کبھی اس نے راہ نبوت سے علیحدگی اختیار کی تو سعادت اور نجات کی شاہراہ سے بھٹک گیا۔ چنانچہ انسانی تاریخ میں چھٹی صدی عیسوی کا دور انتہائی تاریک اور سیاہ رہا جس میں ساری انسانیت گمراہی و ضلالت کے عمیق غار میں پھنس کر رہ گئی۔ وحی محمدی نے اس کی صحیح تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها (آل عمران) تمہارا تو حال یہ تھا کہ آگ سے بھری ہوئی خندق ہے اور اس کے کنارے کھڑے ہو، ذرا پاؤں پھسلا، اور شعلوں میں جا گرے، لیکن اللہ نے تمہیں اس حالت سے نکال لیا اور زندگی و کامرانی کے میدانوں میں پہنچا دیا۔ ایسے نازک اور ہلاکت خیز موڑ پر

ہادئ عالم خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات دنیائے انسانیت کے لئے سراپا رحمت بن کر نمودار ہوئی اور آپؐ نے انسانوں کے قلوب واذہان کو فاسد وگمراہ عقائد سے پاک وصاف کیا اور دلائل وبراہین کے ذریعہ صحیح عقائد سے روشناس کیا، چنانچہ مکی دور میں نازل ہونے والی وحی کا بیشتر حصہ عقائد کی اصلاح اور صحیح عقائد کی تعلیم وتلقین پر مشتمل رہا اور مدنی دور میں احکام ومسائل اور مدنیت سے متعلق فرمودات ربانی کا نزول ہوتا رہا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیس سالہ اصلاحی ودعوتی جد وجہد کی برکت سے ایک مقدس اور صالح ترین امت کی تشکیل عمل میں آئی جو مکارم اخلاق، محاسن اعمال، علوم وفنون تہذیب وتمدن میں ہر جہت سے فائق رہی، جس کی نظیر آج تک تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے اور بلا شبہ یہ مذاہب وادیان کی تاریخ میں ایک عظیم الشان اور محیر العقول کارنامہ ہے جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں انجام پایا۔

نبوت محمدیؐ میں عقائد کی حیثیت وہی ہے جو جسم انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کی ہوتی ہے، اسی لئے اسلام میں عقائد وایمانیات پر دل سے یقین اور زبان سے اقرار کو لازمی اور ضروری قرار دیا گیا جس کے بغیر کسی عمل کو قابل قبول نہیں سمجھا گیا۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

مثل الذین کفروا بربہم اعمالہم کرماد ن اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف، لا یقدرون مما کسبوا علی شیئ ذلک ہو الضلل البعید — (ابراہیم)

جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ، جس کو تند وتیز آندھیوں کے دن میں تیزی کے ساتھ ہوائیں اڑا لے جائیں، اسی طرح ان لوگوں نے جو کچھ عمل کئے تھے ان کا کوئی حصہ ان کو حاصل نہ ہوگا، اور یہ بڑی دور دراز کی گمراہی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر ایک حدیث نبویؐ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استفسار پر مشتمل ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک مشرک عبد اللہ بن جدعانی قریشی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس نے جاہلیت میں جو نیک کام کئے تھے ان کا اجر اس کو ملیگا۔ ارشاد فرمایا، نہیں! کیونکہ اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ بار الٰہا میرے گناہوں کو قیامت میں بخش دے۔

(سیرۃ النبی ج ۴ ص ۴۷)

اسلام کے تلقین کردہ عقائد و ایمانیات کا اجمالی ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں موجود ہے۔ ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبین (البقرہ) نیکی وطاعت تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ قیامت، فرشتوں، کتاب اور انبیاء پر ایمان لائے

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ (البقرہ) حضرات انبیاء ایمان لائے اس پر جو اُن پر اُن کے رب کی جانب سے نازل ہوا اور مومنین بھی۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

یا ایھا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ والکتب الذی انزل علی رسولہ والکتب الذی انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالا بعیدا۔ (النساء)

مسلمانو! اللہ پر ایمان لاؤ۔ اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ نیز ان کتابوں پر جو اس سے پہلے دوسرے پیغمبروں پر نازل کی تھیں۔ اور جو کوئی اللہ تعالٰی کا انکار کرتا ہے اور اس کے فرشتوں اسکی کتابوں، اسکے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ راہِ راست و نجات سے بہت دور جا پڑا۔

ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ قد علمنا ما تنقص الارض منھم وعندنا کتب حفیظ (ق)

الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی (الاعلی) — مذکورالصدر قرآنی تصریحات اور توضیحات کی ترجمانی اس حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت جبرئیل امین نے ذات رسالتمآب سے ایمان کی تشریح و وضاحت چاہی تو آپ نے ارشاد فرمایا:-

ان تومن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ (مسلم)۔ ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے نبیوں پر اور یوم آخرت پر، اور تقدیر کی اچھائی و برائی پر ایمان لائے۔

عہد نبوت کے بعد اسلام حجاز مقدس سے نکل کر دنیا کے دور دراز ملکوں اور خطوں میں

چلا گیا تو اس کے سایہ میں مختلف عقیدوں، زبانوں
تہذیبوں اور ثقافتوں کے حامل افراد واشخاص
داخل ہونے لگے جن کی آنکھیں صاحب رسالت
کے دیدار سے مشرف نہ تھیں' ان کے اثرات اور
عہدِ صحابہ کے وسط میں پیدا ہونے والے نت نئے
مسائل' حوادث اور فتنوں کے اثرات سے
مسلمانوں میں فکری اور اعتقادی تفریق ظاہر
ہونے لگی اور ان مسائل وفتن اور حوادث
میں ہر طائفہ کی مخصوص رائے معرض وجود
میں آنے لگی اور افراط وتفریط اور عقل کی کامل
پیروی اور عقل کی کامل نفی کا ظہور ہونے لگا' تو
ان حالات میں ایک طائفہ نے اپنے اعتقاد وعمل
کا رشتہ کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ سے جوڑ لیا
اور یہی جماعت اہل حق واہل سنت وجماعت
کے نام سے موسوم اور مشہور ہوئی۔ اس گروہ کے
مبنی برحق ہونے کی شہادت زبان نبوت کے
اس ارشاد مبارک میں بھی موجود ہے۔

تفترق امتی علی ثلث وسبعین
ملة کلھم فی النار الا ملة واحدة قالوا
من ھی یا رسول اللہ۔ قال ما انا علیہ
واصحابی (رواہ الترمذی)۔

میری امت بھی تہتر فرقوں میں بٹ
جائیگی۔ ان میں سے ایک ہی فرقہ نجات پائے گا'
باقی سب جہنمی ہوں گے۔ حضرات صحابہ نے عرض
کیا' یا رسول اللہ! وہ فرقہ کونسا ہوگا۔ ارشاد
فرمایا' جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پہ
گامزن رہے۔

اہل سنت وجماعت میں چار مجتہد مستقل
امام ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی' اور
امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کی ذوات مقدسہ
سے چار فقہی مذاہب وجود میں آئے اور عقائد
کے باب میں امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی
اور امام ابو الحسن علی بن اسمٰعیل اشعری کی ذات
گرامی سے ایک ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا اور ان
ائمۂ کرام کے احکام ومسائل کتاب وسنت کے
احکام میں مضمر اور صحابہ کے عمل وفتاویٰ میں پوشیدہ
رہنے کی وجہ سے اور ان احکام پر عمل کرنے کی سہولت
رہنے کے باعث افراد امت نے ان ہی میں سے
کسی ایک کو اپنا امام اور مقتدا بنا لیا اور ان
بزرگوں کو یہ مقام محض ان کے علم اور تقویٰ کی
بنیاد پر حاصل ہوا اور ان کی اتباع وپیروی میں
عامۃ الناس ہی نہیں بلکہ علماء وفضلاء' اور
اولیاء واصفیاء بھی شامل رہے اور اسلامی تاریخ
کا کوئی دور ان حضرات کی تقلید سے خالی رہا۔

اور لا تجتمعوا امتی علی الضلالۃ (میری امت کی اکثریت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔) اور ماراٰہ المسلمون حسنا فھو حسن (جس چیز کو مسلمانوں کی اکثریت اچھی خیال کرے وہ اچھی ہے) کی رو سے اہل سنت وجماعت کی حقانیت اور ائمۂ مجتہدین کی اتباع وتقلید کی صحت کے لئے ایک شرعی حجت ودلیل فراہم ہوگئی اور علماء کی یہ تجویز بھی عمل میں آئی کہ مسلمانوں کو ان چار فقہی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب سے منسلک رہنا چاہئے۔ اور جب کبھی فاسد عقائد نے سر اٹھایا اور لوگ اہل سنت وجماعت کی راہ نجات سے دور ہونے لگے تو علمائے حق میدان عمل میں آئے اور باطل معتقدات کی تردید اور عقائد اہل سنت کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ جنوبی ہند میں اس کی روشن وتابناک مثال خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے باکمال اور باتوفیق بزرگوں نے قائم کی۔ حضرت قربی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں تاکید کی۔

"در صحبت اژدھا وپلنگ وشیر مردم در بودن از صحبت اینہا بہتر است زیرا کہ در صحبت اژدھا وپلنگ وشیر زخم بر تن تست وآں سہل است۔ ودر صحبت ایں مردوداں زیاں دین وایمان تست وآں مشکل است۔"

یعنی بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں نہ رہو۔ ان کی صحبت وہمنشینی سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ موذی جانوروں اور درندوں کی صحبت میں رہیں کیونکہ ان کی صحبت میں رہنے سے صرف تمہارے جسم زخمی ہوسکتے ہیں جس کا مندمل اور چنگا ہونا سہل ہے لیکن ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں رہنے سے دین وایمان کا زیاں ونقصان ہے۔ اور یہ وہ نقصان وخسران ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔

حضرت قربی نے عقائد کی اہمیت اور ضرورت پر مستقل کتابیں تصنیف کیں۔ ایک رسالہ کے شروع میں رقمطراز ہیں: "ایں رسالہ مسمی بہ میزان العقائد ہدیۂ طالبین الہ کردہ می شود تا تمیز عقائد صحیحہ از سقیمہ نمودہ بعضے ضروریات کہ دانستن آں اہم مہمات است دانستہ بعمل آوردہ فقیر را بدعائے خیر یاد آرند"

یہ کتاب میزان العقائد مسلمانوں کی خدمت میں پیش ہے تاکہ وہ فاسد عقائد سے صحیح عقائد کی تمیز کرسکیں اور بعض وہ ضروری اور اہم امور جن کا جاننا اہم ہے جان سکیں اور ان پر عمل کرسکیں اور فقیر کو دعائے خیر سے یاد کریں۔

اور ایک معرکۃ الآراء رسالہ "لب السلوک" میں فرماتے ہیں :-

"طالب حق را استعمال چند امور ضروری است، اول آنکہ علم عقائد و علم فقہ موافق ضرورت می باید و در قول و فعل و خلق و عقیدہ تابع نقل باشد و عقل را گذارد۔ زیرا کہ اکثر فرق ضالہ علی الخصوص معتزلہ و شیعہ بہ تبعیت عقل گمراہ شدہ اند۔"

مسلمانوں کے لئے چند امور کا استعمال ضروری ہے۔ اول یہ کہ علم عقائد اور علم فقہ بقدر ضرورت جاننا چاہئے اور قول و فعل اور اخلاق و عقیدہ میں شریعت مطہرہ کے موافق ہونا چاہئے۔ اور عقل کی پیروی سے احتراز کرنا چاہئے۔ کیونکہ اکثر گمراہ فرقے خاص طور پر معتزلہ اور شیعہ عقل ہی کی اتباع میں گمراہ ہوئے ہیں۔

حضرت ذوقیؒ علیہ الرحمہ نے بھی اصلاح عقائد کی مہم چلائی اور اہل سنت و جماعت کے مسلک خوب روشن اور منقح کرکے عوام کے سامنے پیش کیا۔ ایک رسالہ کے آغاز میں فرماتے ہیں :-

فقیر غلام محی الدین سید عبداللطیف نے چاہا کہ چند مکتوبات عقائد کے فوائد پر مشتمل ہیں تحریر کرے۔ اس رسالہ کی تحریر محض عقائد کی اصلاح و تصحیح کے لئے ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام "النشائے عقائد" ہے۔

حضرت ذوقی علیہ الرحمہ نے جنوبی ہند میں رفض و شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا اور آپ کا یہ وہ عظیم اصلاحی و تجدیدی کارنامہ ہے جو اصلاح و تجدید کی تاریخ میں ہمیشہ درخشاں رہیگا۔ اس سلسلہ میں یہ کتابیں آپ کی نوک قلم سے معرض وجود میں آئیں۔

تصفیۃ الاذہان فی رد الروافض
(۲) نواقض الروافض (۳) تحریر عقائد
(۴) دلائل امامت حضرت علیؓ
(۵) النشائے عقائد ذوقی
(۶) سلالۃ العقائد فی رد الروافض

حضرت قطب ویلوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک اہل سنت و جماعت کی دعوت ان الفاظ میں دی :-

"مومن را باید کہ اتباع کتاب و سنت نماید و کتب مقتدا ولہ اہل سنت و جماعت را پیشوائے خود سازد۔" (مکتوبات)

مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن و حدیث کی اتباع کریں اور اہل سنت و جماعۃ کی کتابوں کو اپنا پیشوا اور رہبر بنا لیں۔

باید کہ عوام اولاً تصحیح عقائد موافق کتب کلامیۂ سنت و جماعت نمایند بعد ازاں فرض و واجب و سنت و مندوب و حلال و حرام و مکروہ و مشتبہ برطبق کتب فقیہہ ایشاں درست دانند۔

ہست سنت رہ جماعت چوں رفیق
بے رہ و بے یار آمی در مضیق

(فصل الخطاب صفحہ ۳۰)

عوام کو چاہیئے کہ اولاً اہل سنت و جماعۃ کی کتابوں کی روشنی میں اپنے عقیدوں کو درست کرلیں اور اسکے بعد فرض، واجب، سنت، مندوب حلال، حرام اور مشتبہ کو اہل سنت و جماعت کے ائمہ اور فقہاء کے منہاج پر جان لیں۔

سنت دین کی شاہراہ ہے اور جماعۃ صحابہ اس راہ کے رفیق ہیں، لہٰذا جو شخص بھی بغیر راہ (سنت) اور بغیر رفیق (جماعت) کے چلا وہ گمراہی میں پھنس گیا۔

عقائد اہل سنت کی دعوت و تبلیغ سے کہیں زیادہ عظیم کام جو حضرت قطب وقت کے مبارک ہاتھوں انجام پایا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فکر اور توجہ کو اہل سنت و جماعت کے باہمی اختلافات کی جانب مبذول فرمائی اور اس باب میں ایک مفید موقف پیش کیا جو آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے، چنانچہ فصل الخطاب میں فرماتے ہیں:-

اہل سنت و جماعت کے اختلاف اہل اسلام اور اہل کتاب کے مانند یا سنی رافضی، یا سنی و خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہیں کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کی جائے بلکہ حق ائمہ اربعہ کے اختلافات میں دائر ہے، اور اہل سنت کے چاروں مذاہب کو مبنی بر حق تصور کریں۔ اگر کسی ایک امام کی دلیل راجح ہو تو دوسرے امام کے مذہب کو غلط تصور نہ کریں۔

اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ دوسرے مسلک کے ائمہ اور علماء بھی کسی دلیل ہی کے تحت مسئلہ کو اختیار کئے ہوں گے، اگرچہ کہ وہ دلیل ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اختلافی امور و مسائل بلکہ سارے کاموں میں توقف و احتیاط اختیار کرنا پسندیدہ بات ہے۔ اور افراط و تفریط تمام جگہوں میں مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ اور کسی بھی مختلف مسئلہ میں ایک ہی جانب کے حق ہونے

کا یقین کر لینا اور اس کو اہمیت اور ترجیح دینا اور اس میں غلو سے کام لینا غیر مناسب و رنا روا بات ہے۔ (ترجمہ از فصل الخطاب صنا ۲۴)

حاصل کلام! مذکورہ تصریحات سے ہمارے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو گی کہ اسلام میں عقائد کی اہمیت کیا ہے اور مسلک اہل سنت سے وابستگی ہی نجات و سلامتی کی راہ ہے، ہم یہاں ایک عوامی غلط فہمی کا ازالہ بھی مناسب سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کو چند فروعی جزوی اور مباح اعمال و مراسم کا مجموعہ سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے اس شمارہ میں حضرت ذوقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فارسی مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، جس کے مطالعہ سے اہل سنت وجماعت کے عقائد و افکار اور خیالات کا بخوبی علم ہو جائے گا۔

وما علینا الا البلاغ۔

دارالعلوم لطیفیہ کا شمالی دلکش نظارہ
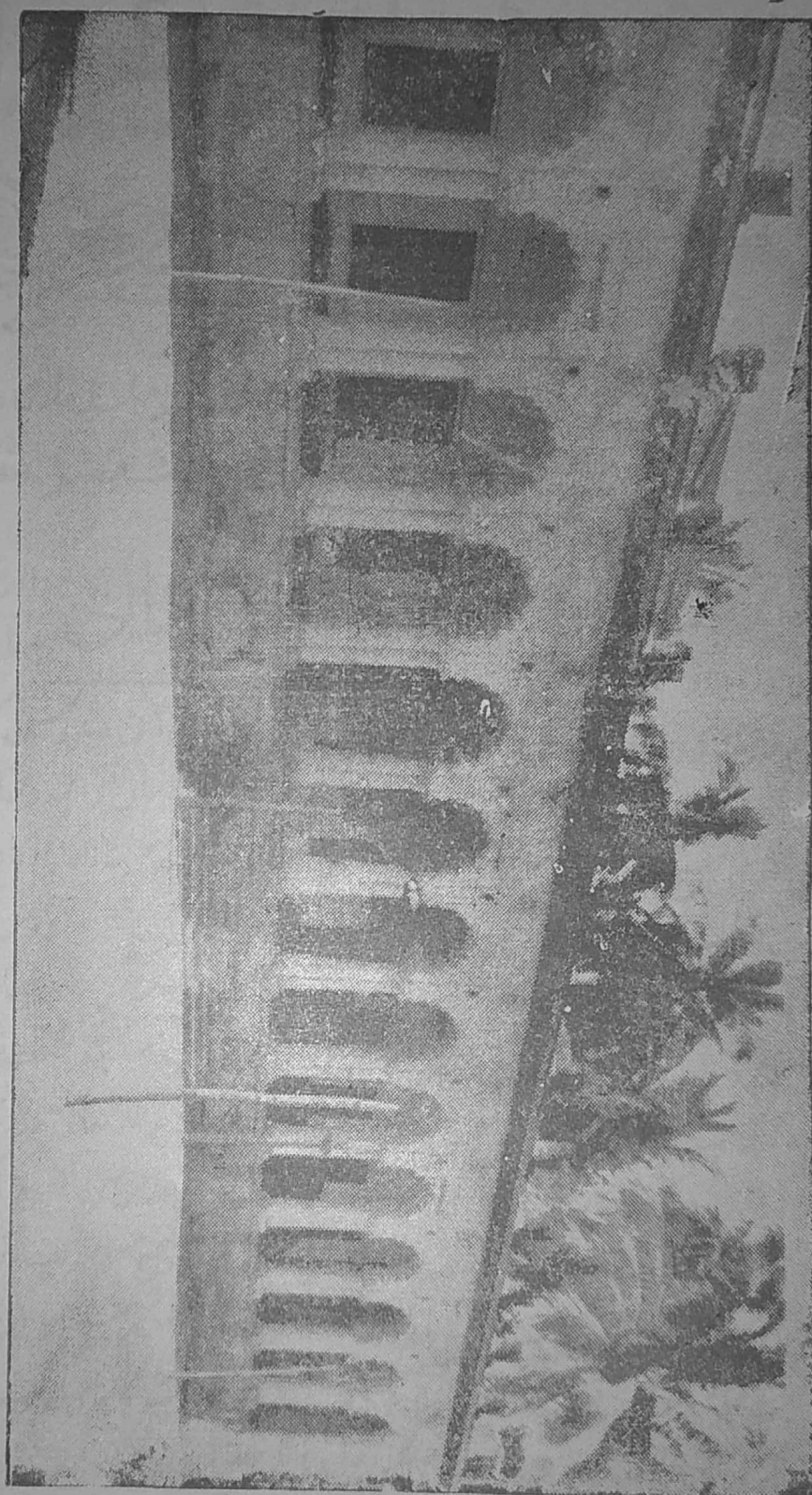
پیشکش :- سید مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلوری

روئداد دار العلوم لطیفیہ

ادارہ

عصر حاضر میں ملت اسلامی کو درپیش گوناگوں اور متعدد مسائل ہیں۔ سے ایک اہم ترین مسئلہ ذی علم اور متقی اشخاص پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل بھی ہے جو پورے خلوص اور ایثار و قربانی کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کی جانب مائل رہے اور یہ وہ اہم ترین ضرورت ہے جو ماضی میں بھی حکومتی سطح اور ملی سطح پر اسکی اہمیت و افادیت کو محسوس کیا جاتا رہا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں بے شمار دینی مدارس معرض وجود میں آئے جن کا واحد مقصد اور منشا یہی ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیم اور اصلاح نفوس اور تزکیۂ قلوب کے خاطر صالح افراد کو تیار کیا جائے۔

الحمد للہ دار العلوم لطیفیہ نے اپنے تین سو سالہ دور میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا۔ اور پورے خلوص و للہیت کے ساتھ بحسن و خوبی افراد سازی کا کام انجام دیتا رہا اور آج بھی یہ مبارک و مسعود سلسلہ جاری و ساری ہے۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

آغاز سال نو

۱۱ر شوال المکرم ۱۴۰۸ھ
مطابق ۲۸ر مئی ۱۹۸۸ء

بروز شنبہ درس و تدریس کا آغاز ہوا۔ ہر سال کی طرح اس سال بھی ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے آنے والے طلبۃ العلوم کا داخلہ عمل میں آیا۔

دورۂ حدیث

تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کی دعاؤں سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف کے دورہ کا آغاز مورخہ ۲۵ر شوال المکرم ۱۴۰۸ھ م ۱۱ر ماہ جون ۱۹۸۸ء کو دورۂ حدیث کا یہ مبارک سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

افتتاحی اجلاس

انجمن دائرۃ المعارف کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ طلباء کے اندر تقریر و تحریر کی صلاحیت اور ذوق و شوق پیدا کیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے ہفتہ واری اجلاس حضرت ناظم و نائب ناظم اور اساتذۂ کرام کی صدارت میں منعقد ہوتے رہے۔ اس سال انجمن کا افتتاحی اجلاس بزیر صدارت عالیجناب مولانا مولوی سید عثمان پاشاہ صاحب قادری عرف فصیح پاشاہ صاحب Comm. 8 ناظم دارالعلوم لطیفیہ منعقد ہوا۔ جس میں بحیثیت مہمان خصوصی ڈاکٹر صفی اختر صاحب ایم اے پی ایچ ڈی مدعو تھے جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ اور اس کے اکابرین کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ لیا اور مسلمانوں کے مختلف مکاتیب کی مساعی جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا کہ ہر طائفہ کو اپنے اپنے دائرۂ عمل میں تعمیری کام کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد صدر جلسہ نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے مہمان خصوصی کی زندگی کے بعض مفید گوشوں اور ان کی علمی ترقیوں پر روشنی ڈالی اور طلباء کو نصیحت کی کہ وہ اپنے اوقاتِ عزیزہ کو علم و فن کی تحصیل و تکمیل میں صرف کریں۔ آخر میں مولانا سید شاہ ھلال احمد صاحب قادری نائب ناظم نے مہمان خصوصی کی خدمت میں ھدیۂ تشکر پیش کیا۔

سالنامہ اللطیف

الحمد للہ والمنۃ دارالعلوم لطیفیہ کا ترجمان اور خانوادۂ حضرت قطبؒ ویلور کے اکابرین کے مسلک کا داعی اور نقیب سالنامہ اللطیف پوری آب و تاب کے ساتھ تمام تر رعنائیوں لطافتوں اور معنوی خوبیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے جلوہ فگن ہے۔ حسب روایات سابقہ امسال بھی سالنامہ میں کئی ایک معرکۃ الآرا علمی، تحقیقی، اصلاحی اور ادبی مضامین و مقالات شامل کئے گئے ہیں اور بزرگان حضرت مکان کی بلند پایہ تصانیف اور مکتوبات کے تراجم و تلخیصات بھی پیش کئے گئے ہیں۔

نوید مسرت

امسال یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، ادیب فاضل میں بفضلہ تعالیٰ ہمارے طلباء نے شاندار و نمایاں کامیابی حاصل کی۔

امتحانات

مورخہ ۱۷ر ماہ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۸۷ء بروز شنبہ دارالعلوم لطیفیہ کے ششماہی امتحانات شروع ہوئے جن کا سلسلہ

ایک ہفتہ چلتا رہا نیز مورخہ ۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ کو سالانہ امتحانات ہوئے اور یہ تمام امتحانات اساتذۂ کرام کی نگرانی میں ہوتے رہے۔

عبا پوشی و عطائے اسناد

تقدس مآب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین بمکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز کے زیر صدارت ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز شنبہ دار العلوم لطیفیہ کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا جس میں علمائے کرام و عمائدین شہر علم دوست حضرات کی کثیر تعداد حاضر تھی۔ اعلیٰ حضرت مدظلہ العالی نے اپنے دستِ فیض اقدس سے فارغین کو عبا و اسناد عطا فرمایا۔

اسباب صحت

ہر روز بعد نماز عصر تا مغرب دار العلوم کے وسیع میدان میں مختلف گیمس، والی بال، بیٹ منٹن، ٹنی کائٹ، ایکڈمی وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہے تاکہ طلباء کے اندر چستی اور نشاط قائم رہ سکے۔

تقسیم انعامات

سالانہ جلسے کے دن شام میں ایک دوسری نشست ہوئی جس میں درسیات، مقابلۂ تحریر و تقریر و گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم آنے والے طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ تشکر

ادارہ ان تمام مدیران اخبارات کا تہ دل سے مشکور ہے۔ جنہوں نے دار العلوم کی تمام کارروائیوں کو شائع فرمایا اور بالخصوص جناب مولوی کے۔ یم۔ عبد المتین صاحب زید مجدہ مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور کا تہ دل سے مشکور ہے۔ جنہوں نے سالنامۂ اللطیف کی کتابت و طباعت کا کام بڑی تندہی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

نیز ادارہ ان تمام حضرات کا بھی ممنون ہے جنہوں نے دار العلوم لطیفیہ کی تنظیمی سرگرمیوں میں تعاون فرمایا۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ محبان دار العلوم کو دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے

آمین، ثم آمین!!

از مولوی عامنا
ابوالنعمان
محمد شبیر الحق قریشی
قادری اودھوی
استاد دار العلوم
لطیفیہ

قرآنِ کریم کی جن آیاتِ کریمہ کو یہاں موضوع تشریح قرار دیا گیا ہے۔ وہ سورۃ المجادلہ کی ہیں۔ اس کا نزول مدینہ منورہ میں ہوا۔ اور یہ بائیس آیات اور تین رکوع پر مشتمل ہے۔ اس لفظ کو مجادلہ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے۔ بحث اور تکرار۔ اور اگر مجادِلہ پڑھا جائے تو معنی ہوں گے بحث وتکرار کرنے والی۔

اس سورۃ کے آغاز میں ایک خاتون صحابیہ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ کی بحث وتکرار منقول ہے جو انہوں نے اپنے شوہر حضرت اوس بن صامت کے ظہار کا قضیہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل اصرار کرنے لگیں کہ اس نازک اور دشوار موقعہ پر آپ کوئی ایسی تجویز فرمائیں جس سے ان کی زندگی کا شیرازہ بکھر جانے سے محفوظ رہ سکے چنانچہ اس اصرار پیہم کو قرآن کریم نے المجادلہ سے تعبیر کیا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں بعض نادان شوہر اپنی بیویوں سے لڑائی جھگڑے کے درمیان غصہ میں آکر یہ کہہ دیا کرتے تھے انت علی کظھر امّی تو میرے اوپر ایسی ہی ہے جیسی میری ماں کی پشت

اس فقرہ کا عام اور صاف مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ اب اسے اپنی بیوی نہیں بلکہ ان عورتوں کے مانند سمجھتا ہے جو اس کے لئے حرام ہیں گویا ظہار اہل عرب کے نزدیک طلاق کا ہم معنی لفظ سمجھا جاتا تھا۔

اس سورہ میں ظہار کے متعلق احکام کی وضاحت کے ساتھ جن دیگر امور و مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ان میں آدابِ مجلس بھی

شامل ہیں اور یہاں مجلسی تہذیب سے متعلق وارد شدہ آیات کی تفسیر اور ان سے متعلق تفصیلات پیشِ نظر ہیں :-

یٰایھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجلس فافسحوا یفسح اللّٰہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا یرفع اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت واللّٰہ بما تعملون خبیر۔

یٰایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ ذٰلک خیر لکم واطھر فان لم تجدوا فان اللّٰہ غفور رحیم۔

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقٰت فاذ لم تفعلوا وتاب اللّٰہ علیکم فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا اللّٰہ ورسولہ واللّٰہ خبیر بما تعملون

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو تم جگہ کشادہ کر دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا۔ اور جب تم سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ۔ تو اٹھ جایا کرو تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جن کو علم کی نعمت عطا کی گئی ان کو اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائیگا اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔

اے ایمان والو! جب تم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخلیہ میں بات چیت کا ارادہ کرو تو پہلے کچھ صدقہ دو تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔

کیا تم خوف کھا گئے اس بات سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخلیہ میں بات چیت کرنے سے پہلے صدقات دینے ہونگے پس جب تم اس حکم کو پورا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے تم کو معاف کر دیا نماز ادا کرتے رہو، زکواۃ دیتے رہو، اور اللہ و رسول کی اطاعت میں لگے رہو اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اس سے اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے۔

اسلامی نقطۂ سے مجالس مہذب و مودب سنجیدہ و شائستہ، وسیع کشادہ پُروقار پُرخلوص، باہمی الفت و اعتماد

دعا و استغفار اور یادِ الٰہی سے آراستہ اور پیراستہ ہونا چاہئیے اور ان کے اندر خودغرضی اور تنگ دلی کا اظہار نہیں ہونا چاہئیے
ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفہ میں رونق افروز تھے اور یہ مقام حاضرین سے پُر ہو چکا تھا کہ بعض وہ صحابہ کرام تشریف لائے جن کو غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل تھی یہ حضرات کرام جگہ نہ ملنے کی بنا پر کھڑے رہ گئے اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ مجلس میں کشادگی پیدا کی جائے اور بعض حاضرین جن کو دربارِ رسالت میں بکثرت حاضری کا موقعہ ملتا تھا یا اس قاعدے کے مطابق باری باری تشنگانِ علم کو سیراب ہونے کا موقعہ دیا جائے آپ نے مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیا تو منافقین نے مسلمانوں کے دلوں میں اس واقعہ کے ذریعہ کراہت پیدا کرنے کی کوشش کی ۔
اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا رحم اللہ رجلاً یفسح لاخیہ فی المجالس ۔
اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے مجلس میں کشادگی پیدا کرتا ہے اور وسعتِ قلبی اور محبت کا اظہار کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بشارت سنائی کہ وہ اپنے بھائیوں کے لئے مجالس میں وسعت و کشادگی پیدا کریں گے تو انہیں دنیا و آخرت میں وسعت عطا فرمائیں گے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں ایک صورت یہ بھی پیش آتی تھی کہ لوگ آپ سے تخلیہ میں گفتگو کی خواہش ظاہر کرتے اور آپ ان کی درخواست کو رد نہیں فرماتے تھے جس کی وجہ سے آپ کو بڑی زحمت اور تکلیف ہونے لگی اور تعلیم و تزکیہ اور دیگر امور میں خلل واقع ہونے لگا اور بعض اشخاص خواہ مخواہ اپنی امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے اور بارگاہِ نبوی میں اپنا خصوصی تعلق ظاہر کرنے کے لئے تخلیہ میں بات چیت کرنے لگے اور علاوہ ازیں بات چیت کے اس طرزِ عمل سے منافقین کو ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں کا موقعہ ہاتھ آنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل
اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ جو کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تخلیہ میں بات کرنا چاہتا ہے پہلے وہ صدقہ پیش کرے ۔

قرآن کریم میں اس صدقہ کی مقدار منقول نہیں ہے۔ البتہ ایک حدیث شریف میں

اسکی مقدار کی صراحت موجود ہے جس کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ارشاد ہے کہ جب یہ حکم نازل ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ کتنا صدقہ مقرر کیا جائے، ایک دینار؟ میں نے عرض کیا یہ لوگوں کی طاقت سے زیادہ ہے اس پر آپؐ نے فرمایا نصف دینار؟ میں نے عرض کیا یہ بھی طاقت سے زیادہ ہے آپؐ نے فرمایا پھر کتنا مقرر کیا جائے؟ میں نے عرض کیا ایک جو برابر سونا یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انك لزھید اے علی تم نے تو بڑی کم تعداد کا مشورہ دیا۔

صدقہ کا یہ حکم زیادہ دیر قائم نہ رہا اور بہت جلد اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ کر دیا بقول حضرت قتادہؓ ایک دن سے بھی کم مدت یہ حکم رہا۔

اور حضرات صحابہ میں صرف حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہی وہ واحد فرد ہیں جنہوں نے اس حکم پر عمل کیا اور جیسے ہی لوگوں کے طرز عمل کی اصلاح ہو گئی صدقہ کا حکم منسوخ کیا گیا۔

شریعت مطہرہ میں شب و روز کے مشاغل سے متعلق بہت سارے آداب اور طور طریقے بیان کئے گئے ہیں اور مختلف اسالیب کے ذریعہ ان پر عمل کی ترغیب اور دعوت دی گئی ہے تاکہ مسلمان اپنے مشاغل کو سلیقہ مندی اور خوبصورتی کے ساتھ انجام دے سکیں اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے عمل اور کردار سے ناخوشی اور ناگواری کی فضا پیدا نہ ہونے پائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں آدابِ مجلس کا ایک مختصر جائزہ یہاں لیا جا رہا ہے۔

مجلس میں کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ میں دوسرے آدمی کو نہ بٹھایا جائے بلکہ کچھ سکڑ سمٹ کر مجلس میں کشادگی پیدا کی جائے کیونکہ اس طرز عمل سے اٹھائے جانے والے کو خفت اور ذلت محسوس ہوگی اور بٹھائے جانے والے کے اندر تفوق پسندی اور غرور کی نفسیات پیدا ہونگی اور دیگر لوگوں کے دلوں میں بھی ناگواری اور کراہت پیدا ہوگی اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ہدایت کی لا یقیم الرجل الرجل من مجلسہ فیجلس فیہ ولکن تفسحوا و توسعوا (صحیحین)

اور مجلس میں شامل ہونے والے شخص

کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاں جگہ پائے وہیں بیٹھ جائے۔ اس متواضعانہ اور منکسرانہ عمل کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث میں مجلس نبوی میں شامل ہونے والے تین آدمیوں کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے!۔

عن ابی واقد اللیثیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلثۃ نفر فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذھب واحد قال فوقفا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما احدھما فرأی فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر ذاھبًا فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم عن النفر ثلثۃ اما احدھما فاوی الی اللہ واما الآخر فاستحیٰ فاستحی اللہ منہ واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ۔

(صحیح البخاریؒ)

ابو واقد لیثی کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے ساتھ جلوہ افروز تھے کہ اچانک تین آدمی آ پہنچے۔ دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مائل ہوئے اور ایک واپس چلا گیا اور یہ دونوں کھڑے رہ گئے ان میں سے ایک نے مجلس میں قدرے کشادگی دیکھی تو اسی میں بیٹھ گیا اور دوسرا مجلس کے اختتام اور انتہا میں بیٹھ گیا لیکن تیسرا شخص واپس لوٹ گیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ کیا میں تمہیں تین آدمیوں کی خبر نہ دوں؟ ان میں سے ایک نے مجلس میں شامل ہو کر اللہ کی رحمت چاہی تو اللہ نے اسے اپنی رحمت میں لے لیا۔ لیکن دوسرے نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضرین سے حیا کرتے ہوئے مزاحمت ترک کی تو اللہ نے اس پر بھی رحم کیا لیکن تیسرے نے مجلسِ نبویؐ سے اعراض کیا تو اللہ بھی اس سے ناراض ہوا۔

امام ترمذی نے جابر بن سمرۃ سے یہ روایت کی ہے اور اس کو حدیث حسن قرار دیا ہے۔

کنا اذا اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلس احدنا حیث ینتھی۔ رواہ ابوداؤد۔ والترمذی۔ وقال حدیث حسن (شرح ریاض الصالحین جلد اول)

جابر بن سمرۃ کا کہنا ہے کہ جب ہم بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوتے تو ہم میں کا ہر شخص اسی جگہ پر بیٹھ جاتا تھا جہاں مجلس منتہی ہوا کرتی تھی

مجلس میں وسعت کشادگی ہونی چاہیئے کیونکہ اس میں خیر و برکت اور حاضرین کے لیئے آرام و راحت ہے۔ چنانچہ زبان نبوت نے ارشاد فرمایا

خیر المجالس اوسعھا (ابوداؤد) بہترین مجالس وہ ہیں جن میں وسعت ہو۔

مجلس میں دو آدمی باہم مل بیٹھے ہوں تو انکی اجازت کے بغیر ان کے درمیان جا کر نہ بیٹھیں اور نہ ان کو الگ الگ کیا جائے کیونکہ اکثر دو شخص آپس میں بات چیت کے لیئے یا باہمی انس و محبت یا کسی مصلحت سے قریب بیٹھے ہوں گے عمرو بن شعیب سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لا یحل لرجل ان یفرق بین اثنین الا باذنھما (ابوداؤد) کسی شخص کے لیئے جائز نہیں کہ وہ دو مل بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان تفریق کرے۔ جب تک کہ ان سے اجازت نہ ملے

اور دوسری روایت میں ہے۔

لا یجلس بین رجلین الا باذنھما (ترمذی) دو آدمیوں کے بیچ ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے ــــــ مذکورہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ہونے والی مخفی گفتگو کو بھی ان کی اجازت کے بغیر سننا جائز نہیں ہے۔

مجلس سے کوئی شخص اٹھ کر چلا جائے تو دوسرے آدمی کو اس کی جگہ میں نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ البتہ ایسی صورت میں بیٹھنے کا مجاز ہے جب کہ وہ شخص واپس لوٹ کر نہ آنے والا ہو۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قام احدکم من مجلس ثم رجع الیہ فھو احق بہ (صحیح مسلم)

مجلس میں چاروں طرف لوگ حلقہ باندھے ہوئے بیٹھے ہوں تو ان کے درمیان میں نہیں بیٹھنا چاہیئے کیونکہ ایسی حالت میں کچھ لوگوں کی طرف اس کی پشت ہوگی تو کچھ لوگوں کی طرف منہ ہوگا اور اس قسم کی نشست بد تمیزی اور بے سلیقگی کے مترادف اور تہذیب و وقار کے خلاف ہے۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی پر لعنت بھیجی جیسا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان کی روایت کردہ یہ حدیث مبارک ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن من جلس وسط الحلقۃ (ابوداؤد)

مجلس میں ہونے والی باتوں کو بے ضرورت اور بے محل نقل نہیں کرنا چاہیئے اور بالخصوص ایسی باتیں جن کے افشاء سے

غلط مفہوم اور سوءِ ظن پیدا ہونے کا امکان ہے
تو اس کو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ امام ابوداؤد
نے کتاب الادب فی نقل الحدیث میں
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک
نقل کیا ہے۔

المجالس بالامانۃ مجالس امانت
ہیں — مجلس کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس
کے ذکر سے معمور رکھنا چاہئے اور اس میں
حضور پرنور سرور کونین سیدنا محمد صلی اللہ
علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا اہتمام ہونا چاہئے
ورنہ یہ مجلس اہل غفلت کا مجموعہ شمار ہوگی
اور دنیا و آخرت میں نقصان و خسران
اور حسرت وندامت کا باعث ہوگی اور اہل
مجلس کی یہ ایسی غفلت اور کوتاہی بلکہ گناہ
شمار ہوگا جس پر عقوبت کا اندیشہ ہے اس
سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
ہدایت ملاحظہ ہو:۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال ما جلس قوم مجلسا لم یذکروا
اللہ تعالیٰ فیہ ولم یصلوا علی نبیہم
فیہ الا کان علیہم ترۃ فان شاء
عذبہم وان شاء غفر لہم۔
(جامع الترمذی)

مذکورہ روایت کی تفسیر و تائید اس حدیث
سے بھی ہوتی ہے جس کو امام ابوداؤد نے نقل کیا
عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال۔ قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قعد
مقعدا لم یذکر اللہ تعالیٰ فیہ کانت علیہ
من اللہ ترۃ

مجلس کے اختتام پر توبہ و استغفار
اور دعا کا اہتمام ہونا چاہئے تاکہ اہل مجلس سے
دانستہ اور غیر دانستہ جو بھی گناہ صادر
ہوئے ہیں ان کا کفارہ ہوسکے اور دینی و دنیاوی
اور اخروی سعادتیں اور برکتیں حاصل ہوسکیں
چنانچہ قول نبوی ہے۔ کفارۃ لما یکون فی
المجلس (ابوداؤد) اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عنہ کا کہنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس
برخاست کرنے سے قبل یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللھم اقسم لنا من خشیتک ما
تحول بیننا وبین معصیتک ومن
طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین
ما تہون بہ علینا مضار الدنیا۔

اللھم متعنا باسماعنا وابصارنا
وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث
منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا
وانصرنا علی من عادانا ولا تجعل

مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ (ترمذی)

اے اللہ تو اپنا خوف اور اپنی خشیت عطا فرما جو ہمارے اور معصیت کے درمیان حائل ہوسکے اور وہ فرماں داری اور طاعت دے جو ہمیں تیری جنت میں داخل کرسکے۔ اور ہمیں وہ پختہ اور مضبوط یقین دے جس سے ہمارے لئے دنیا کے نقصانات ہیچ ہوجائیں اے اللہ! تو جب تک ہمیں زندہ رکھے ہمیں ہمارے سننے اور دیکھنے کی قوتوں اور جسمانی توانائیوں سے فائدہ حاصل کرنے کا موقعہ عطا فرما اور اس خیر کو ہمارے بعد بھی برقرار رکھ۔ اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے تو ہی ہمارا بدلہ لے۔ اور جو ہم سے دشمنی کرے اس پر ہمیں غلبہ عطا فرما اور ہمیں دین کی آزمائش میں مبتلا نہ کر اور دنیا کو ہمارا مقصود نہ بنا اور نہ دنیا کو ہمارے علم و بصیرت کی انتہا ٹھہرا اور نہ کسی ایسے شخص کو ہم پر مسلط فرما جو ہم پر رحم و کرم نہ کرے۔

علمی و دینی نوعیت کی مجالس کا انعقاد ایک اہم ترین ضرورت ہے جن کا سلسلہ ہمیشہ قائم رکھنا چاہیئے تاکہ ان کے ذریعہ اپنے ایمان کو تازہ رکھ سکیں اور تعلیمات نبویؐ سے بہرہ ور ہوسکیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو براست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پرفیض میسر ہوئی اور زمانہ خیر القرون میں سانس لینے کا موقع نصیب ہوا وہ حضرات بھی مجالس کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتے تھے تو ہم جیسے دور افتادگان کے لئے اس قسم کی مجلس تو ناگزیر ضرورت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ صحابئی رسول حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء اور احباب سے فرمایا کرتے تھے کہ آؤ ہم کچھ دیر مل بیٹھیں تاکہ اپنے ایمان کو تازہ اور شگفتہ کریں اور اس میں استحکام پیدا کریں وقال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ

مجالس کے باب میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ مجلس کس قسم کے افراد پر مشتمل ہونا چاہئے کیونکہ صحبت اور ہم نشینی ایک ایسی چیز ہے جس کا اثر انسان شعوری اور غیر شعوری پر قبول کرلیتا ہے اسی لئے صحبت سے متعلق یہاں تک کہا گیا الصحبۃ مؤثرۃ ولو ساعۃ صحبت ایک لمحہ اور ساعت ہی کیوں نہ ہو وہ آدمی پر اپنا

رنگ اور اثر جا لیتی ہے۔ اس سلسلہ میں اہل ایمان کو قرآن کریم کی ہدایت اور تاکید یہ ہے کہ وہ صادقین اور کاملین کی صحبت میں رہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سچے افراد کے ساتھ رہا کرو۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں۔ خالطوھم لتکونوا مثلھم اہل اللہ اور نیک لوگوں کی مجلسوں میں رہا کرو تاکہ ان کے اخلاق و عادات اور اعمال حسنہ تمہارے اندر پیدا ہو جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی اور بری صحبت کے اثرات کی مثال مشک فروخت کرنے والے اور لوہار کی بھٹی سے دی ہے۔ مشک فروخت کرنے والے کی صحبت میں بیٹھنے سے تم کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوگا مشک و عطر خریدو گے یا اس کی خوشبو سے تو لطف اندوز اور بہرہ ور ہونگے لیکن لوہار کی بھٹی والے کی صحبت میں رہنے سے تمہارے کپڑوں میں چنگاری پڑ جائیگی یا اس کی بدبو سے تمہارے دل و دماغ کو تکلیف اور اذیت پہنچے گی۔

اس حدیث کو امام بخاری نے باب فی العطار و بیع المسک" میں ابو بردہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں

مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسک وکیر الحداد و لا یعدمک من صاحب المسک اما ان تشتریه واما تجد ریحه وکیر الحداد یحرق ثوبک او تجد منه ریحا خبیثة۔

آدمی کی سیرت و شخصیت کی تشکیل میں صحبت کس قدر مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس فلسفہ کی گرہ کشائی امام غزالی نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

مجالسة الحریص ومخالطته تحرك الحرص ومجالسة الزاهد ومخالطته تزهد فی الدنیا لأن الطباع مجبولة علی التشبه والاقتداء بل الطبع یسرق من الطبع من حیث لا یدری هذا (مرقات ج ۹ ص ۲۵۸)

لیے آدمی کو حریص کی صحبت حرص و طمع کی طرف مائل کر دیتی ہے تو زاہد کی صحبت دنیا سے بے رغبتی پیدا کر دیتی ہے کیونکہ نقل و اقتدا انسان کی فطرت اور طبیعت میں داخل ہے

جس کی وجہ سے ہر شخص دوسرے شخص کی عادتوں اور خصلتوں کو غیر شعوری اور غیر ارادی طور پر اختیار کرلیتا ہے۔

مرقات میں ملا علی قاری نے نظر اولیاء کی تاثیر سے متعلق وارد حدیث کی شرح میں ذیل کی عبارت تحریر کی ہے :۔

قلت ومن هذا العين نظر العارفين فانه من حيث التاثير الاكسير يجعل الكافر مومنا والفاسق صالحا والجاهل عالما والكلب انسانا ۔ وهولاء هم منظورون بنظر الجمال والاغيار تحت استار نظر الجلال (مرقاة ج ۹ ص ۳۶۴)

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نظر بد کی تاثیر کا یہ عالم ہے تو اہل اللہ کی نظر نیک کی تاثیر کا عالم کیا ہوگا جو ایک کافر کو مومن فاسق کو ولی، جاہل کو عالم اور حیوان کو انسان بنا دیتی ہے، کیونکہ بزرگانِ کرام اللہ تعالیٰ کی نظر جمال کے منظورِ نظر ہیں اور اغیار نظر جلال کے پردوں میں پوشیدہ ہیں۔

اس مقام پر فقیہ ابو اللیث کا قول بھی افادیت سے خالی نہیں جو انہوں نے مختلف اصناف کی صحبتوں کے مختلف اثرات اور ثمرات کا جائزہ لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

دولت مند اشخاص کی صحبت سے دنیا کی رغبت اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور صالحین کی صحبت سے عبادت میں رغبت اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضا اور شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اہلِ علم کی صحبت سے علم و فن میں ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے :

اور نافرمانوں کی صحبت سے گناہوں پر جرأت و دلیری اور توبہ میں غفلت و سستی پیدا ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی صحبت سے شہوت و جہالت کا غلبہ ہوتا ہے اور بچوں کی صحبت سے لہو و لعب کا مزاج بنتا ہے۔

حاصلِ کلام صالحین کی صحبت و معیت کے غیر معمولی اثرات و برکات اور ثمرات سے متعلق مولینا روم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان کے ساتھ چند لمحات گذار دینا سو سالہ بے ریا طاعت و عبادت سے مفید اور سودمند ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یہی وہ عظیم ترین اور روشن تر حقیقت ہے

جس کی وجہ سے اصحاب بصیرت نے اپنے اپنے دور میں مسلمانوں کو بے دین اور بدعقیدہ اشخاص کی صحبت سے دور رہنے کی تاکید کی اور ہمیشہ صالح افراد کی صحبت وہم نشینی اختیار کرنے کی ہدایت کی چنانچہ اس سلسلہ میں قدوۃ السالکین حضرت مولینا مسکین الدین سید شاہ ابوالحسن قربی قادری ویلوری علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد گرامی ملاحظہ کیجئے جو پند ونصیحت سے لبریز ہے اور اسی فکر انگیز اور حیات بخش پیغام پر ہم اپنی بات ختم کر رہے ہیں۔

اے عزیز!

ان گمراہوں کے فاسد عقائد اور باطل معتقدات بہت ہیں جن کا مکمل احاطہ اس رسالہ میں ناممکن ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہی نصیحت ہے کہ بے دین اور بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں ہرگز نہ رہو۔ ان کی صحبت میں رہنے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ تم درندوں کی صحبت میں رہو کیونکہ ان موذی اور وحشی جانوروں کی صحبت میں تمہارا جسم زخمی ہو سکتا ہے جن کا مندمل اور چنگا ہونا آسان ہے لیکن ان مردودوں اور گمراہوں کی صحبت میں تمہارے دین اور تمہارے ایمان کا نقصان ہے اور یہ وہ عظیم ترین خسارہ ہے جس کی تلافی بہت دشوار ہے لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ہمیشہ کسی صاحب علم اور صاحب بصیرت کی صحبت میں رہا کرو۔

من اراد ان یجلس مع اللّٰہ فلیجلس مع اہل التصوف۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھے تو اس کو چاہئے کہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے۔

(ترجمہ از میزان العقائد)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: سبعة يظلهم الله فی ظله يوم لا ظل الاظله۔

- الامام العادل
- وشاب نشأ فی عبادة ربه
- ورجل قلبه معلق فی المساجد
- ورجلان تحابا فی الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه۔
- ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: انی اخاف الله
- ورجل تصدق، أخفی حتی لا تعلم شماله ما تنفق يمينه۔
- ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه۔ (متفق عليه)
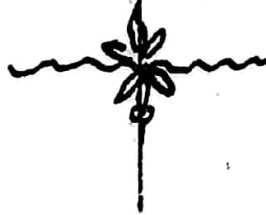
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

۱- صداقت پسند و عدالت شعار امام
۲- اور وہ جوان جو اپنے رب کی عبادت میں محو اور سرشار رہے۔
۳- اور وہ شخص جس کا دل مساجد میں گھرا رہے۔
۴- اور وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مجتمع ہوں اور متفرق ہوں۔
۵- اور وہ مرد جس کو جاہ و جمال کی مالک خاتون اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے مدعو کرے اور وہ یہ کہہ کر دامن بچالے انی اخاف اللہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

۶ — اور وہ شخص جس نے صدقہ دیا اور اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ اسکے دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

۷ — اور وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہنے لگیں۔

یہ سات اشخاص ہیں جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سایہ میں ہوں گے اور وہ دن ایسا ہوگا جس میں اللہ کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ رہیگا۔ یعنی اس دن کسی کی طرف سے رحمت کا ظہور نہ ہوگا، اور ہر شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا۔ ایسے دہشتناک اور ہولناک موقع پر ان سات افراد پر رحمت الٰہی سایہ فگن رہے گی اور یہ قیامت کی سختی و شدت سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

۱ — امام عادل وہ ہے جو ولایت عظمیٰ اور منصب خلافت کا مالک ہوا اور جس نے مسلمانوں کے امور اور مصالح میں حق و صداقت اور انصاف و عدالت کو اپنا شعار بنا لیا ہو۔ ایسے شخص کا مقام عنداللہ اس قدر بلند ہے کہ حضرات انبیائے کرام کے بعد اسی کا مرتبہ اور مقام ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عدل و انصاف سے کام لینے والے اشخاص اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر فائز ہوں گے۔

ان المقسطین عنداللہ علیٰ منابر من نور الذین یعدلون فی حکمھم و اھلیھم وما ولّوا۔ (مسلم)

۲ —

دوسرا وہ نوجوان جو اپنی جوانی اور شباب کے دنوں میں عبادت اور طاعت میں مشغول رہا۔ اس دور میں آدمی پر شہوتوں اور خواہشوں کا غلبہ زیادہ رہتا ہے اور اس کو شہوات اور لذات کی جانب مائل کرنے کے لئے کثرت سے محرکات اور دواعی پیش آتے ہیں اور ان حالات میں اس کا اپنے نفس پر قابو رکھنا اور اس کو طاعت و عبادت میں لگائے رکھنا اعمال میں مضبوطی اور دین میں استقامت کی علامت ہے۔ اسی لئے یہاں تک کہا گیا کہ خود اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان پر متعجب اور مسرور ہوتا ہے، جو محض اس کی محبت میں لہو و لعب سے کنارہ کش رہا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے:

تعجب ربك من شاب لیست له صبوة۔

۳۔ تیسرا وہ شخص جس کے دل میں
مساجد کے ساتھ والہانہ الفت ومحبت
بھی رہتی ہے اور ہمیشہ اس کے ذہن و دل پر
یہ فکر اور تڑپ مسلط رہتی ہے کہ کب وہ فرض
نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد پہنچ جائے، اور
جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے، ایسے شخص
کے تعلق سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اس کے مومن ہونے کی شہادت دو
چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مساجد
سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اور نماز باجماعت کی
ادائیگی پر مداومت اور ہمیشگی اختیار کئے ہوئے
ہے تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔ اللہ
تعالےٰ کا فرمان ہے مساجد کو وہی لوگ ذکر
وعبادت سے آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز
آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس حدیث کی روایت امام ترمذی
نے کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ
عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال:
اذا رأیتم الرجل یعتاد المساجد
فاشہدوا لہ بالایمان قال اللہ عزوجل
انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ
والیوم الاٰخر۔ الاٰیہ رواہ الترمذی وقال
حدیث حسن۔

۴۔ اور وہ دو آدمی جو محض اللہ تعالیٰ
کی محبت والفت اور اس کی خوشنودی کے خاطر
مل بیٹھتے اور جدا ہوتے ہیں اور اس فعل کے انجام
دہی میں ان دونوں کا کوئی دنیوی مقصد
نہیں، ایسے آدمیوں کے تعلق سے اللہ تعالےٰ روز
قیامت اعلان فرمائیں گے۔

این المتحابون بجلالی؟
کہاں ہیں وہ لوگ جو صرف میری عظمت ومحبت کے
خاطر باہم الفت رکھا کرتے تھے آج کے روز میں
انہیں اپنے سایۂ رحمت میں لے لوں، جیسا کہ
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیامۃ، این
المتحابون بجلالی؟ الیوم اظلہم
فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔ (رواہ مسلم)
اللہ تعالےٰ باوجود علیم، خبیر اور بصیر

ہیں مثلے کے ان کے متعلق یہ سوال کرنے سے منشاء اور مقصد یہ ہے کہ اس ندا کے ذریعہ اس مقام میں ان کی فضیلت کو نمایاں کیا جائے۔

امام ابوداؤد نے اس موضوع سے متعلق یہ حدیث نقل کی ہے:-

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔

ابوذر غفاری رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اعمال میں سب سے افضل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور دوستی کی جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کنارہ کشی اور نفرت کی جائے۔

۵ -

اور وہ شخص جسکو جاہ و منصب کی مالک اور حسن و جمال کی پیکر خاتون اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے طلب کرے تو وہ اسکی جانب محض اللہ کے ڈر سے مائل اور متوجہ نہ ہو۔

انی اخاف اللہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اس قول میں دونوں بات کا احتمال ہے ایک یہ کہ وہ اپنی زبان سے کہے، دوسرا یہ کہ وہ اپنے دل میں یہ خوف محسوس کرے اور اپنے نفس کو ملامت کرے۔

حسن و جمال اور منصب کی تخصیص اس لئے ہے کہ اولاً ایسی عورت کا حاصل ہونا بہت دشوار ہے اور ثانیاً ایسی عورت کی جانب مرد کا مائل ہو جانا، اور اس کا مشتاق ہونا نفس کا تقاضہ ہے، ایسے اسباب و محرکات کے باوجود بھی محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی شخص کا اپنے نفس کو قابو میں رکھنا یقیناً عظیم ترین نیکی ہے اور تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایسے شخص کا ٹھکانہ جنت قرار دیا۔ واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔ (النزعٰت)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف کھایا اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روکے رکھا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

۶ -

اور وہ شخص جس نے صدقہ کیا اور اس کو پوشیدہ رکھا حتی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

یہ ایک ضرب المثل ہے اور صدقات وخیرات کے باب میں حد درجہ اخلاص اور ریا کے فقدان کی علامت ہے۔ اور اس میں یہ ترغیب اگرچہ بعض بھی

موجود ہے کہ اپنے صدقات کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم۔ (سورۃ البقرہ)

اور اگر تم ان خیرات و صدقات کو پوشیدہ رکھو اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

لیکن زکوٰۃ واجبہ کے تعلق سے فقہائے کرام کی رائے ہے کہ اس کا اظہار و اعلان افضل ہے۔

۶۔

اور وہ شخص جو خلوت میں اپنے رب کو یاد کرے اور اس کے ذکر سے آنسو بہنے لگیں۔

مومنانہ زندگی میں ذکر اللہ کی غیر معمولی اہمیت و افادیت ہے چنانچہ زبان نبوت نے ارشاد فرمایا :۔ عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکرہ مثل الحی والمیت۔ (رواہ البخاری)

ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا اور اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کے مانند ہے۔

اور امام مسلم نے روایت کی ہے :

مثل البیت الذی یذکر اللہ فیہ والبیت الذی لا یذکر اللہ فیہ مثل الحی والمیت۔

جس گھر میں ذکر اللہ کا سلسلہ چلتا رہے وہ گھر زندہ کے مانند ہے اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہ ہو وہ مردہ کی طرح ہے۔

ظاہر ہے کہ ذکر کا ترک کرنا موت کے مشابہ ہے اور عدم ذکر کی وجہ سے آدمی پر غفلت طاری ہوجاتی ہے جس کے اثر سے وہ افعال خیر کے انجام دینے سے غافل رہ جاتا ہے اور یہی عدم انتفاع آدمی کو میت کے مشابہ اور مماثل کر دیتا ہے۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ ہمیشہ آدمی کا قلب اللہ کی یاد سے بھرا رہنا چاہئے۔ اور اسکی زبان ذکر اللہ سے تر رہنا چاہئے جیسا کہ امام ترمذی نے یہ روایت کی ہے:

لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ

المال والبنون

از عالیجناب مولانا شاہ سید عثمان صاحب قادری و ف
شیخ یاشاہی کمام (عثمانیہ)
ادیب فاضل (مدراس) ناظم دار العلوم لطیفیہ ویلور

اسلام دینِ فطرت ہے

اس نے انسانی فطرت اور طبیعت کا پورا پورا پاس و لحاظ کیا اور کوئی حکم ایسا نازل نہیں کیا جو انسان کے مزاج اور اسکی طبیعت کے خلاف ہو۔ مال و دولت حاصل کرنے کی خواہش اور اس کی محبّت و الفت اور اولاد کے ساتھ شفقت و محبّت بھی انسان کی طبیعت و فطرت میں داخل ہے اسی لئے اسلام نے انسان کے اس جذبہ و خواہش کو غلط نہیں قرار دیا بلکہ اس باب میں ایسا موقف اختیار کیا جو انسان کیلئے سراسر رحمت اور خیر ہے۔ مال و دولت سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مالِ مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ زندگی کی جائز ضروریات اور حاجات کی تکمیل کا ذریعہ ہے اور اس کے حصول کا منشا اور مقصد دنیوی زندگی کو بہتر اور پُر مسرت بنانا ہے اور اس زندگی سے اخروی زندگی کو سنوارنا ہے۔ چنانچہ زبانِ نبوت نے ارشاد فرمایا الدّنیا مزرعۃ الآخرۃ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امّت کو تاکید فرمائی کہ دنیاوی مزخرفات میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں بلکہ ایک مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل کو پیشِ نظر رکھیں کن فی الدنیا کانک غریب دنیا میں مسافر کی طرح رہو یعنی جس طرح ایک شخص حالتِ سفر میں

اپنے گھر پہنچنے کی فکر میں رہتا ہے اور سفر کی نیرنگیوں میں اُلجھ کر اپنی منزل سے غافل نہیں ہوجاتا اسی طرح مومن کو بھی دنیا میں اُلجھ کر اخروی منزل سے غافل نہیں رہنا چاہئے اسی لئے اسلام نے مال و دولت میں غیر معمولی انہماک اور اس کے ساتھ غایت درجہ کی محبت جس سے خدا اور رسول کی محبت مغلوب ہوکر رہ جائے (دوسرے معنوں میں دُنیا و آخرت کی تباہی کی مترادف ہے) اس سے منع فرمایا چنانچہ سورۃ التوبہ میں ہے۔

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الفسقین۔ (التوبہ)

اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تمہارے والدین اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہاری وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو محبوب ہیں یہ ساری چیزیں تم کو اللہ اور رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ فاسق قوم کو ہدایت کی نعمت سے سرفراز نہیں کریگا۔

اس آیت طیبہ سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام نے کسب معاش، تجارت مکانات مال واسباب، والدین، اولاد، دوست واحباب خویش واقارب وغیرہ کے ساتھ تعلق وانہماک اور محبت کو پسندیدہ قرار دیا لیکن ان سب محبتوں پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو غالب رکھنے کا حکم دیا اسی سے یہ بات بھی باآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ مومنانہ زندگی میں ساری چیزیں دوسرے درجہ میں خدا اور رسول کی محبت اور ان کی اطاعت ہے۔ اسلام میں مال کی تحصیل ایک پسندیدہ فعل ہے تاکہ مومن اس کے ذریعہ اپنی روزی اور اپنے اہل وعیال کی روزی کا انتظام کرسکے اور اپنی ضروریات اور اپنے متعلقین کی ضروریات کی تکمیل کرسکے اور دستِ سوال وگداگری کی ذلت سے محفوظ رہ سکے اور قومی و ملی ضروریات کی تکمیل کرسکے۔

چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے :۔

من طلب المال حلالاً و استعفافاً عن الاسئلۃ وسعیاً علیٰ اھلہٖ وتعطفاً علیٰ جارہٖ لقی اللہ یوم القیٰمۃ ووجھہ مثل القمر لیلۃ البدر۔

جو شخص حلال طریقے سے مال کمائیگا۔ ذلت سوال دراز کرنے سے محفوظ رہنے کے لئے اور اپنے اہل وعیال کی روزی کے لئے اور اپنے ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لئے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملیگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن رہیگا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب حلال اور جائز مال کی تحصیل کو فرائض کے بعد اہم ترین فرض قرار دیا۔ طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔

اسلامی تاریخ میں ہزاروں اشخاص کے نام ملتے ہیں جنہوں نے اپنے مال سے اسلام اور مسلمانوں کو بے پناہ فائدہ پہنچایا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر اپنے گھر کا کل اثاثہ لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر ساڑھے چھ سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں کا نذرانہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہجرت کرکے مدینۂ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا بھائی بنادیا تاکہ انہیں سعد سے تعاون حاصل ہوسکے۔ حضرت سعد نے فرمایا۔ اللہ نے مجھے بہت مال عطا کیا ہے۔ آپ میرے مال سے نصف حصہ اٹھا لیجئے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو سعد کے حق میں بہت دعا کی اور فرمایا مجھے مدینہ منورہ کا بازار بتلا دیا جائے تاکہ میں تجارت وغیرہ کرسکوں چنانچہ اس کے بعد انہوں نے غیر معمولی ترقی کی اور قلیل عرصہ میں

میں کافی مالدار ہو گئے اور اپنے مال سے مسلمانوں کی خدمت شروع کی ایک مرتبہ مصر کی تجارت سے ایک سو اونٹ سامان سے لدے ہوئے آئے تو آپ نے کل مسلمانوں میں تقسیم کر دیا

مال جس طرح دنیا میں مفید ہے اسی طرح آخرت میں بھی نفع و ثواب کا ذریعہ بن سکتا ہے جب کہ وہ رفاہ عام اور فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا گیا ہو چنانچہ ایک حدیث میں اذامات الانسان انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔

آدمی جب مر جاتا ہے تو عمل کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ لیکن تین باتوں کی وجہ سے وہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ مثلاً مسجد، مدرسہ، کنواں، مسافر خانہ اور دیگر کام جو انسانوں کے لئے مفید ہیں۔

دوسری۔ اولاد صالح جو اپنے والدین کے حق میں مغفرت کی دعا کرتی ہے۔

مال جس طرح خیر کا ذریعہ ہے اسی طرح شر کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بعد جب تم پر مال کی کثرت اور فراوانی ہوگی اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا؟ ایک صحابی نے عرض کیا اللہ کے رسول؟ کیا خیر سے شر پیدا ہوگا؟ یعنی مال کا حاصل کرنا تو خیر ہے پھر بھلا یہ کیونکر شر کا سبب ہوگا۔؟

اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ خیر براہ راست شر کا سبب نہیں ہوگا بلکہ ایک امر عارض کی وجہ سے اسکو شر لاحق ہوگا۔ جس طرح موسم بہار میں سبزہ اور گھاس زیادہ اگتی ہے جس کے زیادہ کھا لینے سے جانور ہلاک یا ہلاک کے قریب ہو جاتے ہیں اس ہلاکت اور موت کا سامان موسم بہار کے سبزوں اور پودوں میں بذات خود نہیں ہے۔ بلکہ یہ ضرر دوہلاکت کھانے میں حرص وطمع اور افراط کی وجہ سے ہے اسی طرح مال کا حال بھی ہے۔

مال کی کثرت کی طرح مال کا فقدان بھی انسان کے لئے مصیبت ہے اور انتہائی مفلسی بسا اوقات مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اس حقیقت کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں بیان کیا۔ کاد الفقران یکون کفرا

قریب ہے کہ محتاجی کفر بن جائے۔

اس مقام پر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ
کی ایک طویل حکایت کا خلاصہ فائدہ سے خالی
نہیں جو انہوں نے گلستان کے ساتویں باب
میں تحریر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک درویش نما آدمی
کو میں نے ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے دیکھا جو
مالداروں کی برائی بیان کر رہا تھا مجھکو یہ بات
ناگوار معلوم ہوئی میں نے کہا۔ اے دوست
دولت مند مخلص فقیروں کی آمدنی
کا ذریعہ ہیں اور زیارت کرنے والوں کا مقصد
و مرجع ہیں اور مسافروں کی جائے پناہ ہیں ان
کی بخشش و عطا سے بیوہ، بوڑھے، رشتہ دار
اور پڑوسی بہرہ ور ہیں۔ مالداروں کے لئے وقف
نذر، مہمانی، زکواۃ، قربانی، فطرہ، غلام
کی آزادی وغیرہ عظیم نیکیوں کا حصول ہے
عبادت کی قوت پاکیزہ لقموں میں ہے اور
عبادت کی درستگی پاکیزہ لباس میں ہے یہ
حقیقت ہے کہ خالی معدہ سے کیا قوت ظاہر
ہوگی خالی ہاتھ کیسے سخاوت خیرات ہوگی اور
بندھے ہوئے پیر سے کیا سیر و سیاحت ہوگی
اطمینان فاقہ کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا اور
دلی سکون تنگدستی میں ممکن نہیں صاحب رزق
اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں
مشغول ہے اور جو شخص روزی سے پریشان ہے
حدیث میں آیا ہے الفقر سواد الوجہ فی الدارین
محتاجی دونوں جہاں میں رو سیاہی ہے۔

درویش نما فقیر یہ باتیں سنیں تو کہا۔ تم نے
تو یہ حدیث سنی ہے لیکن یہ نہیں سنا جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الفقر فخری فقر
میرے لئے فخر ہے۔

میں نے کہا چپ رہو فقر سے حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس گروہ کی طرف
ہے جو رضائے الٰہی کے مرد میدان ہیں نہ کہ یہ لوگ
جو صلحاء کا لباس پہنتے ہیں۔

اے وہ فقیر جس کا باطن درویشی سے
خالی ہے بغیر توشہ کے سفر کے وقت کیا
تدبیر کریگا۔ اگر تو واقعی مرد ہے تو مخلوق سے اپنا
چہرہ چھپا لے بے معرفت فقیر اس وقت تک
آرام نہیں لیتا جب تک کہ اس کا کام کفر تک نہ
پہنچ جائے اسی لئے حدیث میں ہے۔ کاد الفقر ان
یکون کفرا۔ قریب ہے کہ محتاجی کفر بن جائے
دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ کے مشابہ کیونکر ہو سکتا
ہے۔۔۔ جب میں نے یہ بات کہی تو فقیر کی
طاقت گویائی جواب دے گئی۔ اور کہنے لگا کہ تم
مالداروں کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کرتے
ہو جس سے یہ وہم اور خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ تریاق

ہیں یا رزق کے گھر کی کنجی مالدار لوگ بدمست متکبر مغرور اور خود پسند ہوتے ہیں کسی کی طرف نظر نہیں کرتے روپیوں اور پیسوں کے غلام ہیں۔ فقیروں کو بے سروسامانی کا طعنہ دیتے ہیں حکماء کے اس قول سے بے خبر ہیں ۔ ۔۔۔ جو شخص عبادت میں دوسروں سے کم اور مال میں زیادہ وہ ظاہر میں مالدار ہے ۔ لیکن حقیقت میں کنگال ہے ۔ اگر بے ہنر مال کی وجہ سے عالم پر تکبر کرے تو اس کو بے وقوف سمجھو اگرچہ وہ فیض پہنچانے والا ہو بالآخر ہم دونوں قاضی کے پاس گئے اور منصفانہ فیصلہ کے طالب ہوئے قاضی نے ہماری بات سنی اور اس کے بعد کچھ خاموش سر جھکائے بیٹھا اور میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔

اے شخص تو نے مالداروں کی تعریف کی اور غریبوں کو پست دکھلایا یہ مناسب نہیں شراب کے ساتھ نشہ بھی ہے خزانہ پر سانپ بھی ہوتا ہے اور جہاں بادشاہ کے لائق موتی ہوتے ہیں وہاں مردم خوار مگرمچھ بھی ہوتے ہیں۔ باغ میں بید مشک کے ساتھ سوکھی لکڑی بھی ہوتی ہے ۔ اسی طرح مالداروں کے گروہ میں شاکر بھی ہیں اور بے صبر بھی ہیں اگر شبنم کا ہر قطرہ موتی بن جاتا تو کوڑیوں کی طرح بازاروں سے بھرا جاتا ۔ بہترین مالدار وہ ہے جو فقیروں کا غم کھائے اور بہترین فقیر وہ ہے جو امیروں کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرے۔

اس کے بعد قاضی فقیر کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ اے شخص تو نے مالداروں سے متعلق جو کہا ایک جماعت اس صفت کی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا لیکن ایک دوسری جماعت ایسی بھی ہے جو نعمت کا خوان بچھائے ہوئے ہے اور بخشش کا ہاتھ کھولے ہوئے ہے۔

قاضی کے اس محاکمہ سے ہم دونوں راضی ہو گئے اور ہر ایک نے دوسرے کے سر اور چہرہ کو بوسہ دیا اور تونگری و فقیری سے متعلق جدال ختم ہوا ۔

مال سے متعلق اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس کی قلت اور کثرت دونوں مشیت الٰہی سے مربوط ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ کسی کو بے اندازہ مال عطا فرماتا ہے تو کسی کو بے انتہا فقر میں مبتلا کر دیتا ہے ۔ ؎

یکے را برون رفت ز اندازہ مال
یکے در ہم نان خرچ عیال

رہ حکایات میں ہے کہ شاہ قصوری نے اپنے مرشد حضرت شاہ عنایت کی مجلس میں شیرینی تقسیم کرنے کی اجازت چاہی اور دریافت کیا کہ خدائی تقسیم عمل میں لائی جائے

یا محمّدی تقسیم۔؟

اس عجیب سوال کو سن کر شاہ عنایت کچھ متامل اور متوقف ہوئے۔ اس کے بعد فرمایا تکریم و تقدیم تو ذاتِ خداوندی ہی کو ہے لہٰذا خدائی تقسیم ہی بہتر ہے۔

شاہ قصوری نے یہ جواب پایا تو سارے مجمع میں بلا کسی امتیاز چند بچوں اور بوڑھوں میں مٹھائی تقسیم کر دی اور باقی لوگوں کو رخصت ہونے کے لئے کہہ دیا۔

اس نامکمل تقسیم کی اطلاع مرشد کو ہوئی تو شاہ قصوری کو طلب کیا اور کہا یہ غلط تقسیم کیسی؟ اس پر مرید نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ خدا کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ خدائی تقسیم اسی طرح کی ہے اگر آپ محمّدی تقسیم کی اجازت بخشتے تو مساواتِ اسلامی کو مدنظر رکھتے ہوئے سب کو بحصّہ رسدی مساوی تقسیم کر دیتا۔

اسلامی موقف جس طرح مال سے متعلق افراط اور تفریط سے خالی ہے اسی طرح اولاد سے متعلق بھی ہے چنانچہ اس نے صاحب ایمان اور صالح اولاد کو دنیوی زندگی میں راحت و سکون اور اخروی زندگی میں نافع قرار دیا ہے۔ والدین پر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی جسمانی پرورش و پرداخت کے ساتھ ان کی تعلیم اور ان کی رُوحانی و اخلاقی تربیت کی طرف خاص توجہ مبذول رکھیں تاکہ بچے ایمان و عمل اور علم و اخلاق کے پیکر بن جائیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے تاکید کی: یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔

اے مومنو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

نیک اور صالح اولاد کا بزرخی زندگی میں بھی سود مند ہونا احادیث سے ثابت ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صالح اولاد اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرے تو اس کا فائدہ انہیں پہنچتا ہے۔"ولد صالح یدعو لہٗ۔

روضتہ الریاحین میں ایک واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ نے خواب دیکھا کہ قبرستان کی قبریں شق ہو گئی ہیں اور تمام مُردے باہر نکل کر کسی چیز کے چننے میں لگے ہوئے ہیں لیکن ایک آدمی اپنی قبر کے باہر خاموش بیٹھا ہوا ہے۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کے پاس چلا گیا اور پوچھا۔ یہ تمام آدمی کیا چن رہے ہیں

اور تم کیوں نہیں چین سے رہے ہو؟ اس نے جواب دیا جو
لوگ صدقہ وخیرات اور دعائے مغفرت اور کلمات
طیبہ کا ثواب اصحاب قبور کو بھیجتے ہیں ان کے
انوار وبرکات اور ثواب کو یہ لوگ سمیٹ رہے
ہیں اور میرے خاموش بیٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا
ایک لڑکا ہے جو فلاں بازار میں حلوے کی تجارت
کرتا ہے اور اس کا روزانہ کا معمول ہے کہ وہ قرآنِ
کریم کا کچھ حصہ پڑھ کر اس کا ثواب پہنچاتا ہے جس کی
وجہ سے میں اس ثواب کو حاصل کرنے سے مستثنیٰ ہوں۔

ان بزرگ کا کہنا ہے کہ صبح نیند سے بیدار
ہونے کے بعد میں اس بازار میں چلا گیا تو دیکھا۔
واقعی ایک نوجوان دکان میں بیٹھا ہے اور اس کے ہونٹ
ہل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا تم کیا پڑھ رہے ہو اس
نے کہا قرآن کریم کا کچھ حصہ تلاوت کر رہا ہوں
تاکہ اس کا ثواب والد مرحوم کے لئے ایصال کر سکوں۔

وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک عرصہ کے
بعد مجھے خواب میں وہی منظر دوبارہ نظر آیا
قبرستان کے تمام مردے حسبِ سابق چین رہے ہیں
اور ان میں وہ شخص بھی شامل ہے جو پہلی مرتبہ چلنے
سے مستغنی تھا صبح اٹھنے کے بعد میں اس بازار
میں چلا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ نوجوان انتقال کر گیا ہے

اولاد جس طرح دونوں جہاں میں نافع
ہوسکتی ہے اس طرح ہلاکت وخسران کا موجب
بھی ہو سکتی ہے کیونکہ آدمی اولاد کی خاطر سب
کچھ کر بیٹھتا ہے اور ان کی محبت میں مبتلا ہو کر
اللہ و رسول کے احکامات اور فرائض کو بھی
پامال کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے مال اور
اولاد کو ایک فتنہ اور آزمائش قرار دیا:
انما اموالکم واولادکم فتنہ۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ قیامت میں
چند ایسے اشخاص کو لایا جائیگا جن کو دیکھ کر
لوگ کہیں گے اکل عیالہ حسناتہ (اس کے
اہل وعیال نے اس کی نیکیوں کو کھا لیا)

قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا
یاایھا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم
فاحذروھم۔ اے مومنو تمہاری بیویاں
اور تمہاری اولاد تمہارے دشمن ہیں ان کے شر اور
ضرر سے بچو۔ مذکورہ آیت کے تعلق سے عطاء
بن ابی رباح کی روایت ہے کہ یہ عوف بن مالک
اشجعی کے بارے میں نازل ہوئی یہ مدینۂ منورہ میں
تھے جب کبھی جہاد کا موقعہ آتا تو یہ بھی شریک ہونے
کا ارادہ کرتے لیکن ان کی بیوی اور بچے رونے لگتے
اور فریاد کرنے لگتے کہ تم ہمیں کس کے حوالے کر
رہے ہو۔ بیوی بچوں کی محبت اور ان کی آہ وزاری
سے متاثر ہو کر یہ جہاد جیسی نعمت کے حصول سے
باز رہ جاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے منجلۃ مجبنۃ آدمی اہل وعیال کی وجہ سے بخیل اور بزدل ہو جاتا ہے چنانچہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آدمی اپنی بیوی بچوں کا خیال کرتے ہوئے صدقات وخیرات اور دیگر کاموں میں مال خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لیتا ہے اور اولاد کے معاملات اور مسائل میں الجھ کر اپنی ہمت وحوصلہ اور بہادری وجوانمردی کھو بیٹھتا ہے

حاصلِ کلام المال والبنون کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور سرسری مطالعہ یہی ہے کہ مال میں غیر معمولی انہماک اور جائز وناجائز کی تمیز کا خاتمہ اور اولاد کی خاطر فرائض وحدود کی پامالی انسان کے لئے نقصان وخسران کا موجب ہو سکتی ہے تو اس کے برعکس جائز وحلال مال اور صالح اولاد انسان کے لئے فلاح وبہبود کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔

بقول حضرت امجد حیدرآبادی :-

جمعیت مال وزر میں حکمت کیا ہے
تکلیف کی اس میں راحت کیا ہے ،
دولت حاصل تو کی بڑی محنت سے
یہ کہیئے کہ اب حاصل دولت کیا ہے

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

تفسیر لطیفی پر ایک نظر

از: پروفیسر محمد اشرف بخاری
صدر شعبۂ عربی فارسی اردو
[illegible] مدراس

حضرت محی الدین سید عبد اللطیف ذوقی سنہ ۱۱۰۱ھ میں ویلور (تامل ناڈو) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے حالات ان کے ہم سبق باقر آگاہ نے "تحفۂ احسن" کتاب میں لکھے ہیں، جس کا ایک قلمی نسخہ کتبخانۂ دار العلوم لطیفیہ میں اب بھی موجود ہے۔ ابتدا میں اپنے والد حضرت مولانا سید شاہ ابو الحسن قربی قادری علیہ الرحمہ سے کچھ پڑھنا شروع کیا لیکن یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا اور عمر کے پندرہ سال گزر گئے، اس کے بعد شہسواری، تیراندازی اور پیراکی کا شوق ہوا۔ ایک سال میں ان تینوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد عربی سیکھنے کی طرف مائل ہوئے لیکن جلد ہی اسے چھوڑ کر فارسی سیکھنا شروع کیا اور دو سال میں اتنی استعداد پیدا کرلی، کہ دو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ فارسی زبان میں لکھ ڈالا۔ جس کا عنوان ہے لوء لوء لالا۔ تحصیل علم کے دوران شعر گوئی بھی جاری رہی۔ روزانہ نظامی کے ایک سو اشعار حفظ کر لیتے تھے۔ عربی زبان، فقہ، معانی و بیان، حدیث و تفسیر وغیرہ کی تکمیل کے بعد ریاضت و مجاہدہ شروع کیا اور صوفیہ کی اصطلاح میں مقام قطبیت پر فائز ہوئے۔

اس زمانے میں کتابوں کا حاصل کرنا نہایت دشوار کام تھا۔ حضرت ذوقی کتابیں خریدتے اور کبھی مستعار لیکر خود نقل کر لیتے۔ ایک دفعہ ایک شب میں پوری گلستان نقل کر ڈالا، درس و تدریس ریاضت و مجاہدہ، شعر و شاعری، فتوی تو لیبی خطوط کے جواب دینا، تصنیف و تالیف، کتابوں کا نقل کرنا، ان کے روزانہ کے مشاغل تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں نقل کیں اور ان کے بہت سے مسودے اب بھی موجود ہیں۔ بہت سے ضائع ہو گئے۔ انہوں نے تالیفات و تصنیفات کا ایک گراں قدر ذخیرہ چھوڑا ہے اشعار کی تعداد لاکھ کے ہندسوں میں بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے بیشتر ناپید ہو چکے ہیں۔ اتنی قلیل عمر میں متنوع موضوعات پر اس قدر کثیر تصانیف ایک غیر معمولی واقعہ ہے جس کی مثال دنیا میں بہت

نادر ہوگی۔ حضرت ذوقیؔ بیک وقت وفور گو، عظیم شاعر، ادیب، مصنف، صوفی، فقیہہ، مفسّر اور مفتی تھے۔ اس مضمون میں پہلی بار اُن کی تفسیر کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔

حضرت ذوقی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ترجمہ اور تفسیر قرآن کا مسودہ موجود ہے۔ مسودے میں ان کے ابتدائی الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کا ترجمہ مختصر تفسیر کے ساتھ کیا تھا، لیکن اس وقت صرف ایک جلد موجود ہے جس میں صرف آٹھ پارے ہیں۔ جس کے آخر میں ترقیمہ ہے کہ جزء اول ربیع الاول سنہ ۱۱۹۰ھ میں تمام ہوا۔ اس کے بعد جزء ثانی کے کچھ اوراق اسی جلد میں ہیں جن میں سورۂ انعام کا ترجمہ ہے۔ یہ سب اوراق منتشر تھے، ان اوراق کو حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ الملقب بہ حضرت پیر علیہ الرحمہ نے یکجا کر کے ایک ہی جلد میں مجلد کرا دیا۔ جس کی وجہ سے یہ آٹھ پارے بھی محفوظ ہو گئے اور تفسیر لطیفی کا یہاں تعارف کرانا ممکن ہو گیا۔ ابتدائی ۲۶ اوراق بہت کرم خوردہ ہیں۔ جزء اول جو آٹھ پاروں پر مشتمل ہے اس میں کل ۳۸۸ اوراق ہیں اور اس کے بعد سورۂ انعام کا ترجمہ ۴۶ اوراق میں ہے، جو مکمل نہیں ہے۔

اس تفسیر کا نام مفسرؔ نے تفسیر لطیفی رکھا ہے اور ابتدا میں لکھا ہے کہ بعض اعزہ قرآن کی تفسیر جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔ لیکن انہیں دستیاب نہیں۔ اس لئے ایک موجز تفسیر بنام تفسیر لطیفی لکھی۔ خود یہ بیان بتاتا ہے کہ انہوں نے صرف آٹھ پاروں کی تفسیر نہیں لکھی ہوگی بلکہ پورے قرآن کی تفسیر لکھی ہوگی۔ اس وقت کل ۴۳۴ اوراق یعنی تقریباً ۸۶۸ صفحات ہی موجود ہیں۔

ذیل میں اس تفسیر کا تعارف ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے۔ اتنا وقت نہ تھا کہ شروع سے آخر تک ایک ایک لفظ کو پڑھا جا سکتا۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ بہت سی تفسیروں کو سامنے رکھ کر اس تفسیر سے مقابلہ کیا جا سکتا اور اس تفسیر کی خوبیوں کو اس دعوے کے ساتھ پیش کیا جاتا کہ یہ ہیں اس کی امتیازی خصوصیات، اس لئے راقم نے یہ کیا کہ سرسری مطالعہ سے جو نکات نظر میں آئے انہیں یہاں پیش کر دیا ہے۔ جو لوگ جاننے کی خواہش رکھتے ہیں، وہ ان نکات کو سامنے رکھ کر دوسری تفسیروں سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن کچھ بھی ہو، اس تفسیر کی اپنی اہمیت ہے کیونکہ یہ ایک ایسے عالی مرتبت عالم، اور صاحب دل صوفی کے قلم سے

نکلی ہے جو اپنے زمانے میں صوفیہ کی اصطلاح میں مقام قطبیت پر فائز تھے۔

اگرچہ حضرت ذوقی صوفی کامل تھے لیکن تفسیر میں انہوں نے صوفیانہ انداز اختیار نہیں کیا ہے، مجھے صرف ایک آیت ایسی ملی جس کا ترجمہ میری نظر میں خاص صوفی مشرب کے مطابق ہے جس کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر عبدالکریم ابوالقاسم قشیری کی تفسیر لطائف الاشارات کی مانند ہے لیکن دونوں کے طرز میں فرق بھی ہے۔ لطائف الاشارات عربی میں ہے اور تفسیر لطیفی فارسی میں ہے۔ لطائف الاشارات نہ ترجمہ ہے نہ تفسیر بلکہ اس میں ہر آیت کے بارے میں ایسے نکات ہیں جس سے آیت کی معنویت یا حکمت کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔ اس لئے اگرچہ لطائف الاشارات بھی موجز ہے لیکن ترجمہ نہیں ہے۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس ترجمہ میں الفاظ حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے اگرچہ ترجمہ تقریباً تحت اللفظ ہے لیکن عبارت کو آسانی سے پڑھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ کہیں کہیں آیتوں کی ضروری تفسیر بیان کی ہے۔ ترجمہ کے الفاظ ایسے چنے تلے ہیں اور اکثر معنویت سے بھرپور ہیں کہ ان سے تشریح و تفصیل کی طرف اشارے مل جاتے ہیں۔ لیکن ان اشاروں کو سمجھنا عام آدمی کا کام نہیں۔ عام آدمی کے لئے اس کے ظاہری بیان کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم ذیل میں تفسیر لطیفی سے چند آیتیں اور ان کا ترجمہ اور تفسیر نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد قارئین کو اس کی بعض خصوصیات کی طرف متوجہ کریں گے۔

(۱) سورۂ بقرہ میں مال خرچ کرنے کا حکم آیا ہے کہ اسے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر خرچ کرو۔ اردو کے اکثر مترجمین نے لفظ مسکین کی اس طرح تعریف نہیں کی ہے، جو تفسیر لطیفی میں ملتی ہے۔ حضرت ذوقی نے سورۂ بقرہ کی دو آیات میں لفظ مساکین کی تعریف کی ہے۔

ایک آیت یہ ہے :-

وآتى المال على حبه ذوى القربى واليتمى والمساكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب۔

اس میں مساکین کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"محتاجان سوال ناکنندہ" یعنی ایسے محتاج جو دوسروں سے سوال نہیں کرتے۔

دوسری آیت یہ ہے :-

یسئلونك ماذا ینفقون ط قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل -

اس میں مساکین کا ترجمہ کرتے ہیں :-

" درویشاں کہ چارۂ معیشت خود ندارند " یعنی ایسے محتاج جو اپنے معاش کا کوئی مستقل ذریعہ نہیں رکھتے -

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی کے نزدیک مسکین کی تعریف یہ ہے کہ وہ محتاج جو کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہیں رکھتا اور سوال بھی نہیں کرتا -

اس آیت میں لفظ اقربین بھی ہے ' اقربین کا ترجمہ حضرت ذوقی نے یوں کیا ہے :-

" خویشاں نزدیک کہ وارث نباشد ' چہ آں صلۂ رحم است "

یعنی ایسے نزدیکی رشتہ دار جو وارث نہ ہوں کہ اُن پر خرچ کرنا صلۂ رحم ہے - اور وراثت میں کوئی احسان نہیں ' کیونکہ وراثت کا حکم الگ سے ہے اور وارث کا حق خدا کی طرف سے مقرر ہے ' یہاں حکم اس کے علاوہ ہے - یہاں حضرت ذوقی سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے - ممکن ہے انہیں اشتباہ ہوا ہو کیونکہ ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ اگر وارثین محتاج ہوں تو انہیں صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے -

(۳) سورۂ البقرہ میں (آیت ۲۷۵) سود خوار کی حالت قیامت کے دن بیان کی گئی ہے -

اس میں شیطان کے مس کرنے کا بیان ہے - شیطان کے مس کرنے کے معنی میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں اور بعض کے قول کے مطابق شیطان کی وجہ سے کوئی آسیب زدہ نہیں ہوتا ' یعنی شیطان صرف بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے مگر انسان سے لپٹ کر اس کو جنون میں مبتلا نہیں کرسکتا - دوسرا قول یہ ہے کہ شیطان کے چھونے یا لپٹنے سے انسان آسیب زدہ ' بدحواس اور پاگل ہوجاتا ہے ' حضرت ذوقی نے بھی اسی دوسرے قول کی تائید کی ہے -

اصل عبارت و ترجمہ یہ ہے :-

الذین یاکلون الربٰوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس -	ترجمہ لطیفی : آنانکہ میخورند مال ربا را برنخیزند از قبرهای خود روز بعث و نشور مگر آنچنانکہ

می خیزد آنکس کہ بزند و بیفگند او را دیو از سودن -

یعنی جو لوگ سود کا مال کھاتے ہیں ' وہ روز حشر قبر سے اس طرح اٹھیں گے کہ جیسے کوئی اٹھتا ہے اس حال میں کہ شیطان اس کو مارتا ہے اور گراتا پڑتا ہے اس کو مس کرکے یا اس سے لپٹ کر -

پھر حضرت ذوقی وضاحت کرتے ہیں :-

" حاصلش آنست کہ رباخواران بشکل مجانین باشند و اہل عرصات ایشان را بدیں نشانی بشناسند۔ "

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ سود خواران پاگلوں کی طرح ہوں گے اور اہل محشر اُنہیں اسی نشانی سے پہچان لیں گے۔

(۴) سورۂ البقرہ کی ایک آیت میں لفظ کسب اور اکتساب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، اردو میں اس آیت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے مترجمین و مفسرین نے اپنے اپنے طریقے اختیار کئے ہیں۔ مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن حضرت ذوقی نے فارسی ترجمہ میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں اُن سے الفاظ کسب اور اکتساب کی معنویت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ذوقی نے لفظ کسب اور اکتساب کی خاصیت کو بتا کر مفہوم کی مزید وضاحت کر دی ہے۔ آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے:-

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

ترجمہ لطیفی: آں نفس راست آنچہ کسب کردہ است از نیکوئی ہا و بروی باشد آنچہ بجای آرد از بدیہا۔

یعنی اسی نفس کے لئے ہے اس کا ثواب جس نے نیکی کمائی اور اسی پر پڑے گی جو اس نے بدی کی۔

اس ترجمہ کے بعد حضرت ذوقی اسی ذیل میں لکھتے ہیں:-

" تخصیص خیر بکسب و شر باکتساب بجہت آنست کہ افتعال برای انکماش است یعنی شتافتن و نفس می شتابد در شر و تکلیف دادہ شود بخیر۔ "

اردو ترجمہ:- خیر کی تخصیص کسب کے ساتھ، اور شر کی تخصیص اکتساب کے ساتھ اس لئے ہے، کہ باب افتعال میں انکماش کے معنی پائے جاتے ہیں۔ یعنی کسی چیز کی طرف پہلے ہی اشتغال یا اس کی طرف بہت جلد مائل ہونا اور نفس برائی کی طرف تیزی سے مائل ہوتا ہے اور اسے مکلف کیا گیا ہے خیر کے لئے۔"

ہمیں نفس کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ قرآن میں ملتا ہے۔ مثلاً سورۂ یوسف میں ہے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي

ترجمہ: بلاشبہ نفس کا تو کام ہی برائی کا حکم دینا ہے البتہ اس کی برائی سے وہی نفس بچ سکتا ہے جس پر میرا رب رحم کرے

سورۂ البقرہ میں اس آیت کے بعد دعائیہ آیات ہیں اس کے بارے میں حضرت ذوقی لکھتے ہیں:

" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں محل بالہام الٰہی آغاز دعا کردند " — یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس موقع پر الہام ہوا دعائیہ آیات کا اور آپ نے آغاز دعا کیا۔

عام طور پر اردو تراجم و تفاسیر میں یہ قول نہیں
ملتا ممکن ہے کسی نے نقل کیا ہو لفظ الہام سے
یہ ارشاد مقصود ہے کہ یہ دعائیہ آیات بذریعہ
حضرت جبرئیل نہیں نازل ہوئیں بلکہ بلاواسطہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القا ہوئیں۔

ایک قول یہ ملتا ہے کہ شب معراج میں جو
نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست
اللہ جل شانہ سے ملیں ان میں سے ایک سورۂ
بقرہ کی آخری دو آیات ہیں (مجموعہ خیر البیان)
(از مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۹۷ مطبوعہ
ابوالخیر اکاڈمی دہلی)

۵ سورۂ آل عمران کی آیت یہ ہے:

ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

اس آیت کے ترجمہ میں حضرت ذوقی نے بہت
احتیاط سے کام لیا اور لفظ مکر کی تاویل خوبصورتی
کے ساتھ کرکے ادب کے دامن کو ہاتھ سے جانے
نہیں دیا ہے۔

مکر اللہ کا ترجمہ یوں کیا ہے! "خدائے
تعالیٰ جزای مکر ایشان بایشان رسانید" یعنی
خدائے تعالیٰ نے ان کے مکر کی جزا ان تک پہنچائی
اور واللہ خیر الماکرین کا ترجمہ یوں کیا ہے
"خدائے تعالیٰ اہلِ مکر کو مکافاتِ عمل (عمل کا بدلہ)
دینے میں سب سے زیادہ بہتر (قادر) ہے

(۶) سورۂ آل عمران کی ایک آیت کا ترجمہ اور
تفسیر اس طرح ہے: ان اللہ لا یخفی
علیہ شیءٌ فی الارض ولا فی السماء

ترجمہ و تفسیر لطیفی: "بدرستیکہ خدائے
تعالیٰ پوشیدہ نمی ماند ہیچ چیزی از کائنات
نہ در زمین نہ از آسمان بلکہ علم او محیط بہمہ معلومات
است بخلاف علم عیسیٰ علیہ السلام کہ او از بعضی
مغیبات خبر داشت و آن نیز از تعلیم وی پس
بجستن علم ناقص استدلال ربوبیت او نمیتوان
کرد"

اردو ترجمہ: بیشک خدائے تعالیٰ سے
کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے
نہ زمین کی نہ آسمان کی، بلکہ اس کا علم تمام
معلومات کو محیط ہے بخلاف عیسیٰ علیہ
السلام کہ وہ بعض علوم غیب پر مطلع تھے اور
وہ بھی ان کو خدا کی عطا سے حاصل تھے۔ پس علمِ
ناقص سے حضرت عیسیٰ کی ربوبیت پر استدلال
کرنا درست نہیں ہے"

اس سے پہلے ان منکرین توحید کا بیان ہے
جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل
تھے۔ اس لئے آیت کے سیاق و سباق کو پیشِ
نظر رکھتے ہوئے حضرت ذوقی نے تفسیر میں
وضاحت کردی ہے جس سے یہ بتانا بھی مقصود

ہے کہ بندہ کا علمِ غیب ذاتی نہیں ہوتا بلکہ خدا کی عطا سے ہوتا ہے۔ عالم الغیب ہونا صرف خدا کی صفت ہے اور عطائی علم غیب ہونا خود بندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے عطائے علم غیب سے کسی بندہ کی ربوبیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا بندہ ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس آیت میں ایک مناظرہ کے ذریعہ اہلِ باطل کی تردید کی گئی ہے۔

حضرت ذوقیؔ کی اس تفسیر سے قرآن میں جو بلاغت کا پہلو ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیان تو واضح ہے مگر بیان کے موقع و محل نے کلام کو بلیغ بنا دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا بیان اور یہ بیان کہ ساری کائنات کو اس کا علم محیط ہے، یہاں اس سبب سے ہے کہ منکرین توحید کے استدلال کو رد کیا جائے جو حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل ان کے بعض علومِ غیب کی بنیاد پر تھے۔

(۷) سورۂ آل عمران ہی میں ایک جگہ شہید کی حیات کا ذکر ہے۔ حضرت ذوقی نے ترجمہ کے ساتھ اس حیات کی بھی وضاحت کی ہے آیت اور ترجمہ و تفسیر یہ ہے۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً ط بل احیاء عند ربھم یرزقون ۔

ترجمہ و تفسیر لطیفی: بلکہ ایشان زندگانند نزد پروردگار خود باعتبار آنکہ ھر سال ثواب غسزوہ بایشان میرسد یا آنکہ خاک ایشان را نمیخوا دیا رد سلام زایران میکنند یا بدستور زندگان روزی دادہ میشوند از میوہ ھای بہشت "

اردو ترجمہ: یہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس اس اعتبار سے کہ ہر سال ان کے جہاد کا ثواب ان کو پہنچتا ہے یا یہ کہ زمین ان کے جسم کو نہیں کھاتی یا یہ ہے کہ وہ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں یا زندوں کی طرح بہشت سے ان کو میوے دئے جاتے ہیں کھانے کے لئے"۔

ان امور کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام باتیں زندہ ہونے کے علامات ہیں اور یہ تمام علامات شہیدوں میں پائی جاتی ہیں۔

سورۂ آل عمران کی ایک آیت "انہ مسیح عیسیٰ ابن مریم" میں لفظ مسیح کی تشریح اس طرح کی ہے :-

"مسیح است و آن از القاب است عیسیٰ اسم اوست و تقدیم لقب بر اسم برای تعظیم است، اصل مسیح در عبرانی مشیخ است و معنی آن مبارک، چنانکہ او سبحانہ تعالیٰ فرمودہ وجعلنی مبارکا اینما کنت و گفتہ اند مسیح او را از آن میگفتند کہ ہر مریضی را کہ مسح

میکرد زمین را بسیاحت و متوطن جای نمیشد و بہ نسبت او بجانب مریم اشارہ است بآنکہ او مجرّد است از پدر"۔ ترجمہ: "وہ مسیح ہیں اور مسیح لقب ہے عیسیٰ ان کا نام ہے اور نام سے پہلے لقب لانا ان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور عبرانی میں یہ لفظ مشیخ اس کے معنی مبارک ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَجَعَلَنِی مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ اور کہا گیا ہے کہ ان کو مسیح اس لئے کہتے تھے کہ جس مریض کو وہ مسح کر دیتے تھے اور کسی جگہ متوطن نہیں ہوتے تھے اور مریم کی طرف اس لئے اشارہ کیا گیا کہ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔"

(۹) سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب انھوں نے پوچھا تھا کہ اے رب تو کس طرح مردوں کو زندہ کریگا" مجھے دکھادے۔
بعض صوفیا نے اس کی صوفیانہ تفسیر کی ہے مثلاً حضرت سید محمد گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ) کی تفسیر الملتقط (خطی) میں صوفیانہ انداز دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن حضرت نوری نے یہاں بھی ظاہری معنی ہی مراد لئے ہیں لیکن اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ نبی کی شان نبوت پر حرف نہ آنے پائے اور قرآن کے معنی و مراد میں بھی کوئی فرق نہ ہو۔
ملاحظہ ہو:۔

ترجمہ و تفسیر لطیفی: یاد کن آن را کہ گفت ابراہیم علیہ السلام ای پروردگار من بنمای را بدیدۂ سر چگونہ زندہ میگردانی مردگان را، گفت آیا تو ایمان نیاوردۂ بدانکہ من مردہ زندہ میکنم ؟ گفت بلی، ایمان آوردہ ام (بلی ایجاب بعد نفی است و اگر استفہام بمعنی ایجاب گیرند در قولہ تعالیٰ اَوَلَمْ تُؤْمِن یعنی تو ایمان داری بقدرت من بر احیاء و اماتت چنانکہ با نمرود گفتی کہ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ. بلی را بمعنی نعم اعتبار باید کرد) ولیکن سوال کردم از نمودن احیاء اموات تا مطمئن و ساکن گردد دل من بدیدن کیفیت آن.
آوردہ اند کہ ابلیس بر کنارۂ دریای میگذشت نظرش بر مرداری افتاد کہ مرغان و ددگان ہر یکی از او پارہ می ربایند، ابلیس گفت خوشش دامی یافتم کہ بدان کوتہ نظران کم خرد را صید میتوان نمود چہ این اجزای متفرقہ را از حوصلہ ہای مرغان و شکمہای نہنگان و ماہیان و درندگان جمع کردن مستبعد است، پس ایشان در این امر لغزش تمام بیابند و احیای موتی را خلاف عقل دانند و با انکار حشر پردازند پس حق سبحانہ بر ابراہیم علیہ السلام

وحی فرستاد کہ برکنارۂ فلان دریا برو کہ دشمن من دام فریب گسترده میخواہد کہ ہمی را درگرداب ضلالت افگند ابراہیم علیہ السلام در آنجا آمد، ابلیس آن شبہ را بروی القا نمود۔ ابراہیم علیہ السلام در جواب او فرمود کہ محل عجب نیست آنکہ اجزاء را از عدم بوجود آوردہ است قادر است کہ آن را جمع نماید اگرچہ در مواضع متعددہ متفرق شدہ باشد۔ پس ابراہیم علیہ السلام دعا کرد کہ ای پروردگار من کیفیت احیای موتی بمن بنمای تا این طاغی ملزم گردد و دل من بالزام اطمینان پذیرد۔"

اردو ترجمہ: اسے یاد کرو جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے ان ظاہری آنکھوں سے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے کہا کہ کیا تمہارا ایمان اس پر نہیں ہے۔ کہ میں مردوں کو زندہ کروں گا؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ہاں ایمان ہے (بلی نفی کے بعد ایجاب ہے اور اگر استفہام کو ایجاب کے معنی میں لیں لقولہ تعالیٰ اولم تؤمن یعنی تمہیں میری اس قدرت پر ایمان ہے کہ میں مردوں کو زندہ کروں گا جیسا کہ تم نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے بلی کو بھی نعم اعتبار کرنا چاہئے) لیکن میں نے سوال کیا کہ مردوں کو زندہ کرکے دکھائے تاکہ اس کی کیفیت کو دیکھ کر میرا دِل مطمئن ہو جائے اور قرار پکڑے۔

کہتے ہیں کہ ابلیس ایک دریا کے کنارے سے گذر رہا تھا۔ اُس کی نظر کسی مُردار پر پڑی کہ چڑیاں اور درندے اس کا گوشت کاٹ کر کھاتے تھے ابلیس نے کہا اچھا جال ہاتھ آیا ہے اس جال میں کم عقلوں کو پھنسا سکتا ہوں کیونکہ چڑیوں کے حوصلوں اور جانوروں اور مچھلیوں کے پیٹ سے ان اجزاء کو جمع کرکے پھر سے زندہ کرنا ان کی عقل سے مستبعد نظر آئیگا اور اس امر میں ان کو پوری طرح بہکایا جا سکتا ہے تاکہ وہ احیاء موتی کو خلاف عقل مان لیں اور حشر و نشر کا انکار کردیں پس حق سبحانہ نے ابراہیم علیہ السلام پر وحی کی کہ فلاں دریا کے کنارے جاؤ کہ وہاں میرے دشمن نے فریب کا جال بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی کے بھنور میں ڈال دے ابراہیم علیہ السلام وہاں آئے ابلیس نے یہ شبہ ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈالنا چاہا انہوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ کہ جو ان اجزاء کو عدم سے وجود میں لایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ ان کو جمع کردے اگرچہ یہ اجزاء مختلف مقامات میں منتشر ہو گئے ہوں۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے

دعا کی کہ اے پروردگار احیاء موتی کی کیفیت مجھ پر ظاہر کر دے تاکہ یہ گمراہ و باغی ملزم ٹھہرے اور میرا دِل اِلزام سے بَری ہونے پر مطمئن ہو جائے (یعنی میں نے جو برِ زہشر احیاء موتی کا دعویٰ کیا ہے وہ سامنے آجائے گا تو عملی ثبوت دیکھ کر ایک طرف شیطان ملزم قرار پائے گا اور دوسری طرف میرے دِل کو چین نصیب ہوگا اور مجھ پر یہ الزام عائد نہ کر سکیگا۔)

اس تفسیر میں چند نکات قابلِ توجہ ہیں:

(۱) بعض اردو مفسرین نے یہ لکھ دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بہ تقاضائے بشری شبہ میں پڑ گئے تھے اور اپنے شبہ کو دُور کرنے کے لیے خدا سے احیاء موتی کا تقاضا کیا تھا اور حضرت ذوقی نے اس اشکال کا اِزالہ اس طرح کیا ہے کہ قرآن ہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول پیش کر دیا کہ انہوں نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رَب وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا ایمان مستحکم تھا اور نبی کی شان کے یہ خلاف ہے کہ وہ ایمان کے معاملہ میں شبہ میں پڑ جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ کیف تحی الموتی کا ترجمہ انہوں نے اس طرح کیا ہے "بنما ی مرا بدیدۂ سر چگونہ زندہ میگردانی مردگان یعنی مجھے مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت کو ان ظاہری آنکھوں سے دِکھا دے سوال کے الفاظ یہ نہیں ظاہر کرتے کہ آپ کو ایمان نہ تھا بلکہ وہ اِس کیفیت کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں خدائے تعالیٰ کے اِس سوال سے ملتا ہے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔ کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ہے کہ میں مُردہ زِندہ کر سکتا ہوں؟ اس پر ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب ہے کہ بیشک میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ دراصل باری تعالیٰ کے سوال کا مقصد اس بات کو واضح کر دینا ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ایمان میں شبہ اور نقص تھا ورنہ خدائے تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ علام الغیوب ہے اور دِلوں کے حال سے واقف ہے۔

اَب رہا دِل کے اطمینان کا مسئلہ تو یہ اس شانِ نزول سے ظاہر ہوتا ہے جو حضرت ذوقی نے بیان کی ہے یہ نہیں بتایا کہ یہ روایت انہوں نے کہاں سے لی ہے اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دیکھ کر کہ ابراہیم علیہ السلام کے سبب مُردہ زندہ ہو گیا کوئی یہ نہ سمجھے کہ کوئی نبی خود سے مُردہ زندہ کر سکتا ہے بلکہ یہ کام درحقیقت مالکِ حقیقی کا ہے اور اسی کے

حکم سے مُردوں کو ابراھیم علیہ السلام کے ذریعہ زِندہ کیا گیا تاکہ یہ ابراھیم علیہ السلام کی نبوت پر ایک دلیل بن جائے۔

اب اس سِلسلہ کی آخری آیت نقل کی جاتی ہے جس کے ترجمہ میں صوفیانہ طرز بھی شامل ہے یہ سورۂ فاتحہ کی آیت ذیل ہے۔

ایاک ونترا
نعبد عبادت میکنیم
وایاک نستعین وخاص از تو مدد می جوئیم در عبادت

اُردو ترجمہ: "اور ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں عبادت میں"

اس ترجمہ میں جو خاص لفظ قابلِ توجہ ہے وہ ہے "عبادت میں" قرآن کی اس آیت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ذوقی نے اس عبادت کے ساتھ خاص کر دیا۔ یہ اعتراض عُلماء ظاھر کی طرف سے ہو سکتا ہے لیکن حضرت ذوقی نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں زیادہ گہرائی ہے اور اس میں ذوق بندگی شامل ہے جو قرآن کے اس منشاء کے مطابق ہے جس کا تعلق توحید کے رموز سے ہے جو عبادت و بندگی کے مفہوم کو اس طرح ظاھر کرتا ہے جس سے بندہ پر مقام بندگی کی کیفیت کھلتی ہے۔

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ بندہ ہر نیک عمل کا فاعلِ حقیقی خدا کو سمجھے اور اسے اپنی طرف منسوب نہ کرے یعنی وہ معبود کے سامنے اپنے احساس انا بلکہ اپنے احساس وجود کو بھی ختم کر دے۔ لیکن برائی کو خود اپنی ذات سے منسوب کرے۔ اسی لئے ایک حدیث ہے کہ برائی کرتے وقت دِل میں ایمان نہیں رہتا کیونکہ اس وقت اس کی انانیت بیدار ہوتی ہے۔ مومن کی حلال کی کمائی کو بھی بندے کی ذات سے نہیں منسوب کیا گیا ہے بلکہ کہا گیا ہے ومِمّا رزقنا ھم ینفقون یعنی رزاق حقیقی فرماتا ہے کہ ہم جو مومنین کو روزی دیتے ہیں وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ لیکن سورۂ فاتحہ کی اس آیت میں خود مومن کی زبان سے ایک دعوے کا اظہار اس طرح کرایا گیا یعنی "ایاک نعبد" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ (ہم کا صیغۂ جمع اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمام مومنین تیری ہی عبادت کرتے ہیں) یہاں عابد اور معبود میں فرق کا اظہار کرنا لازمی تھا اس لئے بندہ کو اپنی انا کا اظہار کرنا اور دعویٰ فعل کرنا پڑا لیکن اس کے فوراً بعد یہ کہنا وایاک نستعین یہ ظاھر کرتا ہے کہ اے خدا! تیری توفیق کے بغیر ہم یہ عبادت بھی

بھی نہیں کر سکتے۔ اس طرح انا اور فعل کا دعویٰ دونوں ختم ہو جاتے ہیں جب بندہ مقام بندگی کے اس درجہ کو پہنچ گیا ہو کہ وہ دعویٰ انا اور دعویٰ فعل سے عاری ہو چکا ہو تو وہ کسی بھی امر میں اپنے اختیار و ارادہ کا دعویٰ نہ کریگا اور اس کا ہر ارادہ خدا کے ارادہ کے تابع ہو جائیگا اور اس کا یہ یقین ہر وقت اس کے ساتھ رہیگا کہ وہ خدا کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا

اس طرح اکثر ترجمہ میں "در عبادت" زاید ہے لیکن اس معنی میں وہ مراد بھی شامل ہے جو علماء ظاہر کا قول ہے اور صوفیہ کا نقطۂ نظر بھی شامل ہے کہ بندہ خدا کے وجود کے سامنے ہیچ ہے یعنی لا موجود الا اللہ

زیر بحث آیت کے تحت جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے یہ عام فہم انداز میں ان لوگوں کے لئے ہے جو کچھ علم و فہم رکھتے ہیں۔ لیکن توحید کے مراتب میں یہ ایک مرتبہ ہے۔ جن کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ راقم کی کتاب تصوف حصۂ اول میں زیر عنوان وحدت الوجود ملاحظہ فرمائیں۔ اس بحث کا سلسلہ جبر و اختیار کے مسئلہ سے جا ملتا ہے جو بہت نازک ہے۔ ان مسائل کی بھی اساس قرآن میں موجود ہے۔ لیکن ان کی معرفت ان لوگوں کو ہوتی ہے جو تزکیۂ نفس اس طرح کر چکے ہوں کہ توحید ان پر چھا جائے اس وقت وہ دیکھتے ہیں کہ در حقیقت بندہ کا وجود نہیں ہے۔ برائی ہماری یعنی بندہ کی نسبت سے ہے۔ اس مسئلہ کو علمی طور پر بھی بیان کیا گیا ہے جو بہت دقیق ہے اور جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اشارۃً دو صوفیا کے اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ شیخ ابو الوفا خوارزمی (آٹھویں اور نویں صدی ہجری) لکھتے ہیں:۔

بد کردم و اعتذار بدتر زگناہ : ترجمہ، میں نے برائی کی اور پھر برائی کا عذر کیا جو گناہ سے بھی بدتر ہے

زیرا کہ دریں ہست سہ دعوای تباہ :
دعوای وجود دعوئ قدرت و فعل

کیونکہ عذر پیش کرنے میں تین تباہ کن دعوے ہیں، انا کا دعویٰ قدرت کا دعویٰ اور فعل کا دعویٰ

لا حول و لا قوۃ الا باللہ :

لا حول ولا قوۃ الا باللہ یعنی البسیط عوذ بالله من ذلك ابتناشه

خواجہ حافظ شیرازی (آٹھویں صدی ہجری) لکھتے ہیں:

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ : ترجمہ: اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا

تو در طریق ادب باش وگو گناہ من است

لیکن تم ادب کا طریقہ اختیار کرو اور کہو کہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا

لیکن یہ بہت مشکل مسئلہ ہے اس بحث سے بچنا بہتر ہے۔

تفسیر لطیفی کی بعض خصوصیات کی طرف اشارے کئے جا چکے ہیں اور مذکورہ مثالوں سے ان خصوصیات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے۔ اگر تفسیر کا مطالعہ بالاستیعاب کیا جائے تو بہت سے نکات نظر میں آ سکتے ہیں۔ اور اس تفسیر کی معنوی خصوصیات مزید روشنی پڑ سکتی ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ مضمون ایک سرسری مطالعہ پر مبنی ہے شروع میں ہم نے جن خصوصیات کی طرف اشارے کئے ہیں ان کا اعادہ ذیل میں کسی قدر تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

(۱) قرآن کی تفسیر لکھنے میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ بیان خواہ کتنا ہی مفصل ہو اس میں غیر ضروری الفاظ و جملے نہ ہوں، بیجا تکرار نہ ہو، انشاء پردازی، پرشکوہ انداز بیان، خطابت جوشِ بیان، رنگین بیانی سے کام نہ لیا گیا ہو، جو بات ہو واضح ہو، ابہام نہ ہو غرضکہ انداز بیان صاف، سادہ غیر مبہم ہو اور حشو و زوائد سے پاک ہو۔ تفسیر لطیفی میں ان تمام باتوں کا لحاظ پایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت ذوقی نے ترجمہ تقریباً تحت لفظ کیا ہے لیکن ترجمہ کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں محسوس ہوتی۔ یہ ترجمہ کی خوبی ہے، ترجمہ قرآن کے مفہوم کے مطابق ہے اور زیادہ تر الفاظ اصل کے مطابق یا ان سے بہت قریب ہیں

(۳) ترجمہ عام فہم ہے اور عام لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں یعنی وہ لوگ جو فارسی سے واقف ہیں۔ لیکن اس میں جو اشارے ہیں ان سے خواص ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

(۴) ترجمہ میں مقام ادب میں ہر جگہ ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ کہا گیا ہے کہ التصوف کلہ ادب، تصوف سراسر ادب ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الدین کلہ ادب، دین سراسر ادب ہے

(بقیہ بر صفحہ ۹۱)

اہم فتوے

از :-

عمدۃ الکاملین حاجی الحرمین حضرت مولٰنا مولوی سید محمد قادری
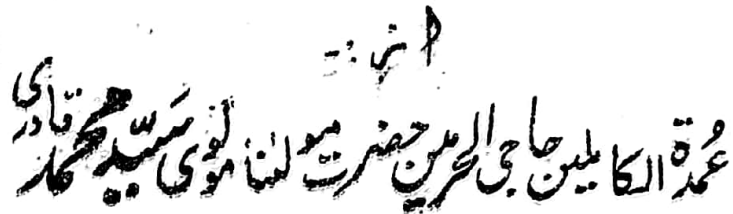
قدس سرہٗ العزیز

ہمشیرزادے و داماد حضرت قطبؒ ویلور۔

ترجمہ و تلخیص :-

مولوی حافظ ابوالنعمان محمد بشیر الحق قریشی

قادری ادھونی استاذ دارالعلوم لطیفیہ

ذیل کا فتوٰے درجواز فاتحہ خوانی و گل پوشی نوشاہ حضرت قطبؒ ویلور کے ہمشیرزادے اور داماد نے تحریر فرمایا ہے، جو ۱۳۱۳ھ میں مطبع مدرسہ محمدی مدراس سے شائع ہو چکا ہے۔ اس علمی و تحقیقی اور معرکۃ الآرا فتوی کا اکثر حصہ فارسی اور عربی پر مشتمل ہے۔ صرف ابتدا اور انتہا میں چند سطور دکنی زبان میں ہیں، افادۂ عام کے خیال سے ترجمہ اور اردوئے قدیم کا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ۔ ۔ ابوالنعمان

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کے درمیان بعض فروعی و جزوی مسائل اور مباح اعمال سے متعلق غیر معمولی انہماک اور غیر معمولی تشدد دیکھنے میں آرہا ہے اور یہ افراط و تفریط اور غلو و تعصب یقیناً بڑی خطرناک صورتِ حال ہے۔ ماضی میں بھی تقریباً ایک صدی قبل بھی اس قسم کی فضا پھیلنے لگی تو مجدد و محبوب حضرت قطبِ ویلور نے حکیمانہ و معتدلانہ موقف پیش کیا جسے آپ کی باکمال و باتوفیق اولاد اور تلامذہ و خلفاء نے اختیار کیا جس سے جنوبی ہند کے اندر اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ہموار ہوئی۔

جزم کردن بیک جانب و ترجیح آں و تعصب نمودن درآں مناسب طریقۂ اختلاف نیست۔ اگر یکے را صلاح وقت دراں نماید کہ توقف کند و ملاحظہ و احتیاط نماید، و در ورطۂ اختلاف و نزاع نیفتد ..... در امرِ مختلف فیہ عیب یکے دیگر نباید کرد و ہر یکے را بحال خود باید گذاشت۔

(مفصل الخطاب مصنف حضرت قطبِ ویلور)

کسی اختلافی مسئلہ میں، ایک ہی جانب حق ہونے کا یقین کرلینا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں تعصب سے کام لینا، یہ علمی اختلاف کا غیر مناسب رویہ ہے۔ اگر کسی ایک ہی صلاح وقت دیکھیں تو توقف کریں اور ملاحظہ و احتیاط کا دامن نہ چھوڑیں۔ اور جہاں تک ہوسکے اختلاف اور نزاع کے بھنور میں نہ پھنس جائیں اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن و نکتہ چینی نہ کریں اور ہر ایک کو اس، اس کے موقف پر چھوڑ دیں۔

ذیل کا یہ فتویٰ حضرت قطبِ ویلور قدس سرہ العزیز کے ہمشیرزادے اور دامادِ حضرت مولانا مولوی الحاج شاہ سید محمد قادری ویلوری علیہ الرحمہ کے قلم سے ہے جس میں مفتی موصوف نے نماز پنجگانہ اور کار خیر و مباح کے مواقع میں فاتحہ خوانی اور نکاح و دیگر خوشی کی مجلسوں میں پھولوں کا ہار پہننے سے متعلق علمی و تحقیقی اور تفصیلی انداز میں بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔

یہ فتویٰ سنہ ۱۳۱۲ ہجری میں مطبع محمدی مدراس سے شائع ہوچکا ہے جس میں وقت کے جلیل القدر علماء اور حضرت قطبِ ویلور کے خلفاء کی دستخطیں اور ان کے تصدیقی بیانات شامل ہیں۔ اس فتویٰ کا زیادہ تر حصہ فارسی اور عربی پر مشتمل ہے۔ اردو داں حضرات کے لیے اصل فتویٰ کے بعد فارسی اور عربی اقتباسات کا ترجمہ اور خلاصہ درج کیا گیا ہے، اور اردوئے قدیم کے حصے کو اردوئے جدید کے قالب میں پیش کیا گیا ہے۔

ابو النعمان شبیر الحق عفرلہ'

فتوے

در اجازت فاتحہ خوانی بعد نمازہائی پنجگانہ وغیرہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: فاتحہ بعد نماز فجر و تراویح وجمعہ وغیرہ بنام سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجمیع مومنین ومومنات پڑھنا اور نکاح میں بعد ایجاب قبول کے اور اسی طرح کوئی کار خیر ومباح کے شروع یا آخر میں سورۂ فاتحہ فقط یا مع سورۃ الاخلاص یا مع سورۃ النصر پڑھ کر دعا بمناسب مقام کرنا اور ان تواریخ کے وقت مجمع سے ایک شخص بآواز بلند الفاتحہ کہنا تا دوسرے بھی اس عمل میں شریک ہوں جائز ہے یا نہیں۔ درصورت جواز انکار اس کا کیا ہے؟ ...... بینوا وتوجروا

الجواب:-

حامداً اللہ ومصلیا ومسلما علیٰ رسولہ وآلہ وصحبہ۔ جائز ہے کیونکہ ایصال ثواب بنام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع مومنین ومومنات جائز اور مشروع ہے اور دعا حاجتوں میں مامور اور ماثور ہیں اور قرأت قرآن موجب نزول رحمت وبرکت وموجب ثواب جزیل وسعادت خصوصاً ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ باعث قبول دعا وفوائد بسیار ہے۔ اور سورۃ الاخلاص وسورۃ النصر ودیگر سورتیں بھی خواص بے شمار رکھتے ہیں۔ اور تعیین اوقات اگر بہ نیت خیر ہے اور التزام ناجائز سے خالی تو ممنوع نہیں۔

اور التزام ناجائز وہ ہے کہ اسکو لازم جانے اور کبھو ترک نہ کرے یا اس تعیین میں ہی حصول ثواب یا زیادتی ثواب سمجھے اور ترک میں اس کے عدم ثواب یا کمی اس کی اور مجمع سے ایک شخص الفاتحہ بول کر دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کرنے میں دلالت ہے طرف کار خیر کے اور رجاء قبول دعا ہے بسبب اجتماع مسلمین۔

رد المحتار میں ہے: قلت وقول علمائنا لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ ویدخل فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ احق بذلک

حیث انمزنا من الضلالہ فھو ذالک نوع شکروا سداء جمیل لہ والکامل قابل الزیادۃ الکمالی۔ انتہی اور زاد الآخرت میں مرقوم ہے ”ایصال ثواب وابلاغ ثواب اعمال خیر از عبادات بدنیہ چوں نماز و روزہ و حج و ختم قرآن و درود و تسبیح و تہلیل و استغفار و دعا وغیرہ عبادات مالیہ چوں اعتاق

و صدقہ زر و نقرہ و پارچہ و غلہ و طعام و جز آں برای موتی و احیاء نزد اہل سنت و جماعت روا است و ثواب ہر یک ازانہا در ہر حال بایشاں می رسد بالاتفاق کذا فی البحر الرائق و کنز العباد و مختار الفتاوی انتہی اور مشکوٰۃ شریف میں ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ھو العبادۃ ثم قرأ وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ۔ وقال علیہ السلام ان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء۔

اور مدارج النبوۃ میں گفتہ اند کہ موضع قرآن موضع برکت و نزول رحمت است“!

اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الم حرف الف حرف لام حرف میم حرف انتہی۔

اور مناوی مفتاح الکنوز میں لائے ہیں الفاتحۃ لما قرأۃ لہ بیہقی انتہی

اور تفسیر عزیزیہ میں فضائل سورۂ فاتحہ میں لکھے ہیں کہ ابو الشیخ در کتاب الثواب آوردہ است کہ ہر کرا حاجتی باشد می باید کہ فاتحۃ الکتاب بخواند و بعد از ختم حاجت بخواہد انشاء اللہ تعالیٰ آں حاجت بر آید، و ابو نعیم و دیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحۃ الکتاب کفایت می کند از آنچہ ہیچ چیز از قرآن کفایت نمی کند و نیز از تفسیر وکیع و کتاب المصاحف ابن انباری و کتاب العظمۃ ابو الشیخ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم وارد است کہ ابلیس علیہ اللعنۃ چہار بار در عمر خود نوحہ و زاری و خاک بر سر انداختن اتفاق افتادہ۔ اول وقتیکہ او را لعنت شد۔ دوم وقتیکہ او را از آسمان برآوردہ بر زمین انداختند و وقتیکہ بعثت آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام واقع شدہ، و وقتیکہ فاتحۃ الکتاب نازل شد۔

و عبد ابن حمید در مسند خود از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً روایت می کند:۔ کہ فاتحۃ الکتاب برابر دو ثلث قرآن است در ثواب انتہی۔ پھر تفسیر عزیزیہ میں سورۃ الاخلاص

کے بیان میں لکھتے ہیں: باید دانست کہ ایں سورہ را در حدیث شریف ثلث قرآن فرمودہ اند و چنیں قرار دادہ اند کہ خواندن ایں سورہ برابر خواندن سیوم حصۂ قرآن ہست۔

اور بیضاوی میں ہے: وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ اذا جاء اعطی من الاجر کمن شہد مع محمد یوم فتح مکۃ۔

اور ہدایۃ النجدین الی مسائل العیدین میں مولانا ابو البرکات رکن الدین محمد تراب علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہندوستان کے مشاہیر علماء سے تھے لکھتے ہیں:

تنبیہ ہرگاہ سنت مصافحہ و معانقہ درحال قدوم از سفر و بدون آں ثابت شدہ۔ پس تعیین آں بروز عیدین چناں کہ در بلاد ہند رواج دارد نیز روا باشد بجہت آں حکمے کہ اصل آں در شرع شریف ثابت است۔ پس تعیین در وقتی خاص بسبب اندراج ایں وقت در اوقات ثبوت آں اصلی روا گردد، زیرا کہ چوں اصل شئ در ہر اوقات مشروع شد پس وقت معین ہم یکی از افراد اوقات آں مطلق باشد بجہت تحقق مطلق در افراد ظاہر است کہ ہر فردی از مطلق کہ متحقق باشد باعتبار تعین و تشخص خارجی الخ تحقق آں مطلق نخواہد بود، الا تحقق در فرد ممتنع باشد وہو کما تری و آنچہ از تعیین وقت شرعاً ممنوع است تعیینی ست کہ مانع تحقق مطلق غیر آں معین باشد کہ از شارع تعیینش ثابت شدہ تلخیص مرام آنکہ حکم مشروع بر دو قسم است مقید و مطلق و در مقید رعایت قید کہ از شارع ثابت شدہ ضرور است ہرگز تبدیل آں جائز نیست بخلاف المطلق کہ رعایت قید و خصوصیت دراں از جانب شارع مرعی نشدہ بلکہ ہر فرد آں صلاحیت تحقق مطلق میدارد و توضیحش آنکہ مثلاً حکمی را احکام شرع در مطلق اوقات مشروع باشد مانند ایصال ثواب عبادات مالی و بدنی برای نفع اموات پس تعیین آں بروز سوم اگر بلحاظ آں باشد کہ میت در قرب اوقات موت بجہت ظلمت قبر و ضغطۂ آں و توحش و سوال ملائکہ زیادہ تر محتاج بوصول مثوبات می باشد پس شرط در مشروعیت اعمال خیر مانند تلاوت قرآن مجید و ابلاغ صدقات با تعیین آں دریں وقت مضائقہ ندارد، و اگر بلحاظ آں باشد کہ دریں روز معین اعمال خیر بجا آوردن، روا است، در غیر آں روا نیست۔ پس ظاہر است کہ ایں نیت باطل ست، چہ دریں صورت تشریع شرع جدید و تغیر حدود الہیہ لازم می آید وہو ممنوع قطعاً پس باعتبار اصل مقرر مذکور ظاہر شدہ کہ مصافحہ و معانقہ بروز عیدین روا است و در مفہوم بدعت سیئہ مندرج نیست و شاہد عادل بریں مطلب آنکہ تذکر و موعظت برای نفع ہدایت مردماں در جمیع اوقات مؤکد و مستحب است۔

د تعیین روزی از روزہای ہفتہ ویا تاریخی از
تاریخہای ماہ وسال جائز ہست، چنانچہ عبداللہ
بن مسعود رضی اللہ عنہ روز پنجشنبہ را برای موعظت
مقرر فرمود وامام بخاری درین مسئلہ بابی علیحدہ منعقد
کردہ وعن ابی وایل قال کان عبداللہ یذکر
الناس فی کل خمیس انتہی۔

اور حضرت مولانا شیخ فتح محمد محدث
رحمۃ اللہ علیہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھتے ہیں "اگر بعد
سنت فاتحہ آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم بخواند بدعت حسنہ
باشد" انتہی۔

اور عالمگیری میں ہے الا فضل
فی قرأۃ القرآن خارج الصلوٰۃ الجہر وقرأۃ
الفاتحۃ بعد المکتوبۃ لاجل المہمات مخافتۃ
او جہرا مع الجمع مکروھۃ واختار القاضی
بدیع الدین انہ لایکرہ واختار القاضی الامام
جلال الدین ان کانت الصلوٰۃ بعدھا سنۃ
یکرہ والا فلا کذا فی التاتارخانیۃ انتہی۔

پھر اس میں مرقوم ہے یجتمعون و
یقرؤن الفاتحۃ جہرا دعاء لا یمنعون عادۃ
والاولی المخافتۃ انتہی وفیہ ایضا ولا باس
باجتماعھم علی قرأۃ الاخلاص جہرا عند ختم القرآن
ولو قرأ واحد واستمع الباقون فھو اولی فیتنۃ

اور حدیث شریف میں ہے الدال علی الخیر
کفاعلہ۔

اور صاحب حصن حصین احوال اجابت دعا میں
لکھتے ہیں: دبر الصلوٰۃ المکتوبات وعقیب
تلاوۃ القرآن واجتماع المسلمین انتہی۔

اور نظر کرنے او پر فوائد مذکورہ سورۂ فاتحہ وغیرہ۔
اہل صلاح وبزرگان دین جو تابع سنت وقامع بدعت
وجامع شریعت وطریقت ومقتدای وقت تھے اوقات
مخصوصہ میں قرائت فاتحہ کرتے تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الاولیاء
میں ذکر میں احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے جو طریقے
میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے تھے نقل کئے ہیں:۔

نقل است کہ یکبار در خانقاہی آمد با جامۂ خلق
واز رسم صوفیاں فارغ وبلطائف حقیقت مشغول،
اصحاب خانقاہ بباطن با او نکار کردند وباشیخ گفتند
کہ او از اہل خانقاہ نیست تا روزی احمد بسر چاہ رفت
ودلوش در چاہ افتاد، خادم او را برنجانید احمد پیش
شیخ آمد وگفت فاتحہ بخواں تا دلو از چاہ برآید۔ شیخ
متوقف شد کہ این چہ التماس ہست احمد گفت اگر تو
نمی خوانی اجازت دہ تا من بخوانم۔ شیخ اجازت داد
احمد فاتحہ برخواند، دلو برسر چاہ آمد۔ شیخ چوں آں
بدید، کلاہ از سر بنہاد وگفت ای جوان تو کیستی کہ
خرمن جاہ ما در ہوا بر دادۂ تو کاہ شد۔ احمد گفت
یاراں را بگوی تا بچشم حقارت در مسافراں نہ نگرند
من خود رفتم انتہی۔

اور حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بوستان میں فرماتے ہیں ؎

ذکر رفت و ایثار خیرش نماند
نشاید پس مرگش الحمد خواند

اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس پر سات ویں مکتوب میں جلد ثالث میں لکھتے ہیں :-

ہر چند ایں کمترین شایان آں نیست که خود را در عداد اہل شکر دعا داخل سازد - لیکن بمجرد اسم فقرا و احتمال اجابت دعا خود را از دعای دولت قاہرہ فارغ نمی دارد، و بلسان حال و قال بدعا و فاتحہ سلامت رطب اللسان می باشد - ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم، انتہیٰ

اور اسی جلد کے مکتوب نو دو نہم میں تحریر کرتے ہیں، از عنایات و اشفاق حضرات امید آں دارد که در اوقات مرجوہ از دعای خیر و فاتحہ سلامت خاتمہ نسی نخواہند فرمود - انتہیٰ -

پھر اسی مکتوب میں لکھتے ہیں :-

بمخدوم زادہای گرامی نیز فقیر زادہا عرض دعا فرمودہ التماس فاتحہ می نمایند -

اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں لکھتے ہیں : فاتحہ خوانند و دست او را در دست خود گرفتہ بیعت نماید -

پھر اسی کتاب میں ختم خواجگان چشت قدس اللہ اسرارہم میں لکھتے ہیں :

ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدائے تعالےٰ سوال نمایند و ہمیں طور ہر روز می خواندہ باشند - انتہیٰ -

اور حضرت مولانا میرزا مظہر جانجاناں شہید قدس سرہ کے معمولات میں ہے، فاتحہ بارواح طیبات حضرات آں طریقہ میخوانند - بعد ازاں دست گرفتہ توجہ میدادند -

اور اسی میں ہے باز فاتحہ برای خیر و برکت میخواندند - پھر اسی میں ہے، ہر طینتی و مقصدی که خوانند باید که اول دست برداشتہ سورۂ فاتحہ یکبار بخوانند - پھر اسی میں ہے بعد ازاں فاتحہ خواندہ ثواب ایں ختم بارواح طیبات حضرات بزرگواران که ایں ختم بایشاں منسوب است باید گزرانید

پھر اسی میں ہے و در ختم حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نیز ہمچنیں معمول بود -

پھر اسی میں ہے بعد از نماز جمعہ ہر دو دست را برداشتہ بآواز بلند می فرمودند که فاتحہ علی حضرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و علی ابی بکرنا و عمرنا و عثماننا و علینا رضی اللہ تعالی علیہم

اجمعین، بعد ازاں سورۂ فاتحہ می خوانند، و یاراں نیز در قرائت ایں سورہ متابعت می نمودند۔

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوے کے ایک رقعہ میں لکھے ہیں کہ در تمام سال دو مجلس در خانۂ فقیر منعقد می شوند مجلس ذکر وفات شریف و مجلس شہادت حسنین رضی اللہ عنہما۔

پھر اسی میں لکھتے ہیں، بعد ازاں ختم قرآن شریف و پنج آیت خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ می آید۔ پھر اس کے اخیر میں فرماتے ہیں: پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر بہمیں وضع کہ مذکور شد جائز نمی بود اقدام بر آں اصلا نمی کرد۔ انتہی۔

پس فواتح مذکورہ بطریق مذکورہ منافی قواعد شرعیہ نہیں اور جائز بلا کراہت ہے۔ اور مشتمل بر فوائد کثیرہ۔ معہذا حرمین شریفین و دیگر بلاد کے اہل صلاح کا تعارف بھی ہے، جس کو فقہ میں اعتبار ہے جیسا کہ البصائر حاشیۂ اشباہ والنظائر میں ہے۔

اعتبار العرف ترجع الیہ فی الفقہ حتی جعلوہ اصلا خامسا والمراد بالعرف عرف المومنین مالم یخالف قواعد الشرع۔ فان خالف فلا اعتداد بہ اصلا۔

اور عرف مومنین سے مراد عرف صلحای مومنین ہے جیسا کہ خزانۃ الروایات میں ہے المراد من التعارف تعارف العلماء من المومنین لا تعارف العامۃ الذین لا یفرقون بین الغث والثمین ولا یعرفون الشمال عن الیمین انتہی۔

پس فواتح مذکورہ کا انکار خطا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

سید محمد عفا اللہ عنہ

من حررہ ھذا الجواب فقد سلک سبیل الرشد والصواب

سید شاہ میر قادری کان اللہ لہ

ھذا الجواب صحیح

سید محمد قادری ۹۴ رکن الدین ۱۲	عبدالہادی صاحب پیراں عفی عنہ

فضل اللہ ۱۲۶۸۴ سید قادری

ھذا الجواب صحیح: حنیف عفا
ھذا الجواب صحیح: سید حسین قادری
ھذا الجواب صحیح: عبدالقادر علی

اصاب من اجاب والمنازع مخطی بلا ارتیاب

کتبہ عبدالوہاب کان اللہ لہ

اصاب من اجاب فقیر سید محمد کمال الدین حسینی عفا اللہ عنہ وعن اسلافہ

صح ھذا الجواب لا شک فیہ ولا ارتیاب

عبدالحی عفا اللہ عنہ

فتوے

درباب اجازت گلپوشی نوشاہ در مجلس عقد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: پھول کا ہار نوشاہ کے گلے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ نوشاہ پھول کا ہار ڈالیگا کر کے معلوم ہوا تو اس میں تشبہ بالکفار ہوتی ہے کر کے اجابت دعوت نہ کرنا اور اجابت کر کے حاضر ہو گئے بعد اسکو دیکھے تو نکلوانا، ورالا آپ مجلس سے چلا جانا بے جا ہے، یا بجا۔ بینوا و توجروا۔

الجواب

حامدًا اللہ ومصلیا ومسلماً علے رسولہ وآلہ وصحبہ پھول کا ہار گلے میں ڈالنا جائز ہے، کیونکہ پھول کے ہار میں دو چیز ہیں، ایک پھول، وہ تو انواع زینت ومنافع اور اقسام طیب سے ہے اور زینت ومنافع مباح اور طیب، پسندیدۂ رب العالمین وسید المرسلین ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

قال اللہ تعالےٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب کل طیب الرایح وجید الشیاب وقال صلی اللہ علیہ وسلم حبب الیّ النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ اور دوسری ہیئت ہار، کہ اس میں تشبہ بکفار ثابت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ تشبہ بد وہی ہے جو مذموم چیز میں ہو اور قصد تشبہ سے ہو اور مذموم چیز شعار کفار ہے اور شعار علامت خاص کو قوم کے کہتے ہیں جو لباس وغیرہ میں ہوتی ہے نہ عادات مشترکۂ اقوام کو مثل عادات باشندگان ایک ملک یا یک بلد کو اکثر باہم مشترک ہوتے ہیں خواہ جنس اکل وشرب میں خواہ لباس ومکانات میں۔ اور پھول کا ہار شعار کفار سے نہیں ہے، بلکہ عادات مشترکۂ اہل ہند سے ہے، کہ اہل اسلام وکفار یہاں کے اس کو اپنی شادیوں اور ضیافتوں وغیرہ محل سرور میں استعمال کرتے ہیں۔ اور بالفرض

ہار اصل میں کفار سے ماخذ ہو تو بھی کچھ ضرر نہیں کیونکہ مسلمانان ہند بھی جب اس کو باعتبار اباحت اصلی استعمال کرتے ہیں اور یہ استعمال ان میں شایع ہوگیا تو اب شعار کفار باقی نہ رہا اور قصد تشبہ کا یہاں ممکن نہیں ہے کیونکہ کوئی مومن باوجود ہونے ہار گل عادات قوم اپنے سے حالت نکاح شرعی میں کفار سے کیونکر قصد تشبہ کا کریگا۔ پس پھول کا ہار منکرنہ ٹھہرا۔ اور موانع اجابت دعوت سے نہ رہا۔ تو اس کے سبب سے اجابت دعوت جو سنت ہے یا مستحب ترک کرنا اور بعد حاضر ہونے کے اس کو نوشہ کے گلے میں دیکھیے تو نکلوانا و الا باوجود لزوم دعوت کے مجلس سے نکل جانا بے جا ہے جیسا کہ استاد اس کے یہ ہیں :-

مولانا حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہ اپنے فتاوے میں لکھتے ہیں: موافق قواعد شرع شریف چیزے کہ مخصوص بہ کفار باشد مسلمانان آں را استعمال کنند خواہ در لباس خواہ در چیزی دگر بطریق اکل و شرب داخل تشبہ است و ممنوع و آنچہ مخصوص بکفار نیست گو کہ کفار آں را بیشتر استعمال می کنند و مسلمانان کمتر۔ پس مضائقہ ندارد و ہمچنیں اگر بعضی از امور مخصوصہ کفار بنا بر آرام و بنا بر فائدہ نہ دانسته استعمال کنند نہ آنکہ خود را متشبہ بآنہا سازند مضائقہ ندارد۔ آری تشبیہے کہ ممنوع است مطلقاً آن ہست کہ خود را در عداد آنہا داخل کنند و اشمالت قلوب بآنہا داشتہ باشند و ہمچنیں تعلم لغت و خط ایشان بنا بر تشبہ البتہ ممنوع اما بنا باطلاع بر مضامین ایشان اگر تعلم لغت کنند مضائقہ ندارد۔ و تشبہ در عبادات و ادعیہ مطلقاً ممنوع است و احادیث دالہ بر آں بسیار اند۔ غرض کہ تشبہ بآنہا ہر چونکہ باشد داخل منع است و ہمچنیں پوشیدن پوشاک ایشان بنا بر فائدہ بدنی مضائقہ ندارد۔ انتہی

و فی الدر المختار فان التشبیہ بہم لا یکرہ فی کل شیئ بل فی المذموم و فیما یقصد بہ التشبہ کما فی البحر۔

و فی الشامی قولہ لان التشبہ بہم لا یکرہ فی کل شیئ لانا ناکل و نشرب کما یفعلون بحر عن شرح جامع الصغیر لقاضی خان یویدہ ما فی الذخیرہ قبیل کتاب التحری قال ہشام رایت علی ابی یوسف نعلین مخصوفین بمسامیر فقلت اتری بہذا الحدید باسا قال لا قلت سفیان و ثور بن یزید کرہا ذلک لان فیہ تشبہا بالرہبان۔ فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مبذبس لنعال التی لها شعر وانها من
لباس الرهبان فقد اشار الی ان صورة المشابهة
فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر وفی
المرقات تحت حدیث "من تشبه بقوم
فهو منهم" ای من تشبه نفسه بالکفار
مثلاً فی اللباس وغیره او بالفساق والفجار
او باهل التصوف والصلحاء الابرار فهو
منهم ای فی الاثم والخیر قال الطیبی
هذا عام فی الخلق والخلق والشعار
واذا کان الشعار اظهر فی التشبه ذکر فی
هذا الباب قلت بل الشعار هو المراد بالتشبه
لا غیر فان الخلق الصوری لا یتصور فیه التشبه
والخلق المعنوی لا یقال فیه التشبه بل
هو التقلید کذا فی هوامش المشکوة المطبوع
وفی القاموس القوم تنادوا بشعارهم وجعلوا
لانفسهم شعاراً وفی المرقات واللمعات
تحت حدیث یتبع الدجال من یهود اصفهان
سبعون الفاً علیهم الطیالسة قوله علیهم
الطیالسة جمع طیلسان هو معرب تالسان
هو ثوب معروف. فقد احتج ابن القیم
علی ذم الطیلسان بهذا الحدیث وبما
روی عن انس رضی الله تعالی عنه انه
رای جماعة علیهم الطیالسة فقال ما اشبههم
بیهود خیبر واجاب عنه فی فتح الباری
ان الطیلسان فی ذلک الوقت کان من
شعار الیهود فانکر ذلک انس ثم
ارتفع فی هذه الازمنة فدخل فی
عموم المباحات کذا فی هوامش المشکوة
المطبوع وفی الهدایة وهذا کله
بعد الحضور ولو علم قبل الحضور لا
یحضر لانه لم یلزمه حق الدعوة بخلاف
ما اذا هجم علیه لانه قد لزمه انتهی.
والله اعلم بالصواب ۵ سید محمد عفا الله

من حرر هذا الجواب فقد سلک سبیل الرشد والصواب
والمنازعة فیه مکابرہ
سید شاہ میر قادری کان الله له ولوالدیه

هذا الجواب صحیح

سید محمد قادری بہمنی ھ ١٢ رکن الدین

المجیب مصیب

فضل الله ٨٤ ١٢ سید قادری

هذا الجواب صحیح
حنیف عفا الله عنه

اصاب من اجاب المنازع مخطی بلا ارتیاب
کتبه عبد الوهاب عفی عنه

هذا الجواب صحیح
عبید الهادی قناعت پیرا

الجواب صحیح
عبد القادر حلی عفی عنه

اصاب من اجاب فقیر سید محمد کمال الدین حسینی عفا الله عنه

نوٹ: پھول کا ہار گلے میں خوشبو کی نیت سے ڈالا تو
جائز ہے لیکن اگر اسکو لازم جانے اور اسکے سوا ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ فاتحہ خوانی

سوال :- نماز فجر اور جمعہ اور تراویح وغیرہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت اطہار اور حضرات صحابہ کرام اور تمام مومنین اور مومنات کے نام پر فاتحہ پڑھنا۔

اور محفلِ نکاح میں ایجاب و قبول کے بعد اور کسی کارِ خیر و مباح کے شروع یا آخر میں فاتحہ سورۃ الاخلاص کے ساتھ یا سورۃ النصر کے ساتھ پڑھنا اور دعا کرنا اور ان فواتح کے وقت مجمع سے ایک شخص کا باآوازِ بلند الفاتحہ کہنا تاکہ حاضرین بھی اس عمل میں شریک ہوں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

بینوا و توجروا ۵

الجواب : حامداً للہ تعالیٰ و مصلیاً و مسلماً علی رسولہ و صحبہ اجمعین ۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اہلِ بیت، آپ کے اصحاب اور تمام مومنین و مومنات کے نام ایصالِ ثواب جائز اور مشروع ہے اور شریعتِ مطہرہ میں ضروریات و حاجات کے موقعہ پر دعا کرنے کی اجازت اور اس کا حکم ہے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب اور خیر و برکت اور ثوابِ جزیل کا باعث ہے اور ام القرآن یعنی فاتحہ کی تلاوت کے بے شمار فوائد و برکات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بعد جو دعا کی جائیگی وہ مقبولِ بارگاہ ہوگی

اور سورۃ الاخلاص، سورۃ النصر اور دیگر سورتیں اور آیتیں اپنے اندر بے شمار خصوصیات رکھتی ہیں۔

فاتحہ کے اندر تعین اوقات بہ نیت خیر ہے اور وہ التزام ناجائز سے خالی ہے تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ اور التزام ناجائز کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو لازم اور ضروری خیال کریں اور کبھی اس کو ترک نہ کریں یا اس تعین میں ہی حصول ثواب یا زیادتی ثواب سمجھیں اور ترک کرنے میں عدم ثواب یا ثواب میں نقصان وکمی سمجھیں مثلاً کسی شخص کے انتقال کے تیسرے دن دعائے مغفرت اور صدقات وخیرات کے لئے مجلس فاتحہ منعقد کرنا صدقہ وخیرات اور دعائے مغفرت دوسرے دن ہو یا چوتھے دن یا کسی بھی دن ہو اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن یہ لازم کرلینا اور ضروری سمجھ بیٹھنا کہ انتقال کے تیسرے دن ہی زیارت کرنا چاہئے اس سے قبل یا بعد نہیں کرسکتے یا ثواب نہیں ہوگا یہ چیز ناجائز ہے۔

اور مجلس میں ایک شخص باآواز بلند الفاتحہ کہہ کر حاضرین کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلینے میں کارِ خیر کی طرف رہنمائی ہے اور مسلمانوں کے اجتماع کی برکت سے اجتماعی دعا مقبول ہونے کی امید ہے۔

"ردالمختار" میں ہے کہ ہمارے فقہاء کا موقف یہ ہے کہ ایک شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچا سکتا ہے اور اس ثواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرسکتا ہے اور بلا شبہ آپؐ اس بات کے زیادہ حق دار اور مستحق بھی ہیں کیونکہ آپ ہی کی ذات اقدس نے ہمیں گمراہی وضلالت سے محفوظ رکھا۔ اور یہ ایصالِ ثواب آپکی خدمت میں ایکطرح سے ھدیۂ تشکر اور تحفۂ جمیل ہے اور آپؐ کی ذات مقدسہ چونکہ کامل ترین اور اشرف ترین ہے لہٰذا وہ زیادتی اور کمال کے قابل ہے۔

اور "زادالاخرت: میں مرقوم ہے۔

ایصال ثواب اور عبادات بدنیہ سے تعلق سے رکھنے والے اعمال خیر (مثلاً نماز روزہ، حج، ختم قرآن، درود، تسبیح، استغفار اور دعا وغیرہ) کا ثواب اور عبادات مالیہ سے تعلق رکھنے والے اعمالِ خیر (مثلاً غلام آزاد کرنا، زر، چاندی، پارچہ، غلہ، کھانا اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں کے صدقہ)

کا ثواب زندوں اور مردوں کو پہنچ پایا سکتا ہے اور یہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک جائز ہے اور ان میں ہر ایک چیز کا ثواب ہر حال میں ان کو پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل بحر الرائق، کنز العباد، مختار الفتاوی، میں موجود ہے۔

مشکواۃ شریف کی حدیث ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء ھو العبادۃ ثم قراء وقال ربکم ادعونی استجب لکم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دعا عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم تمہارے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔

نیز زبان نبوت نے فرمایا

الدعا مخ العبادہ۔ دعا عبادت کا خلاصہ اور مغز ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا

ان الدعا ینفع مما نزل ومما لم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعا۔ دعا ہر اس چیز میں نفع بخش اور سود مند ہے جو پیش آ چکی ہے اور جو پیش نہیں آئی۔ لہذا اے بندگان خدا! تمہیں چاہئے کہ ہر حالت میں دعا کرتے رہیں۔

اور مدارج النبوۃ میں تحریر ہے۔

جس جگہ میں قرآن کریم ہے وہ نزول رحمت وبرکت کی جگہ ہے۔

اور مشکواۃ شریف کی حدیث ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف ومیم حرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا تو اس کے لئے ایک نیکی دس گونہ اجر وثواب کی حامل ہے۔ لہذا الم ایک ہی حرف نہیں ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے

اور مناوی نے مفتاح الکنوز:

میں لکھا ہے کہ فاتحہ جس غرض اور مقصد کے لئے پڑھی جائیگی وہ اسی کے لئے ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی نے اپنی کتاب "تفسیر عزیزیہ" میں ابو الشیخ کی کتاب "الثواب" سے یہ روایت نقل

کی ہے کہ جس شخص کو بھی کوئی ضرورت اور حاجت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کرے اور اس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کی ضرورت پوری ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

اور ابو نعیم اور دیلمی نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس قدر سورہ فاتحہ نفع پہنچانے والی ہے اس قدر قرآن کی کوئی دوسری سورت نہیں۔

اور امام وکیعؒ کی تفسیر اور ابن انباری کی کتاب "المصاحف" اور ابو شیخ کی کتاب "کتاب العظمۃ" اور ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ ابلیس کو اس کی زندگی میں چار مرتبہ نوحہ وزاری اور سر پر خاک ڈالنے کا اتفاق پیش آیا۔ پہلی مرتبہ جب اس پر لعنت ہوئی۔ دوسری مرتبہ جب اسکو آسمان سے زمین پر پھینک دیا گیا۔ تیسری مرتبہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اور چوتھی مرتبہ جب "سورۃ الفاتحہ" نازل ہوئی

عبد بن حمید نے اپنی "مسند" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے "سورۃ الفاتحہ" ثواب میں قرآن کریم کے دو ثلث (تین حصوں میں سے دو حصوں) کے برابر ہے۔

نیز مولانا عبد العزیز محدث دھلوی نے تفسیر عزیزیہ میں سورۃ الاخلاص کے فضائل میں تحریر کیا ہے کہ حدیث شریف میں اس سورۃ کو ثلث قرآن (قرآن کا تیسرا حصہ) قرار دیا گیا ہے اور اس کے پڑھنے کو قرآن کریم کے ثلث حصہ کی تلاوت کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

اور تفسیر بیضاوی: میں ہے وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ اذا جاء اعطی من الاجر کمن شھد مع محمد یوم فتح مکۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۃ اذا جاء کو پڑھے تو اسکو ثواب اس شخص کی طرح دیا جائیگا جو فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔

اور مولانا ابو البرکات رکن الدین محمد تراب علی لکھنوی جنکا شمار ہندوستان کے مشاھیر علمائے کرام میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب ھدایۃ النجدین الی مسائل العیدین میں تحریر کیا ہے کہ سفر سے آنے کے بعد یا اس کے بغیر بھی جب مصافحہ اور معانقہ مسنون ہے تو

عید کے دن میں بھی مصافحہ اور معانقہ
جائز ہے جیسا کہ ہندوستان کے شہروں
میں اس کا رواج ہے
اس کے لئے وہ حکم (مطلق مصافحہ)
جسکی اصل شریعت میں ثابت ہو اس کا وقت
خاص میں تعین کرنا اس لئے جائز ہے کہ یہ
وقت خاص (بعد عید) اس اصل کے ثبوت
کے اوقات میں داخل ہے۔ وجہ یہ کہ جب کسی
شئی کی اصل ہر وقت میں مشروع (وہ کام جو شریعت
کے موافق ہو) ہو تو بس وہ وقتِ معین بھی ان
مطلق (وقت) کا داخل ہونے کی وجہ سے
اوقات کے افراد میں سے ایک فرد ہوگا۔ افراد (اوقات) میں مطلق
اور ظاہر ہے کہ مطلق (مصافحہ)
کا ہر وہ فرد جو خارجی تشخص اور تعین کے
کے اعتبار سے متحقق و ثابت ہو (مثلاً
مصافحہ عیدین کی نماز کے بعد) تو اس مطلق
کے تحقق کا مانع نہ ہوگا ورنہ فرد میں مطلق
کا تحقق متمنع ہو جائیگا جیسا کہ یہ آپ پر
واضح ہے۔
اور شرعاً وقت کا جو تعین ممنوع
ہے وہ، وہ تعین ہے جو مطلق (مثلاً مصافحہ)
کے تحقق کا اس معین (عیدین کے بعد مصافحہ)
کے غیر میں مانع ہو جس کا تعین رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہو،

مقصد کا خلاصہ یہ ہے کہ حکم شرعی دو
قسم پر ہے، مقید اور مطلق اور مقید میں
اس قید کی رعایت ضروری ہے جو شارع
علیہ السلام سے ثابت شدہ ہو اور اس قید کا
تبدیل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔
مطلق کے برخلاف کہ اس میں قید کی رعایت
و خصوصیت شارع کی طرف سے ثابت نہیں
ہے بلکہ اس کا ہر ایک فرد (مطلق ہو یا مقید)
مطلق کے تحقق کی صلاحیت رکھتا ہے۔
مثال کے طور پر اس کی وضاحت یہ ہے
کہ احکام شریعت میں سے کوئی حکم اوقات
مطلق میں مشروع ہوگا جیسے اموات کے نفع کے
کے لئے عبادات مالیہ اور عبادات بدنیہ کا
ثواب پہنچانا لہذا روز سوم کا تعین اگر اس
لحاظ سے ہے کہ میت موت کے اوقات
کے قریب میں، اور قبر کی ظلمت کی وجہ
سے اور اس کی تنگی و وحشت کی وجہ سے اور
ملائکہ کی وجہ سے ایصالِ ثواب کے زیادہ
محتاج ہوتی ہے تو ایسی صورت میں اعمالِ
خیر مثلاً تلاوت قرآن کا ثواب اور ان اوقات
میں صدقات معینہ کے پہنچانے میں کوئی
مضائقہ نہیں۔
اگر یوم کا تعین اس لحاظ سے ہے کہ اس

اس معیّن دِن ہی میں ان اعمال کو بجا لانا چاہئے اس کے علاوہ دوسرے دلوں میں جائز نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ نیّت باطل ہے کیونکہ اس صورت میں نئی شریعت کی تشکیل کرنا اور حُدود الٰہیہ کا تغیّر کرنا لازم آئے کا جو کہ قطعاً ممنوع ہے۔

عرض مذکورۃ الصدر مقررہ قاعدہ کے اِعتبار سے مصافحہ اور معانقہ عیدین کے روز جائز ہے اس کو بدعت سیئہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

اس مطلب کی وضاحت کے لئے یہ مثال کافی ہو گی کہ وعظ و نصیحت سارے اوقات میں مستحب اور موکد ہے۔ اس کام کے لئے ہفتہ کے دلوں میں سے کسی ایک دِن کو خاص کرنا اور ماہ و سال کی تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ کو خاص کرنا جائز ہے جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وعظ کے لیے جمعرات کا دِن مخصوص کر رکھے تھے چنانچہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں ایک علیحدہ باب باندھا ہے عن ابی وائل قال کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیس۔ حضرت ابی وائل سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔

اور حضرت مولینا شیخ محمد محدث رحم نے مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ اگر سنت نماز کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر فاتحہ پڑھیں تو یہ بدعت حسنہ ہے اور فتاوی عالمگیریؒ میں مرقوم ہے نماز کے علاوہ اوقات میں بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے اور فرض نماز کے بعد عظیم مہمات کے لئے اجتماعی حیثیت سے فاتحہ آہستہ پڑھنا یا بلند آواز کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت مولینا قاضی بدیع الزماں کا موقف یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ اور حضرت مولینا قاضی امام جلال الدین کا موقف یہ ہے کہ جس فرض نماز کے بعد سنت ہے تو اس میں فاتحہ پڑھنا مکروہ ہے (ظہر، مغرب اور عشا) اور جس نماز کے بعد سنت نہیں ہے اس میں فاتحہ پڑھنا مکروہ نہیں ہے (فجر اور عصر) جیسا کہ "تاتارخانیہ" میں مذکور ہے۔

اسی کتاب میں ہے کہ لوگ جمع ہوتے ہیں اور دعا کے لئے فاتحہ بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ ایسا فعل ہے کہ عادۃً انہیں منع نہیں کیا جا سکتا ہے لیکن بہتر اجد

اچھا تو یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

نیز اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ مجلس میں ختم قرآن کے وقت حاضرین کا بلند آواز کے ساتھ "سورۃ الاخلاص" پڑھنا کوئی قبیح فعل نہیں ہے لیکن بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ ایک شخص پڑھے اور سارے لوگ سنیں جیسا کہ فقہ کی کتاب "قنیہ" میں تحریر ہے۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے الدال علی الخیر کفاعلہ خیر و بھلائی کی جانب رہنمائی کرنے والا بھی اس خیر کو انجام دینے والے شخص کے مانند ہے۔

صاحب حصن حصین قبولیت دعا کے احوال میں رقمطراز ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد اور تلاوت قرآن کے بعد اور مسلمانوں کے اجتماع میں دعا کرنے سے اس کی مقبولیت کی امید ہے۔

سورۃ الفاتحہ اور دیگر سورتوں کے بھی وہ فوائد و برکات تھے جن کی وجہ سے بزرگانِ کرام اور اہل صلاح حضرات اوقات مخصوصہ میں فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے امام قامعِ بدعت، متبع سنت اور جامعِ شریعت و طریقت تھے، چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت احمد بن خضرویہ بلخی کے تذکرہ میں ہے جو امام احمد بن حنبل کے طبقے میں تھے ایک مرتبہ آپ ایک خانقاہ میں بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس اور صوفیوں کی رسم سے فارغ وظائف حقیقت میں مشغول ہو کر تشریف لے گئے۔ خانقاہ کے اصحاب نے ان پر نگاہ ڈالی اور اپنے شیخ سے کہا۔ یہ اہل خانقاہ میں سے نہیں ہے۔ ایک روز حضرت احمد بلخی کنویں پر گئے اور اس کا ڈول کنویں میں گرادیا اس پر خادم نے آپ کو سخت جھڑکی دی آپ شیخ خانقاہ کے پاس آئے اور کہا فاتحہ پڑھئے تاکہ ڈول کنویں سے نکل آئے شیخ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ تو عجیب التماس ہے۔ اس توقف کو دیکھ کر احمد بلخی نے کہا اگر آپ فاتحہ نہیں پڑھتے ہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں خود ہی پڑھوں۔ شیخ نے اجازت دیدی۔ احمد بلخی نے فاتحہ پڑھی اور ڈول کنویں کے اوپر آپہنچا۔ شیخ نے جب یہ منظر دیکھا تو احمد بلخی کے سر پر ٹوپی پہنا دی اور فرمایا۔ اے نوجوان تو کون ہے؟ ہمارے جاہ و جلال

کاغذ من تیسرے دانہ کی برابری میں سوکھی
گھاس بن چکا ہے۔ احمد بلخی نے کہا
شیخ آپ اپنے دوستوں سے کہئے کہ
مسافروں کو چشم حقارت سے نہ دیکھیں
بس میں اپنی راہ لے رہا ہوں

اور حضرت شیخ سعدیؒ اپنی کتاب
بوستان میں لکھتے ہیں

دگر رفت وایثار خیرش نماند
نشاید پس مرگش الحمد خواند

دوسرا شخص مرگیا اور اس کی بزرگی اور
فیاضی باقی نہ رہی لہذا ایسے بخیل کی موت
پر فاتحہ نہیں پڑھنا چاہیے

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف
ثانیؒ مکتوبات کی جلد سوم کے ۴۷ ویں مکتوب
میں فرماتے ہیں ہرچند کہ یہ حقیر و کم ترین
اس قابل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو کسی کے
حق میں دعا کرنے کا اھل خیال کروں لیکن
محض بزرگوں کے نام کی برکت و تاثیر سے
اور دعا قبول ہونے کی امید پر اپنے آپ کو
دعا سے علیحدہ نہیں رکھتا ہوں اور زبان حال
اور قال سے دعا اور فاتحہ کے ذریعے
رطب اللسان رہتا ہوں ربنا تقبل
منا انک انت السمیع العلیم

اسی مکتوب میں رقمطراز ہیں۔
آپ حضرات کرام کے الطاف و عنایات
سے امیدوار ہوں کہ اوقات مستجاب میں خیرو
سلامتی فاتحہ اور حسن خاتمہ کی دعا سے
یاد فرمائیں گے۔

گرامی قدر مخدوم زادوں سے بھی فقیر
زادے دعا کی گذارش کرتے ہوئے فاتحہ کی
درخواست پیش کرتے ہیں۔

مولینا شاہ ولی اللہ محدث دھلوی
اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل الاولیاء
میں تحریر کرتے ہیں فاتحہ پڑھا اور اس کے
ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑتے ہوئے بیعت لی

اسی کتاب میں ختم خواجگان چشت
میں لکھتے ہیں۔
ختم خواجگان پورا کرنے کے بعد تھوڑی
بہت شیرینی پر تمام بزرگوں کی ارواح طیبات
پر فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالی سے اپنی حاجت
و ضرورت کی تکمیل کے لئے دعا کریں۔ اور
اس طرح ہر روز فاتحہ اور دعا کا اہتمام کریں۔

حضرت مولینا مرزا مظہر جانجاناں شہید رحم
کے معلومات میں ہے کہ اس سلسلہ کے مشائخ
کرام کی ارواح طیبات پر فاتحہ پڑھتے اور
اس کے بعد ہاتھ پکڑ کر توبہ کراتے۔ پھر خیر و برکت

کے واسطے فاتحہ پڑھنے۔ بہرکیف جس
نیت اور مقصد کے تحت پڑھیں پہلے
ایک بار ہاتھ اٹھاکر سورہ فاتحہ پڑھنا
چاہیئے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد اس ختم
کا ثواب بزرگوں کی ارواح پر پہنچانا
چاہیئے جن کی جانب یہ ختم منسوب ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی کے ختم
میں بھی یہی معمول ہے ۔ نماز جمعہ کے بعد
دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بلند آواز کے ساتھ
فرمایا کرتے تھے فاتحہ علی حضرت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم وعلی ابی بکرنا و
عمرنا وعثماننا وعلینا رضی اللہ
تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس کے بعد فاتحہ
پڑھتے اور حاضرین بھی اس سورۃ
کے پڑھنے میں متابعت کرتے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث
دھلوی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں فقیر
کے گھر تمام سال میں دو مجلسیں
(مجلس ذکر وفات شریف صلی اللہ علیہ
وسلم و مجلس شہادت حسنین علیہما
السلام) منعقد ہوتی ہیں اس کے بعد ختم
قرآن اور پنج آیات پڑھتے ہوئے
ماحضر (شیرینی وغیرہ) پر فاتحہ پڑھی جاتی

یہ تمام چیزیں جس طرح کہ ذکر کی گئی ہیں
اگر جائز نہ ہوتیں تو یہ فقیر ہرگز ان کو
انجام نہیں دیتا۔

حاصلِ کلام! فواتح مذکورہ مندرجہ
بالا طریقہ کی روشنی میں قواعد شرعیہ
کے خلاف اور منافی نہیں ہیں اور بلا
کراہت جائز ہے، اور کثیر فوائد و برکات
پر مشتمل ہیں۔ اس کے ساتھ حرمین شریفین
اور دیگر شہروں کے صلحاء اور اتقیاء
کا تعارف بھی ہے جس کا فقہ میں اعتبار
ہے جیسا کہ البصائر حاشیہ اشباہ
والنظائر میں ہے اعتبار العرف
ترجع الیہ فی الفقہ حتی جعلوہ
اصلاً خاصاً والمراد بالعرف عرف
المؤمنین مالم یخالف قواعد الشرع
فان خالف فلا اعتداد بہ اصلا

فقہ میں عرف کا اعتبار ہے حتی کہ
وہ ادلہ شرعیہ میں سے پانچویں اصل ہے
اور عرف سے مراد مؤمنین کا عرف ہے جو
قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو اگر وہ خلاف
شرع ہے تو ہرگز اس کا اعتبار نہیں۔

اور خزانۃ الروایات میں ہے کہ
عرف مؤمنین سے امت کے صلحا اور اتقیاء

کا عرف مراد ہے۔ عام لوگوں کا عرف نہیں جو کھرے کھوٹے اور صالح و فاسد کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے اور نہ سید ھا اور بایاں پہنچان سکتے ہیں، لہٰذا فواتح مذکورہ کا مردود انکار غلطی اور خطا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

کتبہٗ حضرت مولانا سید شاہ محمد قادری ویلوری

● ۱) جواب ھٰذا صحیح ہے — حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری ویلوری رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادۂ حضرت قطب ویلورؒ

● ۲) اس جواب کے صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔
حضرت مولانا الحاج عبد الحی قادری واعظ بنگلوری خلیفۂ حضرت قطب ویلورؒ

● ۳) یہ جواب صحیح اور درست اور بے شک اس مسئلہ میں جھگڑا کرنے والا غلطی پر ہے۔
حضرت مولانا شاہ عبد الوھاب قادری خلیفۂ حضرت قطب ویلور بانی مدرسہ باقیات صالحات ویلور۔

● (۴) یہ جواب صحیح ہے — حضرت مولانا حنیف صاحب قادری خلیفہ حضرت قطب ویلور

● ۵) مجیب صواب سے ہم کنار ہے — حضرت مولانا سید شاہ فضل اللہ قادری خلیفۂ حضرت قطب ویلور سابق ناظم دار العلوم لطیفیہ

● ۶) ھٰذا الجواب صحیح — مولانا سید حسین قادری

● ۷) یہ جواب درست ہے — مولانا عبد القادر علی

● ۸) جس نے یہ جواب دیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔
عبد الہادی صاحب پیران

● ۹) یہ جواب صحیح ہے — حضرت مولانا سید محمد کمال الدین حسینی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال

نوشاہ کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالنا، اور پھولوں کا ہار پہننے سے کفار کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے یہ خیال کرتے ہوئے دعوت قبول نہ کرنا، اور مجلس عقد میں نوشاہ کو ہار پہنے ہوئے دیکھ کر ہار نکلوانا اور اگر نہ نکال سکے تو مجلس سے ہی چلا جانا، یہ ساری باتیں از روئے شرع کیسی ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

حامداً للہ مصلیا ومسلماً علی رسولہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔ پھولوں کا ہار گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ پھولوں کے ہار میں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو پھول ہے جو زینت ومنافع کی اقسام اور خوشبو وطیب محبوب و پسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (الانعام) (آپ کہئے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے۔ کس نے حرام کر دیا۔ اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو

یعنی اللہ کی جائز کی ہوئی نعمتوں کو حرام
کر دینے کا حق کس مخلوق کو حاصل ہے؟
ظاہر ہے کہ کسی کو نہیں اور جو لوگ
اس میں مبتلا ہیں۔ وہ گناہ میں پڑے ہوئے
ہیں، تفسیر ماجدی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا حبب الیّ النسا والطیب
وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔ ازدواج مطہرات
خوشبو اور نماز میرے لئے یہ چیزیں مرغوب
اور محبوب بنادی گئی ہیں۔

اور دوسری چیز ہار کی ہئیت ہے اور
اس سے کفار کے ساتھ مشابہت ثابت نہیں
ہوتی کیونکہ مشابہت بد وہی ہے جو مذموم
چیز میں ہو اور تشبہ کا قصد ہوا ور مذموم
چیز شعار کفار ہے اور شعار قوم کی علامت
خاص کو کہتے ہیں جو لباس وغیرہ میں ہوتی ہے
اور قوموں کی عادات مشترکہ کو شعار نہیں
کہا جائیگا جیسے ایک ملک یا ایک شہر کے باشندوں
میں بہت سی عادتیں باہم مشترک ہوتی ہیں ۔
خواہ ان عادات کا تعلق کھانے پینے سے ہو
یا مکانات اور لباس سے ہو۔

اور پھولوں کا ھار پہننا یہ کفار کا
شعار نہیں ہے بلکہ عام ہندوستانیوں کے
عادات مشترکہ سے ہے۔ چنانچہ یہاں کے
مسلمان اور ہنود و دیگر قومیں اسکو اپنی
شادی اور دیگر خوشی و مسرت کی مجلسوں
میں استعمال کرتے ہیں اور دلو بالفرض اصلاً
ھار پہننے کی رسم مسلمانوں نے کافروں سے
اخذ بھی کی تو ایسی صورت میں بھی کچھ ضرر نہیں
کیونکہ مسلمانانِ ھند نے اس کو اباحت اصلی
کے اعتبار سے استعمال کیا ہے (اور یہ فقہی اصول
اور ضابطہ ہے کہ ہر چیز اپنے اصل کے لحاظ سے
اباحت کا درجہ رکھتی ہیں۔ الاصل فی الاشیاء
الاباحتہ) اور جب اس کا استعمال
مسلمانوں میں شائع اور ذائع ہو گیا تو اب
کفار کا شعار باقی نہیں رہا اور اس میں تشبہ
کا قصد بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ ہار ہندوستانیوں
کی عادت سے تعلق رکھنے کے باوجود کوئی بھی
مسلمان اس سے حالت نکاح شرعی میں کفار
سے تشبہ اور مشابہت کا قصد نہیں کرسکتا ہے

لہذا پھولوں کا ھار پہننا منکرات
اور غیر شرعی کاموں سے نہیں ہے ۔ اور
دعوت قبول کرنے کے لئے مانع نہیں ہے
دعوت قبول کرنا سنت یا مستحب ہے محض
ھار کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرنا اور
مجلس نکاح میں حاضر ہونے کے بعد

نوشاہ کے گلے سے ہار نکلوانے کی کوشش کرنا اور ہار نہیں نکالا گیا تو مجلس سے چلا جانا۔ یہ تمام بے جا تشدد اور انتہا پسندی ہے، درمختار میں ہے۔

دوسری قوموں کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے بلکہ شئی مذموم میں تشبیہ اور مشابہت مکروہ ہے اور اس چیز میں مکروہ ہے جس میں دوسری قوموں کے ساتھ مشابہت کا قصد کیا جائے۔ جیسا کہ بحر میں ہے۔

اور شامی: میں بحر کا یہ قول کہ ہر چیز میں مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ ہم بھی کھاتے پیتے اور وہ بھی کھاتے پیتے ہیں (شرح جامع الصغیر لقاضی خان)

اور ذخیرہ کی عبارت جو کتاب التحری سے ذرا آگے ہے وہ بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف کو دیکھا جو میخوں سے ٹھکے ہوئے نعلین پہن رکھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپ اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؟ فرمایا نہیں! اس پر میں نے عرض کیا کہ سفیان اور ثور بن یزید تو اس کے استعمال کو مکروہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس پر ابو یوسف نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعال پہنتے تھے جس میں بال ہوتے اور بلاشبہ یہ نصاریٰ کا لباس ہے۔

غرض ابو یوسف نے اس بیان کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کر دی کہ جن چیزوں کے اندر لوگوں کی صلاح و بہبودی اور فائدہ ہے ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

مرقات میں حدیث من تشبّہ بقوم فھو منھم (جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کرلی وہ ان ہی میں سے ہے) کے تحت یہ وضاحت ہے جو اپنے کو کفار کے ہم شکل اور مشابہ بنالے (مثلاً لباس وغیرہ میں۔ یا فساق و فجار یا صلحاء و اتقیاء کے ہم شکل) تو اس کا شمار ان ہی میں ہوگا گناہ اور خیر کے معاملہ میں

علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ تشبہ خَلقی۔ خُلقی اور شعار تینوں میں عام ہے اگرچہ کہ شعار میں تشبہ زیادہ نمایاں ہے اور تشبہ شعار ہی میں مُراد ہے غیر شعار مُراد نہیں۔ کیونکہ ظاہری صورت

میں تشبہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور
اخلاق میں تشبہ کا لفظ نہیں بولا جاتا
بلکہ تخلیط کہیں گے جیسا کہ اسکی تفصیل
مشکوٰۃ کے حاشیہ میں درج ہے۔
قاموس میں ہے قوم اپنی مخصوص
علامت اور اپنے شعار سے پکاری جاتی
جو اس نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔
المرقات واللمعات: میں تتبع
الدجال من یھود اصفہان سبعون
الفا علیھم الطیالسۃ (اصفہان
کے ستر ہزار یہودی دجال کی اتباع کریں
گے جن کے جسم پر طیالسۃ نامی کپڑا رہیگا)
کی حدیث کی تشریح میں مذکور ہے طیالسہ
طیلسان کی جمع ہے جو تالسان سے معرب
ہے اور یہ مشہور و معروف کپڑے
کا نام ہے علامہ ابن قیم نے اس حدیث
سے طیلسان کی مذمت پر استدلال کیا
جو حضرت انس سے مروی ہے انہ رای
جماعۃ علیھم الطیلسان فقال
ما اشبہ ھولاء بیہود خیبر انہوں
نے ایک جماعت کو دیکھا جن کے بدن پر
طیلسان کپڑا تھا اس پر فرمایا یہ
تو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مشابہت ہے،
فتح الباری میں اس کا جواب یہ
مرقوم ہے طیلسان اس زمانے میں یہودیوں
کا شعار تھا جس کی وجہ سے حضرت
انس رض نے اس کے استعمال سے منع کیا
پھر بعد کے ادوار میں یہ یہودیوں کا شعار
نہ رہا اور اس کا استعمال عام ہوگیا تو
یہ عمومی مباحات میں داخل ہوگیا
اور فقہ کی مشہور و معروف
اور درسی کتاب ھدایہ میں ہے
جس مجلس میں لہو و لعب ہو اس میں
بیٹھنا نہیں چاہئے۔ اور اگر جانے سے قبل
معلوم ہو جائے تو اس میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔
اس واسطے کہ حق دعوت اس
پر لازم نہیں ہوا برخلاف اس کے
جب وہاں پہنچ کر اچانک
یہ امور لہو و لعب اس کو معلوم
ہوئے کیونکہ حق دعوت اس پر لازم
ہو چکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ

حضرت مولانا مولوی الحاج سید شاہ محمد قادری علیہ الرحمہ داماد و ہمشیرزادہ حضرت قطب ویلور

نوشاہ پھول کا ھار گلے میں خوشبو کی
نیت سے ڈالے تو جائز ہے ہاں اگر اسکو
لازم جانے اور اس کے بغیر نکاح نہ
ہوسکے تو یہ جائز نہیں۔

حضرت مولینا الحاج شاہ عبدالحی قادری
بنگلوری
خلیفۂ حضرت قطب ویلور

یہ جواب صحیح و درست ہے اور اس
مسئلہ میں جھگڑا کرنے والا غلطی پر ہے۔
حضرت مولینا مولوی شاہ عبدالوہاب قادری
خلیفۂ حضرت قطب ویلور
و بانی مدرسہ باقیات صالحات ویلور

یہ جواب درست ہے
حضرت مولینا مولوی سید فضل اللہ
صاحب قادری سابق ناظم دارالعلوم
لطیفیہ حضرت مکان ویلور

ھو الجواب صحیح
شمس العلماء حضرت مولانا رکن الدین
شاہ سید محمد قادری ویلوری صاحبزادۂ
قطب ویلور

یہ جواب صحیح ہے
مولینا مولوی محمد حنیف قادری
خلیفۂ حضرت قطب ویلور

بے شک یہ جواب درست ہے
مولینا عبدالہادی صاحب پیرانی

الجواب صحیح
مولینا عبدالقادر علی

جس نے یہ جواب تحریر کیا ہے
ٹھیک اور درست ہے۔
مولینا سید کمال الدین حسینی

از قدوۃ السالکین سراج العارفین حضرت مولانا
علامہ محی الدین سیّد شاہ عبد اللطیف قادری
رحمۃ اللہ علیہ

ذوق

مترجم: مولانا مولوی حافظ بشیر الحق قریشی لطیفی ادھونی۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ہر شئی کی ایک حقیقت ہے جو اپنی جگہ پر ثابت ہے یہ صرف ہمارے وہم و خیال یا علم و اعتقاد کے تابع نہیں ہے جیسا کہ باطل پرست کہتے ہیں۔ اور عالم مسبوق بالعدم ہے یعنی پہلے نہیں تھا پھر موجود ہوا جیسا کہ آیت کریمہ کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئی اس پر شاہد ہے اور یہ عالم قابل فنا ہے یعنی وجود کے بعد اس کا ہلاک اور فنا ہونا مقدر ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: کل شئی ھالک الا وجھہ، پس فرشتے، جنت دوزخ اور تمام وہ چیزیں جن کے دوام کی خبر وارد ہے سب فنا ہوں گی اگرچہ کہ وہ صرف ایک لمحہ کے لئے فنا ہوں گی اور پھر ہمیشہ باقی رہیں گی۔

اور عالم کا ایک پروردگار ہے جو عالم کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔ وہ پروردگار قدیم ہے، واجب الوجود ہے، یعنی اس کا وجود اپنی ذات سے ہے، کسی غیر کی وجہ سے نہیں ہے، ورنہ احتیاج ثابت ہوگا اور محتاج خدائی کے لائق نہیں ہے۔ وہ ایک ہے بے مثل، زندہ، دانا، صاحب قدرت، اور صاحب اختیار ہے۔ جو کچھ کرتا ہے، اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے۔ کسی مجبوری یا دباؤ کی وجہ سے نہیں۔ وہ کلام کرتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے۔ اس کی تمام صفات اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی رہنے

والی ہیں۔ اس کی ذات حوادث کا محل نہیں ہے۔
اور جو کچھ اس کے فضائل و کمالات ہیں وہ سب
ازل سے ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا نہ جسم ہے
نہ جوہر ہے۔ نہ عرض ہے۔ نہ اس کی شکل ہے۔ نہ
وہ مرکب ہے کہ جس کے اجزاء اور ٹکڑے نکل سکتے
ہیں۔ نہ وہ معدود ہے کہ جس کو شمار کیا جا سکے،
نہ وہ محدود ہے جس کی حد وانتہا ہو۔ نہ وہ
کسی جہت میں ہے، نہ کسی جگہ میں، نہ کسی
زمانہ میں۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں عالم کے
صفات سے ہیں۔ اور پروردگار عالم، عالم سے
نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس کی ذات وصفات
میں کوئی مثل نہیں ہے۔ نہ اس کا کوئی ضد ہے،
کیونکہ ضد خلاف جنس کو کہتے ہیں۔ اور جب اس
کی کوئی جنس ہی نہیں تو وفاق اور خلاف کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ کوئی اس کا ند
ہے کیونکہ ند ہم جنس کو کہتے ہیں۔ اس کا کوئی مددگار
نہیں ہے۔ نہ غیر کے ساتھ اس کا اتحاد ہوتا ہے
نہ غیر میں حلول کرتا ہے، وہ تمام صفات کمال کے
ساتھ متصف ہے اور تمام صفات نقص و زوال سے
منزہ ہیں۔ قیامت میں مومنوں کے لئے اسکا دیدار
ہوگا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
بلاشبہ عنقریب قیامت میں تم اپنے پروردگار کو
اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں رات کے
چاند کو دیکھتے ہو۔ اس حدیث میں رویت کی تشبیہ
رویت سے ہے۔ مرئی کی تشبیہ مرئی سے مراد نہیں
ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار میں مقابل
مواجہہ اور قرب و بُعد نہ ہوگا۔ آنکھ کو قوت بصیرت
دے دی جائے گی۔ جو کچھ آج دل سے دیکھتے ہیں
کل آنکھوں سے دیکھیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ آج اس کو بے کیف جانتے
ہیں، کل اس کو بے کیف دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ
تمام اشیاء کا خالق ہے اس کا مدبر بھی ہے اور
مُقدِّر بھی ہے۔ تدبیر سے اشیاء کے درجات و
مراتب کا علم اور ان کے ایجاد میں استحکام، اور
استواری ہے اور تقدیر سے مراد اشیاء کو مقدار
مخصوص اور اندازہ معین پر پیدا کرنا ہے۔
اللہ تعالیٰ تمام امور کلیہ اور جزئیہ کا جاننے والا
ہے۔ کوئی ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں
ہے اور اس سے مخفی نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ
صرف کلیات کا عالم ہو جیسا کہ حکماء کہتے ہیں،
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وھو بکل شیء علیم
اس پر لطف و مہربانی اور ثواب و عقاب کچھ
بھی واجب نہیں ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اپنی
مرضی سے کرتا ہے۔ اس پر کسی کا حکم نافذ

نہیں ہو سکتا۔

فرماں برداروں کا ثواب اس کے فضل سے ہے اور نافرمانوں کا عذاب اس کے عدل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کام کی کوئی غرض نہیں ہے، کیونکہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے۔ اس کے تمام کام حکمت و مصلحت پر مشتمل ہیں۔ اسکی حقیقت کی دریافت دوسروں کی دسترس سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔ اسی کے حکم سے افعال واجب و حرام اور حسن و قبیح ہوتے ہیں۔ اور ثواب و عقاب کا سبب ہوتے ہیں۔ فعل حسن وہ ہے جس کا اللہ نے حکم فرمایا۔ اور فعل قبیح وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ لہذا حسن و قبیح شارع کے امر و نہی سے متعلق ہے، اس میں عقل کو دخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ بعض دو بازو والے ہیں، بعض تین تین، بعض چار چار بازو والے ہیں۔ ان میں سب سے افضل جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی جانب علوم کا القاء اور وحی کی تبلیغ انہیں کے ذمہ اور سپرد ہے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں جن کے ہاتھوں میں مخلوق کے رزق اور اس کے مقدار کی تقسیم ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جنہیں صور پھونکنے کے لئے موت اور دوبارہ حیات کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور حضرت عزرائیل ہیں کہ تمام مخلوق کی روحیں نکالنے کے کام پر مقرر ہیں۔ ان چاروں فرشتوں میں فرق مراتب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ حضرت جبرئیل سب سے افضل ہیں۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ چاروں فرشتے درجہ اور مرتبہ میں برابر ہیں۔ ان فرشتوں میں سے ہر ایک کا بارگاہ الٰہی میں ایک خاص اور معین مقام ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتے، جو کچھ اللہ نے ان کو حکم دیا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی کچھ کتابیں ہیں جن کو اپنے رسولوں پر نازل کیا ہے۔ ان میں سب سے عظیم البرکت یہ چار کتابیں ہیں:-

توراۃ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن کریم جو حضرت سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ آسمانی کتابوں کی کل تعداد ایک سو چار ہے۔

اللہ تعالےٰ کے نام توقیفی ہیں یعنی سماع اور نقل پر موقوف ہیں۔ شرع میں اس کے جو نام وارد ہیں اس کے علاوہ دوسرے ناموں سے اُسے یاد نہیں کر سکتے۔

حق تعالےٰ ہی ہر شئی کا خالق ہے۔ کفر اور معصیت اس کے ارادہ اور تقدیر سے ہے۔ اسکی رضا سے نہیں۔ پیدا کرنا اور شئی ہے اور راضی ہونا دوسری شئی ہے۔

بندوں کے افعال ان کے اختیار سے ہے جو ثواب اور عقاب کے باعث ہیں یعنی باوجود اس کے کہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ و اختیار سے ہیں لیکن پھر بھی بندہ فاعل مختار ہے۔ بندہ کا کام جو اس کے ارادہ و اختیار سے ہے کسی مجبوری یا دباؤ کی وجہ سے نہیں ہے، اور ثواب و عقاب اسی اختیار پر مرتّب ہے۔ ہدایت اور ضلالت سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کافر و فاسق کے لیے قبر کا عذاب اور مومن و اہل طاعت کے لئے انعام و اکرام اور قبر میں منکر نکیر کا سوال یہ سب حق ہے۔ مُردوں کا قبروں سے اٹھانا اور ان کو زندہ کرنا حق ہے۔ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا تولنا حق ہے اگرچہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام اُمور پر محیط اور شامل ہے لیکن اس میں کچھ مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جو انسانی فہم سے بالاتر ہیں! اعمال کے تولنے کی کیفیت اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہیئے۔

وہ کتاب جس میں بندوں کے تمام نیک و بد اعمال درج ہیں حق ہے۔ حساب اور بندوں سے ان کے اعمال سے متعلق سوال اور حوض کوثر اور پل صراط یہ سب حق ہے۔ مروی ہے کہ دوزخ کی پشت پر ایک پل رکھا جائے گا جو بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور تمام مخلوق اس پر سے گذرے گی۔ اہل جنت اس سے عبور کر کے جنت میں جائیں گے بعض بجلی کی طرح بعض ہوا کی طرح۔ بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح۔ اسی طرح ہر شخص فرق مراتب کے ساتھ گزرے گا۔

انبیاء و رسل اور اولیاء و ملائکہ اور علماء و اخیار امت جن کا بارگاہِ الٰہی میں درجہ اور مرتبہ ہے ان کی شفاعت گنہگاران امت کے لیے حق ہے سب سے پہلی ذات اقدس جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جنت اور دوزخ حق ہے اور وہ اب بھی موجود اور مخلوق ہیں۔ ایسا نہیں کہ قیامت کے دن پیدا ہوں گے، چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہم السلام کا واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ احوال و علامات قیامت کی خبر دی ہے، وہ حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کا نام ایمان ہے ایمان درحقیقت تصدیق قلبی کا نام ہے۔ لسانی اقرار ایک ظاہری علامت ہے۔ ایمان میں زیادتی کمی نہیں ہوسکتی۔ اسلام اور ایمان ایک ہی شئ کے نام ہیں لیکن عموماً ایمان سے تصدیق قلبی مراد ہوتی ہے اور اسلام سے انقیاد اور اطاعت ظاہری مراد ہوتی ہے میں مومن ہوں انشاء اللہ ایسا کہنا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اس لئے کہ انشاء اللہ کی دلالت شک وتردد پر ہوتی ہے، جو یقین کے منافی ہے لیکن اگر حصول سعادت وبرکت کے لئے کہے تو جائز ہے جیسا کہ شوافع حضرات کہتے ہیں۔ گناہ کبیرہ مرد مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا اس لئے کہ ظاہری اعمال ایمان کی حقیقت سے خارج ہیں۔ البتہ ظاہری اعمال کا اثر ایمان کامل پر ہوتا ہے اور کمال ایمان بغیر عمل کے نہیں ہوتا۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب جو دوزخ میں ہوں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے اگرچہ کہ وہ توبہ کے بغیر مرے ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ولیغفر ما دون ذلک لمن یشاء گناہ صغیرہ پر بھی سزا اور عذاب جائز ہے۔

اللہ نے انسانوں میں سے رسول بنا کر انسانوں کی طرف بھیجا ہے، جو اچھے اعمال پر جنت کی بشارت سنانے والے ہیں اور بُرے اعمال پر دوزخ کی وعید سنانے والے ہیں۔ تمام دینی و دنیوی امور جن کی طرف انسانوں کو حاجت ہے ان کو وہ بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے ان رسولوں کی تائید روشن معجزات سے کی ہے سلسلۂ نبوت کی پہلی کڑی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری کڑی ہمارے نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تعداد کی تعیین نہ کی جائے اس لئے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کیا ہے منھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقصص علیک اور حضرت لقمان علیہ السلام اور ذوالقرنین کی نبوت میں شک ہے۔ انبیاء میں سب سے افضل ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ ہے اور اس کے بعد

حضرت موسیٰ عیسیٰ اور نوح علیہم السلام کا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے۔ اس میں جن و انس سب داخل ہیں۔ اسی لئے آپ کو رسول الثقلین کہتے ہیں۔ آپ کو معراج جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں آسمان کی طرف ہوئی ہے۔

یہ حق ہے کہ آپ کی امت تمام امتوں میں سب سے بہتر ہے جیسا کہ آپ تمام نبیوں میں سب سے بہتر ہیں۔ آپ کی شریعت مکمل اور جامع ہے اور آپ کا دین تمام ادیان سابقہ کے لئے ناسخ ہے۔ آپ کے صحابہ تمام امت میں بہتر ہے اور خلفاء اربعہ تمام اصحاب میں بہتر ہیں۔ اور ان کی فضیلت خلافت کی ترتیب پر ہے۔ فضیلت سے مراد کثرت ثواب ہے۔ اس جگہ دو مقام ہے۔

مقام اول یہ ہے کہ خلیفہ برحق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس کے بعد عمر فاروق، اس کے بعد عثمان ذی النورین۔ اس کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ مسئلہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک متفقات سے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثبات بعض کے نزدیک نص سے ہے اور جمہور اہل سنت کے نزدیک اجماع صحابہ سے ہے یعنی حضرات صحابہؓ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کرلیا۔ اور دنیوی اور اخروی احکام میں سب نے ان کی طاعت اور متابعت کی اور تلاش و تحقیق حق کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت میں تاخیر کرنا انعقاد اجماع کے لئے مُضر اور خارج نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے تاخیر ایک قول کے مطابق چھ ماہ تھی، لیکن واضح یہ ہے کہ اسی دن کے آخری حصہ میں یا دوسرے دن آپ نے بیعت کرلی تھی۔ بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطیع و تابع رہے۔ نماز فرض جمعہ و عیدین میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے۔ لہٰذا شیعیوں کا یہ قول کہ خلیفہ بلافصل حضرت علی مرتضیٰ ہیں باطل ہے۔ اس دعوے کے اثبات کے لئے حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ حدیث متواتر نہیں ہے اور امامت کا ثبوت ان کے نزدیک حدیث متواتر پر موقوف ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا صراحۃً ثبوت نہیں ہوتا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، اور کرامت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم خدائے بزرگ و برتر

کی؛ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے کوئی عہد اور وعدہ خلافت کے متعلق کیا ہوتا اور میرے پاس سوائے میری اس چادر کے اور کوئی چیز نہ ہوتی، جب بھی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسکی اجازت نہ دیتا کہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کی پہلی سیڑھی ہی پر قدم رکھ سکتے مگر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میری موجودگی اور میرے مرتبہ کے جاننے کے باوجود حضرت ابوبکر کو امامت کا حکم دیا تو اب میرے لئے امر خلافت میں نزاع واختلاف کی گنجائش نہ رہی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کے معاملہ میں ترجیح دیا تو اب ہم دنیا کے معاملہ میں بھی حضرت ابوبکر کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ڈر اور خوف کی وجہ سے تھا۔ لیکن شیعوں کا یہ قول صریح البطلان ہے۔ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

مقام دوم یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کی افضلیت خلافت کی ترتیب پر ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی تمام دیگر صحابہ سے فضیلت میں سب کا اتفاق ہے لیکن ختنین (عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) کی ایک دوسرے پر فضیلت وبرتری میں اختلاف ہے جمہور کی رائے ہے کہ عثمانؓ علیؓ سے افضل ہیں۔

اس کے بعد صحابہ میں ترجیح حضرات عشرہ مبشرہ کو ہے جن کے جنتی ہونے کی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ، خیار امت، افاضل صحابہ، قدوہ مہاجرین اور اقارب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان حضرات نے اسلام میں جو کارہائے نمایاں اور پسندیدہ انجام دئے ہیں وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہیں۔ ان حضرات کا جنتی ہونا یقینی ہے اور یہ شرف انہیں کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے حضرات بھی مبشر بالجنہ ہیں مثلاً حضرت حسن، حضرت حسین، حضرۃ فاطمہ، حضرۃ عائشہ، حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت خبیبؓ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم۔

اس کے بعد حضرات اہل بدر کا درجہ ہے اور بدری اصحاب بھی مبشر بالجنہ ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر ہوا اہل بدر پر اور فرمایا کہ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔ دوسری جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوزخ میں داخل نہ کرے گا جو بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوا ہے۔

اس کے بعد اہل بیعت رضوان کا مرتبہ ہے

اور یہ بھی مبشر بالجنہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے درخت کے نیچے بیعت کی وہ دوزخ میں نہ جائے گا اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما تمام جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، اور خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، تیس سال تک ہے۔ اس کے بعد بادشاہت و امارت ہے اور یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ تیس سال میں جو چھ ماہ کی کمی تھی اس کو امام حسن نے * چاہا کہ بادشاہت و امارت میں خود بھی شرکت کریں۔

صحابہ کرام کا ذکر ہم خیر اور بھلائی کے ساتھ کریں گے۔ صحابہ کے بارے میں طعن و تشنیع شر اور مذموم ہے۔ صحابۂ کرام کی صحبت امر یقینی ہے اور جو اختلاف و نزاع ان کے درمیان واقع ہوا وہ امر ظنی ہے، اور ظن یقینی کا مقابل نہیں ہو سکتا اور امر یقینی، ظنی کی وجہ سے متروک نہیں ہوگا۔ نیز صحابہ کے فضائل کتاب و سنت سے ثابت ہیں، لہٰذا صحابہ کے حق میں طعن خود طعن کرنے والوں کے لعنتی ہونے کا سبب ہے۔ قرآن و حدیث سے جو فضائل و مناقب ثابت ہیں اس پر اپنی فاسد رائے سے اعتراض و تردید کرنا فاسد ہے۔

* چونکہ خلافت ۔۔۔ پوری ہو گئی اور امارت حضرت معاویہ کے سپرد ہونا تھا اور علم الٰہی میں ۔۔۔

مجتہد سے خطا اور صواب دونوں ہوتا ہے، لیکن اس کی خطا پر مواخذہ نہیں بلکہ اجر و ثواب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر مجتہد غلطی کرے تو اس پر ایک ثواب ہے اور اگر صحت اصابت کو پہنچے تو دگنا ثواب ہے۔ ہم کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کریں گے، جب تک وہ اس گناہ کو حلال نہ سمجھے۔

اور جو رسول انسانوں سے ہیں وہ ان رسولوں سے جو ملائکہ سے ہیں افضل ہیں۔ اور رسل ملائکہ عام انسانوں سے افضل ہیں۔ ولی کی کرامت حق ہے۔ اور انسانوں میں جو اولیاء و اتقیاء ہیں وہ عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور کرامت خلافِ عادت فعل کو کہتے ہیں جو ولی سے صادر ہو۔ اور اگر خلافِ عادت فعل نبی سے قبل نبوت صادر ہو تو اس کو ارہاص کہتے ہیں، اور اگر بعد نبوت صادر ہو تو اس کو معجزہ، کہتے ہیں اور ولی کی کرامت درحقیقت نبی کا معجزہ ہے۔ اور اگر کسی متقی اور نیک بندے سے ایسا فعل صادر ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں اور اگر خلاف عادت فعل کسی کافر سے صادر ہو تو اس کو مکر و استدراج کہتے ہیں، اور کوئی بھی ولی کسی نبی کے درجہ پہ پہنچ نہیں سکتا

نبی کی فضیلت ولی پر امر یقینی اور متفق علیہ ہے جس کا اعتقاد اس کے خلاف ہو وہ کافر ہے۔ بعض کا یہ قول کہ ولایت نبوت سے افضل ہے' اس سے مراد نبی کی ولایت ہے نہ کہ ولی کی ولایت۔ نیز اگر ولایت کی فضیلت نبوت پر تسلیم کر لی جائے تو اس سے ولی کی فضیلت نبی پر لازم نہیں آتی کیونکہ ولایت اللہ تعالیٰ سے قرب کی نسبت اور اس سے کمالات کا اکتساب استفادہ ہے' اور نبوت مخلوق کو غیب کی باتوں کی خبر دینا ہے اور ان پر کمالات کا افادہ و فیضان ہے۔ لہٰذا پہلی نسبت شریف تر و عزیز تر ہے بہ نسبت دوسری نسبت کے۔ لیکن نبی دونوں نسبتوں کا جامع ہے' اس لئے وہ ولی سے فاضل تر اور بزرگ تر ہے جو کہ صرف ایک ہی نسبت کا حامل ہے۔

اور کوئی بندہ نوافل و طاعات کے ذریعہ ایسے مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا کہ اس سے شرعی تکالیف ساقط ہو جائیں۔ جیسا کہ ملحدین کہتے ہیں۔

اور آیات و احادیث کو ظاہری معنی پر محمول کیا جائے گا اس سے دوسرے معنی کی طرف عدول الحاد و زندقہ ہے' جیسا کہ فرقہ باطنیہ اس کا دعویٰ کرتا ہے۔

اور میت کے لئے دعا و صدقہ کرنے میں میت کا فائدہ ہے اور اللہ تعالیٰ دعاؤں کا قبول کرنے والا اور حاجتوں کا پورا کرنے والا ہے۔

اور نماز ہر نیکوکار اور فاسق کے پیچھے پڑھنا جائز ہے۔ البتہ ایسے فاسق کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے جس کا فسق مفضی الی الکفر ہو۔ مثلاً کوئی حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا منکر ہو یا ان کی صحابیت کا منکر ہو۔

اور موزہ پر مسح کرنا سفر اور حضر دونو حالتوں میں جائز ہے۔ امام بصری فرماتے ہیں' میں نے ستر صحابہ سے ملاقات کی۔ سب کے سب خفین پر مسح کو جائز سمجھتے تھے۔ امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مسح خفین سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں ہیں' اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کو آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا۔

اور کسی گناہ کو خواہ وہ صغیرہ ہو' یا کبیرہ حلال سمجھنا اور اسکو ہلکا سمجھنا اور شریعت سے استہزاء و مذاق اور اس کو برا سمجھنا کفر ہے یعنی اگر کوئی شخص کلمۂ کفر کا تلفظ بطور

مذاق و ہزل کرے تو کفر ہے اگرچہ کہ وہ اپنے دل میں اس کے معنی کا ارادہ اور اعتقاد نہ رکھتا ہو اس لئے کہ ہزل و مذاق مستلزم استخفاف ہے اور جب معصیت کا استخفاف کفر ہے تو ہزل بدرجۂ اولیٰ کفر ہے۔ اور جو شخص نشہ اور مستی کی حالت میں ہو اس پر کفر کا حکم نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ یہ زائل العقل ہے۔ اور عنان اختیار اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کلمۂ کفر اس کی زبان سے نکل جائے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور ایسے نجومی جو غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور غیب کی باتوں کی خبر

دیتے ہیں ان کی باتوں پر یقین کرنا کفر ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی اور اس کے عذاب سے بے خوفی بھی کفر ہے جیسا کہ آیت کریمہ کا یہی مضمون ہے لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون اور ولا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون مکر کے معنی لغت میں بازی کرنا اور فریب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مکر یہ ہے کہ بندہ کو معصیت میں مبتلا رکھے اور غفلت کا دروازہ اس پر کھلا رکھے یہاں تک کہ وہ مغرور اور غافل ہو جائے، تو اچانک بے شان و گمان اسکو اپنی گرفت میں لے لے۔

اور ایمان خوف و امید کا درمیانی درجہ ہے۔

سلسلہ صفحہ ۵۵

(۵) ترجمہ ظاہر کرتا ہے کہ ترجمہ کرنے والا صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف بھی ہے مگر یہ عارفانہ پہلو عام لوگوں کی فہم سے باہر ہے۔ مترجم اگر عالم ہونے کے ساتھ عارف بھی ہو تو اس سے قرآن فہمی کی زیادہ توقع کی جا سکتی ہے۔ خصوصاً ان مواقع پر جن کا تعلق توحید اور اخلاص کی باریکیوں سے ہو۔

حضرت ذوقی سے یہ ترجمہ و تفسیر اپنے زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے لکھی تھی۔ زمانے کی ضرورت سے مراد انکے اپنے ماحول کے تقاضوں سے ہے اور اس کے پیچھے صرف تبلیغ و اشاعت دین کا جذبہ ہی کارفرما تھا۔

مجدد جنوبی ہند سلطان المرشدین حضرت
مولنا مولوی الحاج محی الدین سید شاہ –
عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ
نے اپنے تلامذہ و خلفاء، مریدین و معتقدین اور متعلقین و متوسلین کے نام
فارسی میں خطوط تحریر فرمایا ہے، جن میں سے چند مکتوبات کا ترجمہ حاضر ہے۔

ابوالنعمان غفرلہٗ

مکتوب بنام کسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ
حمد و صلوٰۃ اور سلام و دعا کے
بعد واضح ہو کہ آپ کا مکتوب مورخہ ۱۲ / محرم الحرام ۱۴۰۷ھ، ۲۲ / صفر المظفر ۱۴۰۷ھ کو پہنچا۔ اور مندرج مضامین سے آگاہ کیا۔

آپ کے علم اور مطالعہ سے یہ چیز خارج نہیں ہے کہ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہیں۔ اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقد ہے اور بہتر گروہ سرور انبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معتقد ہیں اور بہت سے نام نہاد درویش اولیاء حضرت علی مرتضیٰ، حضرت اویس قرنی حضرت جنید بغدادی، حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت بہاؤالدین نقشبندی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیری اور بدیع الدین مدار کے معتقد ہیں اور ان معتقدوں یان ھدایت و ہادیانِ حق اور بزرگانِ دین کے عقیدہ اور عمل سے مشرق و مغرب کی طرح دور ہیں اور جو شخص معتقدین کے غلط عقائد اور برے اعمال کو دیکھتے ہوئے ان نفوس قدسیہ کے ساتھ غلط خیال اور سوئے ظن قائم کرے تو وہ ان آیات کی زد میں رہیگا۔ ان بعض الظن اثم۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔ الخسران الدنیا والاخرہ ذالک ھو الخسران المبین دنیا اور آخرت میں نقصان و خسران سے دوچار ہوا اور یہی نمایاں اور عظیم ترین خسارہ ہے۔

نیز آپ سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ اھل سنت والجماعت کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ وہ مسلمان جن سے کبیرہ گناہ صادر ہوئے ہیں دوزخ سے نجات پائیں گے اور کسی مسلمان کو قتل کرنے والا گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے اور سود خور بھی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے اور مرتد کی توبہ مقبول ہے صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ مرتد کو توبہ کرنے کی مہلت دی جائے یا نہیں۔

اس مہلت کے استحباب اور عدم استحباب میں اختلاف ہے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور اس کے لئے دوزخ میں عذاب دائمی ہے۔ یہ خارجیوں کا مذہب ہے۔

سادات کرام کی عظمت و بزرگی باتفاق علمائے کرام ثابت ہے۔ مؤلف مسیح الازہر فرماتے

ہیں جو شخص سید کو حقارت و تذلیل سے چھوٹا سید کہے تو وہ کافر ہے، صواعق محرقہ کے مصنف نے یہ حدیث نقل کی ہے

من لم یعرف حق عترتی فلا حدی ثلث اما منافق او ولد زان او حملته امه بغیر طھر۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری آل کا حق نہیں پہنچانا وہ منافق ہوگا یا ولد الزنا ہوگا یا حالت حیض میں اس کا حمل استقرار پایا ہوگا۔

حضرت امام شافعی سے منقول ہے سادات کرام کا ایک چھوٹا لڑکا اپنے کھیل کے لئے بار بار آتا جاتا رہا اور جب بھی وہ آیا تو اس کی تعظیم کے لئے امام صاحب کھڑے ہو جاتے اور جب وہ چلا جاتا تو بیٹھ جاتے حاضرین مجلس نے اس نشست و برخاست کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جز ہے

سعادت آثار! آپ کو ان ارشادات کے ہوتے ہوئے بھی کیوں تردد ہے؟ اور آپ کی نظر جاھل عوام کے عمل اور عقیدہ کی جانب کیوں ہے؟

میرے والد اور مرشد حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی فرمایا کرتے تھے کہ حضور بشر مانی غیبت کے اندیشہ سے یوں نہیں کہا کرتے تھے کہ یہ پتھر فلاں پتھر سے بہتر ہے اور یہ درخت فلاں درخت سے بہتر ہے۔

دل میں بہت سی باتیں ہیں لیکن غیبت کا خیال انکی وضاحت کے لئے مانع ہے باقی سوالات کے جواب اور مضمرات کی وضاحت ملاقات پر موقوف ہے

عمر بگذشت و حدیث درد من آخر نہ شد
شب بآخر شد اکنوں کو نہ کنم افسانہ را

عمر گذر چکی میری درد بھری داستان ختم نہ ہوئی
رات ختم ہو چکی ہے اب میں اپنا افسانہ ختم کر رہا ہوں۔

مکتوب بنام حاجی سید اسد اللہ صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام مسنون کے واضح ہو کہ آنجناب کا نامہ نامی وصحیفۂ گرامی جو انتہائی لطف وکرم کے ساتھ فقیر کے نام تحریر کیا گیا ہے نظر نواز ہوا۔ اور تمام کی خیریت و کیفیت

سے مطلع کیا جس سے قلب کو خوشی ومسرت اور اطمینان وسکون حاصل ہوا لِلّٰہ سبحانہٗ الحمد والمنۃ علیٰ ذالک

آپ کی ذاتِ گرامی پر یہ حقیقت روشن ہے کہ یہ حقیر دنیا دیکھنے میں بڑی سرسبز وشاداب نظر آتی ہے اور ذائقہ میں بڑی لذیذ اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔ لیکن فی الحقیقت وہ متاعِ باطل اور سمِ قاتل ہے اور اس کی مثال اس سونے کی طرح ہے جو نجاست میں گرا ہوا ہے اور اس کا حکم شکر آلودہ زہر کے مثل ہے اور اس کی عمر کا قافلہ ساٹھ ستر سال تک رواں دواں رہتا ہے اور وہ بھی اپنے جلو میں ہزاروں رنج وتکلیف اور ظلمت وکدورت کا سامان لئے ہوئے اور بالآخر ایک روز آہی جائیگا کہ عزت وجاہت اور شوکت ومنزلت اور چکنی میٹھی غذائیں اور رنگین ومنقش لباس اور دُنیاوی لذتیں اور گوناگوں روابط وتعلقات کو بادِ فنا اُڑا لے جائیگی اور ان ساری چیزوں کو زوال وفنا کے سوا کوئی چارہ نہیں رہیگا اور تمام دنیاوی اسباب اور نقد وجواہرات اور یہاں کی دیگر اشیاء بمصداق وترکتم ما خولناکم دراءظہورکم اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال اسباب ہم نے تمہیں دیا تھا

ایسے اشخاص کے حوالے ہو جائیں گے جن میں اکثر وبیشتر صاحب اسباب کے دشمن اور اس کی موت کے منتظر تھے۔

اس روز عزت ومنزلت کے عوض میں ذلت ومحتاجی کے سوا کوئی دوسری چیز نقد ونعمت نہیں رہیگی۔ اور مرغ وسیخ اور ململ ومخمل کے بجائے منہ میں مٹی اور بدن پر مٹی کے سوا کوئی خوراک اور لباس نہیں ہوگا۔

اس لئے فقیر کا دل دنیا ومافیہا سے کراہت کرتا ہے اور انتہائی شوق ورغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے امیدوار ہے کہ وہ فقیر کو حجاز مقدس روانہ فرمائیگا اور درِ کعبہ پر جبیں سائی کی نعمت عطا فرمائیگا اور سید المرسلین وشفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو آخرت میں نجات کا وسیلہ بنادیگا انہ قریب مجیب

حجاز مقدس کے لئے فقیر کی روانگی ملیبور اور تلیچیری سے ہوگی آپ سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے دل بے چین ہے اور فقیر دل وجان سے آپکے وجودِ بابرکت کو غنیمت وقت سمجھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ آپکو صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے آں مخدوم کو تمام متبعین ومتعلقین اور تمام دوستوں

کے ساتھ حافظ حقیقی کے سپرد کررہا ہے استودعکم
اللہ الذی لا یضیع ودائعہ
ہمشیرہ زادگان سید محمد اور سید فضل اللہ
مدعمرھما اور دس بارہ افراد اور مردم خانہ اور
قرابت دار وغیر قرابت دار سات آٹھ مرد اور
عورتیں ماں صاحبہ، بی بی خیر پوری غلام حسین
خان مرحوم اور خدیجہ بی بی محل علی دل خان
مغفور وغیرہ اس سفر میں فقیر کے ساتھ ہیں
معلوم ہوا کہ ویلور اور ارکاٹ کی پانچ
چھ خاتون اور مدارس کے چند مرد اور عورتیں
اور میراں صاحب شریف اور طیبہ بی صاحب
دختر محمد علی صاحب مہکری اور بالا گھاٹ کی
کچھ عورتیں اور مرد بھی ہمراہ فقیر سوئے حرم
چلنے کا عزم کئے ہیں۔ جب یہ مسکین خانہ
خدا میں پہنچے گا تو انتہائی خلوص کے ساتھ صاحب
خانہ و کارساز بے نیاز سے امیدوار رہیگا کہ
ما زاغ البصر وما طغیٰ کے حکم کے
مطابق دائیں بائیں نظر نہیں کریگا اور
وان من شیئ الا عندنا خزائنہ کی
آیت کریمہ کے تحت اپنی نظر کو معدنِ
خیر وفیض کی جانب مرکوز رکھیگا
واللہ علیٰ کل شیئ قدیر
اور آں مخدوم کو نیت خیر
اور مساعی جمیلہ کا اجر و ثواب مکملاً
عطا فرمائے گا۔ ربنا تقبل منا
انک انت السمیع العلیم۔
دل میں بہت سی باتیں ہیں لیکن وقت کی
تنگی کے باعث زبان ان کی ترجمانی سے
قاصر ہے
اللہ کی نصرت و تائید تمہارے
ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو

مکتوب بنام حاجی اسد اللہ صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ
فقیر کے نام ۲۵ رمضان المبارک کا تحریر
کردہ مکتوب دستیاب ہوا اور تمام کی خیریت
وکیفیت سے آگاہی، سکون و طمانیت کا
باعث بنی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک
آپ نے موسم کی دیری اور فقیر
کی عجلت سے متعلق جو تحریر کیا ہے، وہ
پسند آیا۔ یہ عجلت ناواقفیت کی وجہ سے ہے

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس علاقے کے جہازات ذی الحجہ سے بیشتر نہیں جائینگے۔

امسال دیری کی وجہ سے کہیں حج کا موقعہ ہاتھ سے نہ نکل جائے اس خیال سے دل بے چین اور بے آرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر نظر ہے اور اس کے حکم کا منتظر ہوں انہ ھوالحاکم الحکیم۔

نماز کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی وضو اور نماز کے اسباب کی تیاری کرلینا مستحب ہے اور نماز کے انتظار میں رہنا گو نماز میں رہنے کے مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ فقیر کی عجلت کو پسند فرمائے گا۔ اور حج کی تیاری کو حج میں رہنے کے مانند قرار دیگا انہ قریب مجیب

اس ماہِ شوال میں فقیر کشتی پر سوار ہو کر کولا ندی، کالی کٹ اور ترو نگاڑی تک گیا ہوا تھا اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اکثر مسافرین قے اور سر کی چکر میں مبتلا رہے۔ اور یہ مسکین ان اثرات سے محفوظ رہا۔ للّٰہ سبحانہٗ الحمد والمنۃ علیٰ ذالک

حاجی عبدالقادر خان صاحب وکیل نواب صاحب مدارس کے نام تحریر کردہ مکتوب حفاظت کے ساتھ رکھا ہوں اِنشاء اللہ میں پہنچا دونگا۔

اور مخدومی مولوی حافظ محمد حسین صاحب ماہ ذی الحجہ میں وفات پاگئے اِن للّٰہ وانا الیہ راجعون یہ خبر میسور میں حاجی قاسم صاحب سے معلوم ہوئی۔

خان صاحب سعید اور بڑے صاحب اور تمام بزرگوں اور دوستوں اور وہاں کے دیگر اصحاب کو سلام مسنون کا تحفہ پیش کریں۔

خدا کی نصرت اور تائید تمہارے ساتھ رہے۔ تم جہاں کہیں رہو۔

مکتوب بنام دلیر خان بہادر دلیر جنگ۔ جاگیر دار شاہنور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد طلب سعادت ذخائر پر واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی جو

کمالِ التفات اور خلوص و اخلاص کے
ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ نظر نواز ہوا اور
اس کے ذریعے درویشوں کے ساتھ محبت
والفت کے آثار و علامات کی بو باس دل و
دماغ میں پہنچی تو بے پایاں سرور و انبساط حاصل
ہوا۔ اس طائفہ کے ساتھ محبت رکھنے
والے کے لئے یہی بشارت کافی ہے کہ
زبان نبوت نے ارشاد فرمایا المرء مع من
احب۔ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس
کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے اور اس طبقہ کے
ساتھ انس و محبت رکھنے والے اور اس کے
ساتھ مجالست و مصاحبت اختیار کرنے
والے کے لئے یہ بشارت کافی ہے ھم قوم لا
یشقی جلیسھم ولا یخیب انیسھم
اس گروہ کی صحبت اختیار کرنے والا کبھی بد
بخت نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ موانست
رکھنے والا کبھی ناکام اور نامراد نہیں رہیگا۔ اللہ
تعالیٰ آپ اور آپ کے کاموں میں برکت عطا
فرمائے اور آپ کے کاموں میں برکت عطا
فرمائے اور آپ کے ساتھ خیر و احسان کا
معاملہ فرمائے آمین۔

تاریخ مرشد دلیرجنگی کا تھوڑا بہت
مطالعہ ہوا جس سے مصنف کے جوہری ذہانت
و لطافت پوری طرح ظاہر ہے اور مؤلف
کی طبیعت رسا شاہباز بلند پرواز کے رنگ
و روپ میں موجود اور نمایاں ہے۔

آج ایسا دور ہے جس میں اسلام انتہائی
ضعف و شکستگی سے دوچار ہے اور یہ
ایسا زمانہ ہے جس میں تھوڑا سا عمل بھی
اجر جزیل کے عوض کمال اعتناء کے ساتھ بارگاہِ
ایزدی میں قبولیت کا درجہ پالیتا ہے

اس قطعہ زمین کے مسلمانوں کی خوش
بختی اور نیک بختی ہے کہ ایسے دور پر آپ جیسے
بابرکت حاکم کے سایۂ ہمایوں میں پُر مسرت
زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جب مسلمانوں کے حاکم اور امیر کی صلاح
و فلاح اور بہبودی مسلمانوں کی صلاح و
فلاح اور بہبودی میں مضمر اور پیوست ہے
تو اس حاکم کے حق میں دعا کرنا گویا تمام مسلمانوں
کے حق میں دعا کرنے کے مترادف اور ہم معنیٰ ہے

آپ کے حسبِ خواہش یہ فقیر محض فقر و
مسکنت کی برکت کے خیال سے اور دعا کے
مقبول ہونے کی امید پر خود کو دعا کرنے سے
فارغ اور علیحدہ نہیں رکھ رہا ہے اور ہزار دل
و جان سے آپ کی ظاہری و باطنی ترقیات کا
خواہاں ہے۔ اے اللہ انہیں اپنی پسندیدہ و محبوب

چیزوں کی توفیق عطا فرما اور ان کی آخرت
کو دنیا سے بہتر بنا
اور اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں
کہ وہ ہمیں اور آپ اور تمام دوست احباب
اور سارے مسلمانوں کو ہدایت و توفیق
عطا فرمائے گا تاکہ ہم دنیا جہاں کی لذتوں
اور چکنی چپٹی اور میٹھی غذاؤں اور پراگندہ تعلقات
اور رنگین و منقش لباس اور جاہ و عزت کی
طلب اور شان و شوکت کی خواہش سے جن
کو زوال اور فنا کے سوا چارہ نہیں فریب نہیں
کھائیں گے اور دائم و قائم اور باقی رہنے والی
ذات کی محبت کی بُو سے اپنے مشامِ جان کو
معطر رکھیں گے اور بے سود و بے نفع دنیا
جو قبر میں ساتھ نہ دے گی اس کی بندشوں
اور گرفتاریوں میں پھنس نہیں جائیں گے
اور ہمیشہ موت کی یاد اور آخرت کے اہوال
کو پیشِ نظر رکھیں گے

کار این ست غیر این ہمہ ہیچ

اصل کام تو یہی ہے اس کے سوا سب ہیچ اور
بے فائدہ ہے

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آنجناب
کے ظاہر کو ارکان شریعت غرا اور احکام
ملت زہرا سے آراستہ و پیراستہ فرمائے
اور آن ذی شوکت کے باطن کو دنیا و مافیہا
سے جو کہ ملعونہ خدا ہے، خلاصی و رہائی عطا فرمائے
اور آن شاہبانہ کو حقیر و نکمی دنیا کے
شکار سے محفوظ رکھے جو نافۂ مشک کے
رُوپ میں ہوتی ہے اور علوم سماویہ اور
معارف الہیہ کا صیاد بنائے

این کار دولت است کنون تا کرا رسد

زیادہ - اللہ آپ کو سلامت رکھے اور
آپ کے وجود سے اسلام کی شان و شوکت
باقی رکھے - آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب بنام بخشی الدولہ محمد تقی صاحب بہادر

سلام مسنون کے بعد! واضح ہو کہ برخوردار محمد حکیم اللہ کی وفات کی خبر کانوں تک پہنچی

جس سے دل بے چین و مضطرب ہو گیا، آپ
اور تمام افراد خاندان کے قلب کی بے چینی اور
اضطراب کا عالم کیا ہوگا۔

الدنیا دار بلاءٍ ومحنةٍ یہ دنیا بلاء و
مصیبت اور امتحان و آزمائش کی جگہ ہے جس
کا کوئی لمحہ دکھ اور رنج سے اور کوئی قدم امتحان و
آزمائش سے خالی نہیں رہتا ہے لہذا اس
دنیا میں رنج و تکلیف اور ابتلاءِ آزمائش
کے ساتھ موافقت کرلینا چاہئے اور قضا و
قدر کے آگے گردن جھکا دینا چاہئے۔

حدیث قدسی ہے

انا اللہ لا الٰہ الا انا و محمد رسولی من
استسلم بقضائی و صبر علی بلائی و شکر علی
نعمائی کتبہ صدیقاً و ابعثہ مع
الصدیقین و من لم یستسلم بقضائی
ولم یصبر علی بلائی ولم یشکر علی
نعمائی فلیتخذ ربا سوائی۔

میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی الٰہ
اور معبود نہیں۔ اور محمد میرے رسول ہیں جس
نے بھی میری قضا و قدر کو قبول و تسلیم کیا
اور میری جانب سے پہنچنے والی مصیبتوں پر
صبر کیا اور میری جانب سے ملنے والی
نعمتوں پر شکر کیا تو میں اسکو صدیق لکھونگا
اور اسکو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا
اور جس نے میری قضا و قدر کو قبول نہیں کیا
(پہنچنے والی مصیبتوں پر صبر نہیں کیا اور)
اور میری جانب سے ملنے والی نعمتوں پر
شکر ادا نہیں کیا تو اسکو چاہئے کہ میرے
سوا کسی اور کو اپنا رب اور معبود بنالے۔

ہماری غذا ماں کے پیٹ میں خون پینا
ہے خونخوار کو راحت و مراد کے ساتھ تعلّی
و غشہ ور اور خوشی و ناخوشی سے کیا سروکار
یعنی ہماری کوئی حقیقت ہی نہیں اور اس زندگی
میں اپنی مرضی سے جینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
لہذا اپنی مرضی کو مرضیٔ الٰہی میں ضم کردینا چاہئے

سلطان الانبیاء حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں یا لیت رب محمد
لم یخلق محمداً کاش رب محمد محمد کو
پیدا نہ کیا ہوتا تو بہتر ہوتا۔ افضل البشر بعد
الانبیاء والرسل حضرت ابوبکر صدیق فرماتے
ہیں یا لیتنی کنت ورقة فی شجرة
تاکل الانعام کاش میں درخت کا پتہ ہو جاتا
تو بہتر تھا کہ جانور کھا لیتے باب مدینة
العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے
ہیں یا لیتنی کنت حیضا لامی کاش میں
اپنی ماں کا حیض بن گیا ہوتا۔

اِن تمام بزرگانہ و حکیمانہ اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے کہ ہماری تخلیق نہ ہوئی ہوتی تو ہم دُنیا میں آزمائش اور اُخروی اِمتحانات سے محفوظ رہ گئے ہوتے ؎

جب اِن مقدّس برگزیدہ ہستیوں کا یہ عالم ہے تو ہم کیا ہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں بندگی مطلب و مقصد کے ساتھ ضد ہے اور دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں الضدان لا یجتمعان۔ ہمارے مطلب و مقصد اور مُراد کے تحت کوئی کام ہو نہیں پاتا یہی بات ہمارا بندہ ہونا ثابت کرتی ہے نیز نقل و استدلال کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ زندگی خالق کی ملکیت ہے اواہل و اولاد اللہ کی ودیعت کردہ امانتیں ہیں لہٰذا صاحبِ امانت جب اپنی امانت کو واپس لے تو امانتدار کو دوسرے کے مال پر آنکھیں سُرخ نہیں کرنا چاہئیے بلکہ امانت کو تمام خوشی اور پُوری دیانت کے ساتھ صاحبِ امانت کے حوالہ کردینا چاہئیے۔

بندۂ مقبول تو وُہی ہے جو اپنے مولا کے ہر فعل سے راضی رہے اور جو اپنی رضا و خواہش کے تابع ہے وہ اپنی ذات اور اپنے نفس کا بندہ ہے۔

حاصلِ کلام فقیر اللہ کی توفیق سے اِس ہولناک واقعہ میں اس کے فیصلہ سے راضی ہے، آنجناب بھی راضی ہوجائیں۔ اگر قلب میں ظلمت اور کدُورت گھر کرگئی ہو تو معوذتین (قُل اَعُوذُ برب الفلق اور قل اَعُوذُ برب الناس) پڑھتے رہیں کیونکہ یہ سورتیں ظلمتوں اور کدُورتوں کو زائل کرنے میں عظیم اثر رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اُمیدوار ہوں کہ وہ آپکے لئے مرحوم کو آخرت میں شفیع بنائے گا۔ اور دنیا میں نعم البدل عنایت فرمائیگا۔ اور آپ کی ذاتِ گرامی کو تعلقاتِ پراگندہ سے محفوظ رکھے گا جو کہ فنا پذیر اور قبر و آخرت میں بے سُود ہیں اور آپ کی ذاتِ گرامی کو اقاریب اور بالخصوص افراد خاندان کے لئے تسلّی اور تشفّی کا مُوجب بنائے گا۔

واللہ علیٰ کل شیئٍ قدیر

مکتوب بنام ہمشیرزادۂ خود محمد قادر محی الدین مدراس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰة وتبلیغ سلام و دعوات التفات نامہ جو اس مسکین کے نام تحریر کردہ تھا۔ دستیاب ہوا خیریت و کیفیت کی اطلاع مسرتوں کا باعث بنی الحمد للہ علی ذالک

نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کی یاد فرمائی اور محلِ نواب کے بانجھ ہونے کی اطلاع مکتوب کے ذریعے ملی۔

سعادت آثار!

سفوف کی چوبیس پُڑیاں ارسال کی گئی ہیں جو بانجھ کی ساری اقسام کے ازالہ میں نظیر نہیں رکھتی ہیں اور دعا دوا کے لئے قلب کی منزل میں ہے (یعنی جس طرح قلب جسم کی زندگی کا ذریعہ ہے، اسی طرح دعا دوا کی تاثیر کا ذریعہ ہے) اور دعا کے اندر اللہ کی قضا وقدر کو بدل دینے کی صفت ہے لیکن اس صفت کی توقع ہرگز دوا سے نہیں کی جا سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایرد القضاء الا الدعا اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر کو کوئی چیز رد نہیں کرسکتی دعا کے سوا

نواب صاحب کی بیگم صاحبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کو تمام اسباب سے ہٹا کر قاضی الحاجات اور مجیب الدعوات کی جانب مائل اور متوجہ رکھیں اور کامل یقین کے ساتھ اسی کی ذات جل جلالہ کو فاعل اور مختار حقیقی سمجھیں اور دعا و دوا دونوں کو ایک واسطہ اور ذریعہ سے بڑھ کر نہ سمجھیں اور نجار (بڑھئی) کے ہاتھ میں آرہ (لکڑی چیرنے کا اوزار) سے زیادہ خیال نہ کریں (یعنی اسباب پر نظر نہیں بلکہ خالق اسباب پر ہونی چاہئے) انہ ھو القاضی المجیب۔

اور یہ مسکین حاکم حقیقی کے حکم کا محکوم ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ دعاؤں کی قبولیت کے لئے مخصوص جگہ نہیں بنایا ہے جو شخص بھی ضعف وشکستگی اور تضرع وزاری اور دیگر شرائط کے ساتھ جس جگہ میں بھی حاجت وضرورت کی تکمیل چاہئے گا اور دعا کریگا تو ادعونی استجب لکم (مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا) کے اقتضاء کے مطابق دعا قبول کرنے کا وعدہ پورا فرمائیگا لہٰذا یہ فقیر نواب صاحب کے یہاں حاضری دینے سے قاصر ہے اور اپنے ہی مقام میں پورے اخلاص کے ساتھ دعا میں مشغول ہے۔

ع ہر دو نہ شکستگاں ازیں میدان گوئے

زیادہ

اللہ معکم اینما کنتم

مکتوب بنام محمد محی الدین علی خان صاحب مہکری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام مسنون کے واضح خاطر شریف ہو کہ ان دنوں میں آپکی ہمشیرہ زادی کی وفات کی خبر اس مسکین کے کانوں تک پہنچی جس سے دل بیچین و بے قرار ہو گیا

فقیر اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ سے راضی ہوا آن مخدوم بھی راضی ہو جائیں انا للہ وانا الیہ راجعون. مغفورہ نوجوان تھیں ایسی جوان سال بیٹی کی وفات مرحومہ کی والدہ کے قلب وجگر پر کس قدر نشتر زن ہو گی. اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے تاکہ صبر و ضبط سے کام لیں اور ایسی کٹھن مصیبت کے اجر جزیل کو ہاتھ سے جانے نہ دیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلوا ارحامکم ولو قطعوکم واقضوا حوائجھم ولو ھجروکم فان حبل الرحم موصول بید الرحمٰن

اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرتے رہو اگرچہ کہ وہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتے ہوں. اور ان کی حاجات وضروریات کو پورا کرتے رہو اگرچہ کہ وہ تمہارے سے علیحدگی اختیار کرتے ہوں بے شک رحم کی رسی رحمٰن کے ہاتھ سے ملی ہوئی ہے یعنی جب تم دوسروں پر رحم کروگے تو رحمٰن بھی تم پر رحم کرے گا.

ابو درداء کی روایت کردہ حدیث میں ہے

لو یعلم ابن ادم ثواب صلة الرحم لما کان یاکل لقمة طعام ولا یشرب جرعة ماء حتی یطعم رحمه.

اگر ایک مسلمان یہ بات جان لے کہ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرنے پر کس قدر اجر و ثواب ملنے والا ہے تو وہ کھانے کا ایک لقمہ اور پانی کا ایک گھونٹ بھی اپنے حلق کے نیچے نہیں اتاریگا جب تک کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو کھلا اور پلا نہ لے.

عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر اور ان کے دکھ درد اور مصیبت میں شریک ہونے پر جو فضیلتیں اور

بتائیں آئی ہوئی ہیں اور ان سے تعلقات منقطع کرنے پر جو تنبیہات اور وعیدیں وارد ہیں وہ قابلِ غور ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ آپ کو صلۂ رحمی کے عظیم ثواب اور تعزیت اور ادائیگی کے حسنات و برکات سے فائز اور ہم کنار فرمائیگا

اور آپ کی ذاتِ گرامی کو مرحومہ کی والدہ کے خاطرِ مجروح کا مرہم اور قلب حزیں کی تسکین کا باعث بنائے گا

اللہ کی نصرت و تائید تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو۔ والسلام

مکتوب بنام سیّد جان اللہ صاحب، آمبور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حمد و صلوٰۃ اور ابلاغ سلام و تحیات کے بعد واضح خاطر شریف ہو کہ التفات نامہ جو انتہائی خلوص و الفت کے ساتھ اس فقیر کے نام ارسال کیا تھا۔ باعث نوازش ہوا قرض اور دیگر مصیبتوں کی خبر پڑھ کر دل بے چین اور مضطرب ہوگیا ہرچند کہ مصیبتوں میں اذیت و تکلیف ہوا کرتی ہے لیکن ان کے ذریعہ شرف بزرگی حاصل ہونے کی امید ہے۔ ان شکر پاروں کو تلخ دوا میں فیتی غلاف میں لپیٹ دیا گیا ہے اور اس حیلہ کے ذریعہ ابتلا و آزمائش اور امتحان کی راہ کھول دی گئی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دوا کی تلخی شکر پارہ کی لذت حاصل کرنے میں مانع و حائل نہ ہو جائے اور اللہ کی ذات جو ہر خیر کا منشا اور مقصد ہے کہیں یہ تلخی اسکی جانب سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی جانب متوجہ اور ملتجی نہ کردے (یعنی مصیبتوں میں صبر کرنا چاہئے اور اللہ کی جانب متوجہ رہنا چاہئے اس سے ثواب اور بزرگی حاصل ہوتی ہے)

ہاں! قرض ایک بڑی بلا اور مصیبت ہے اور یہ مخلوق کا حق ہے جس کی ادائیگی ہر حال میں ہونا چاہئے۔ عہد نبوت میں ایک شخص انتقال کرگیا جس کے ذمہ تین درہم قرض

تھا اور وہ اپنے گھر میں کوئی متروکہ بھی نہیں
چھوڑا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ یہاں تک
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس کا قرض
ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی تو اس وقت
آپؐ نے نماز پڑھائی اسی لئے فقیر آپ کے
قرض کی مصیبت دور ہو جانے کے لئے قاضی
الحاجات اور کافی المہمات کی بارگاہ میں
کامل قصد و ارادہ کے ساتھ متوجہ اور ملتجی ہے
اس قرض کی مصیبت کو دور کرنے
کے لئے شمال بالخصوص حیدرآباد کی جناب
تمہارا کو توجہ کرنا کافی ہے کیونکہ وہاں مولوی
شجاع الدین صاحب دامت برکاتہم اور
اور دیگر سادات اور بزرگان والا شان جنکا
شعار شفقت و فضیلت ہے ضرور آپ
کے مقصود اور مطلوب کو پورا فرمائیں گے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت
سے متعلق منقول ہے کہ، چوپائے اور بہائم
پر لکڑی سے مارا جاتا تو اس ضرب کا اثر آپ
کے اعضا پر ظاہر ہوتا تھا آپ تو انسان اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔
اگر یہ بزرگان کرام آپ کے قرض کی مصیبت
سے متاثر ہو جائیں تو کوئی بعید بات نہیں
کہ وہ اس کی ادائیگی کے کفیل ہو جائیں۔

وما اغنی عنکم من اللہ من شیئ
ان الحکم الا للہ علیہ توکلت و
علیہ فلیتوکل المتوکلون میں تمہیں
اللہ سے بچا نہیں سکتا حکم تو سب
اللہ ہی کا ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا
اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ
کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور
آپ کو اور سارے مسلمانوں کو توفیق عطا
فرمائے تاکہ افعال محبوب کو تمام تر شیریں
سمجھ سکیں اور عسرت اور مصیبت کی تلخی کو
شیریں محسوس کر سکیں۔

اور دنیا وما فیہا جو کہ ملعونہ
خدا ہے اس سے فریب نہ کھا
سکیں اور باقی رہنے والی ذات کی محبت
سے اپنے مشام جان کو معطر کر سکیں

اللہ معکم این ماکنتم
خدا کی نصرت و تائید تمہارے
ساتھ رہے جہاں کہیں تم رہو۔
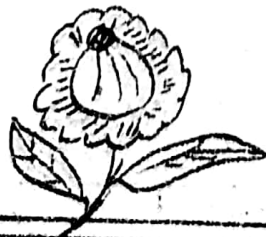
مکتوب بنام غلام محمد خان صاحب ابن حافظ ضیاء الدین صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ سلام و دعا کے بعد واضح ہو کہ تعزیت نامہ موصول ہوا اور دلوں کی تشفی و تسلی کا باعث بنا اللہ تعالیٰ آپکو ہماری طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

یہ عجیب و غریب اتفاقات ہیں کہ میری ہمشیرہ اور ہمشیرہ زادی اور ان کے شوہر اور ان کی دس سالہ دختر ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۶۳ھ کو وبائے جان رُبا سے بیمار ہو گئے اور ہمشیرہ سات آٹھ روز کے عرصہ میں اپنی جان شیریں، جان آفریں کے سپرد کر دیں اور ہمشیرہ زادی اور ان کے شوہر ۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۶۳ھ اور ۹ جمادی الاخریٰ کو ان کی دختر دارِ بقا کی جانب کوچ کر گئیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کے پس ماندگان میں اٹھارہ سالہ بن بیاہی لڑکی اور پندرہ سالہ ایک لڑکا اور سات سالہ ایک لڑکا موجود ہے اور اس چھوٹے لڑکے کی حالت کا مشاہدہ دل کو بیقرار کر دیتا ہے ارحم الراحمین جو تمام انسانوں کے آباء اور امہات کے رحم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ وہ تو باقی ہے۔ بس یہی دلوں کے لئے مرہم ہے۔

بڑی عجیب و غریب بات تو یہ ہے کہ امام ربانی اپنے مکتوبات میں امام محی السنۃ کی کتاب "لباب الاخبار" سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں تین روز کے عرصہ میں وبائے جان ربا آئی تھی۔ حضرت انس بن مالک کے ۸۲ بچے بچیاں اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کے ۴۰ لڑکے قضا کر گئے اور یہ دونوں باپ راضی برضائے الٰہی رہے۔

بندۂ مقبول تو وہی ہے جو اپنے مولا کے ہر فعل اور ہر فیصلہ سے راضی ہے اور وہ شخص جو اپنی رضا اور خواہش کے تابع ہے وہ تو اپنی ذات اور اپنے نفس کا بندہ ہے فقیر پورے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم سے راضی ہے اور آپ کی سعادتمندی سے بھی یہی امید ہے کہ قضائے الٰہی سے راضی رہیں گے اور رحلت کنندگان کے حق میں دعائے

مغفرت فرمائیں گے۔ انہ قریب مجیب.

آپ نے مکتوب میں حضرت عالم علّامہ اور کامل فہامہ مخدوم فقیہ علی المہائمی ابن احمد المشہور ابن نبت حسین ناخدا کا سلسلہ ارسال کرنے کے لئے آگاہ فرمایا تھا؟

کرم المواد! مطلوبہ سلسلہ فقیر کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں موجود ہے لیکن بڑی تلاش اور جستجو کے باوجود بھی مذکورہ کتاب کا خیال ذہن میں نہیں آرہا ہے اگر ہاتھ لگ گئی تو انشاء اللہ ضرور ارسالِ خدمت کیا جائیگا۔

حضرت مہائمیؒ کے قلم سے بلند پایہ تصانیف معرضِ وجود میں آئی ہیں مثلاً تفسیر رحمانی شرح فصوص، شرح نصوص، شرح جام جہاں نما، امحاض النصیحہ وغیرہ جو علمائے نقاد کے ہاتھوں میں کاغذ کے مانند ہیں (یعنی اہلِ علم کے نزدیک سند اور حجت کا درجہ رکھتی ہیں)

آپ کی وفات حسرت آیات ۸ جمادی الآخر ۸۳۵ھ کو بوقت عشا شب جمعہ ہوئی اور جزیرۂ بمبئی کے قریوں میں سے مہائم نامی قریہ میں آپ کے آبائی مقبرہ میں جمعہ کے دن ربیع النہار میں تدفین عمل میں آئی جس میں آپ کی والدہ ماجدہ بھی مدفون ہیں آپ کی تاریخ وفات جنات الفردوس ۸۳۵ سے نکلتی ہے۔

اور آپ کی مزار مقدس جزیرۂ بمبئی میں قلعہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔ فقیر بمبئی آنے جانے کے وقت میں کئی مرتبہ زیارت سے مشرف ہوا ہے۔

اللہ آپ کو قائم رکھے اور آپ اور آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے شامل حال رہے جہاں کہیں آپ رہیں۔

فصل الخطاب

بین الخطاء والصواب

آٹھویں قسط ۸

از تصنیف

مجدد جنوبی ہند سلطان المرشدین

حضرت مولانا مولوی الحاج شاہ محی الدین سید شاہ عبد اللطیف

قادری المعروف قطب ویلور

قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص:-

مولوی حافظ ابو النعمان

محمد شبیر الحق قریشی قادری ادہونی

استاد دار العلوم لطیفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فائدہ نمبر ۲

دوسرا فائدہ مکلف کے فعل سے متعلق ہے۔

واضح ہو کہ مکلف کا فعل مشروع، (شریعت کے موافق) ہے یا غیر مشروع (شریعت کے مخالف) فعل مشروع کی چار قسم ہیں:-

فرض، واجب، سنت اور مستحب۔

فعل مشروع کی دو قسم ہیں: حرام اور مکروہ۔

فعل مشروع جس کے ترک کرنے، اور چھوڑ دینے کی ممانعت اگر دلیل قطعی سے ثابت ہے تو اس کو فرض کہیں گے اور اس کے ترک کرنے کی ممانعت اگر دلیل ظنی سے ثابت ہے تو اس کو واجب کہیں گے اور فعل مشروع جس کے ترک کرنے کی ممانعت نہیں ہے، اگر وہ طریق مسلوک فی الدین ہے تو اس کو سنت کہیں گے ورنہ نفل اور مندوب کہیں گے۔

طریق مسلوک کا معنی اور مطلب یہ ہے، کہ اس فعل مشروع کی ادائیگی پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت اور ہمیشگی فرمائی ہو اور ایک یا دو مرتبہ آپ سے یہ عمل ترک ہو گیا ہو اور اگر آپ سے یہ عمل تین مرتبہ ترک ہو گیا ہو تو وہ سنت نہیں رہا بلکہ وہ مستحب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے عدم سے وجود کی زیادتی مراد ہے۔

اور جس عمل پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت اگر عبادت کے طریق سے تھی تو اس کو سنن ھدیٰ اور سنن مؤکدہ کہیں گے۔ جیسے اذان، اقامت، جماعت، اور ختنہ وغیرہ۔ اگر یہ مواظبت عادت کے طور پر تھی۔ جیسے قیام، قعود اور لباس وغیرہ، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عادتیں اور خصلتیں تھیں، ان کو سنن زوائد کہیں گے۔

مستحب، ایسا عمل ہے جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت و مواظبت نہ کی ہو، اس کو سلف یعنی صحابۂ کرام، تابعین، مذاہب اربعہ کے اصحاب اور صلحاء پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہوں۔

فعل غیر مشروع جس کے کرنے کی ممانعت اگر دلیل قطعی سے ثابت ہو تو اس کو مکروہ تحریمی کہیں گے۔ اور فعل غیر مشروع جس کے کرنے کی ممانعت نہیں ہے، تو اس کو مکروہ تنزیہی کہیں گے جیسا کہ امام محمد رحمہ نے وضاحت کی ہے۔

اور حضرات شیخین، امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مشروع فعل جس کے کرنے کی ممانعت آئی ہوئی ہو تو اس کو حرام کہیں گے۔ اور ممانعت نہ ہو تو یہ دیکھا جائیگا۔ کہ یہ فعل غیر مشروع حرام سے قریب تر ہے یا حلال

سے قریب تر۔ اگر حرام سے قریب تر ہے تو کراہت تحریمی کے ساتھ مکروہ ہے اور اگر حلال سے قریب تر رہے تو حرارت تنزیہی کے ساتھ مکروہ ہے۔

کراہت تحریمی کا معنی یہ ہے کہ اس کا کرنے والا تنبیہ اور تاکید کا مستحق ہے اور اس کو شفاعت سے محروم رہنے والے کی طرح دوزخ کا عذاب نہیں ہوگا۔ اور کراہت تنزیہی کا معنی یہ ہے کہ اس کا کرنے والا عقوبت وسزا کا مستحق نہیں ہے لیکن اس کے ترک کرنے کو ادنیٰ ثواب دیا جائے گا۔

فعل مشروع کی اقسام میں فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ضروری اور لازمی ہے۔ یہاں تک کہ وہ شخص جو فرض متفق کو جان بوجھ کر ان کا انکار کردے تو وہ کافر ہے۔

اور واجب کا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس کا جاننا ضروری نہیں، حتیٰ کہ اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوگا۔ اور فرض کے ادا کرنے پر ثواب دیا جائے گا اور اس کو بغیر عذر کے ترک کرنے پر دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ نیز واجب کے ادا کرنے پر بھی ثواب دیا جائے گا لیکن واجب کا ثواب فرض کے ثواب سے کم تر ہوگا۔

اور واجب کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے ترک کرنا اخبار احاد کی رو سے فسق کا موجب ہے، اور کسی تاویل کی بنیاد پر ترک کرنا موجب فسق نہیں ہے۔

اور سنن ھدیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کی ادائیگی اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اور یہ ثواب درجہ میں واجب کے ثواب سے کم تر ہے اور سنن ھدیٰ کا ترک کرنا دنیا میں سرزنش و ملامت کا موجب ہے اور آخرت میں حرمان شفاعت کا باعث ہے اور ان کے ترک کرنے پر دوزخ کا عذاب واجب نہیں ہوتا جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ سنن زوائد اور مستحب کا حکم ایک ہی ہے۔ ان کی ادائیگی باعث ثواب اور ان کا ترک باعث عذاب نہیں۔

غیر مشروع فعل کی اقسام میں حرام کا حکم یہ ہے کہ اللہ کے خاطر اس کا ترک کرنا ثواب کا موجب ہے، اور بغیر کسی عذر کے اور مجبوری کے حرام کا ارتکاب کرنا عقوبت و سزا کا مستحق ہے اور حرام متفق کو حلال جاننا کفر ہے۔

مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اللہ کے خاطر اس کا ترک کرنا ثواب ہے اور اس کے کرنے پر عذاب کا خوف و اندیشہ ہے اور اس کو حلال سمجھنے پر کفر لازم نہیں آتا۔

مفسد تیسری قسم ہے جو فعل غیر مشروع کے تابع ہے اور یہ وہ عمل ہے جس سے عمل مشروع میں نقص اور خرابی پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اثنائے نماز میں لوگوں سے کلام کرنا اور مفسد کا حکم یہ ہے کہ اس کو عمداً کرنے پر عذاب لازم آئے گا اور سہواً کرنے پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔

ان مقدمات کی تفصیل "توضیح وتلویح" اور تمام اصول کی کتابوں اور مفتاح الصلوٰۃ، اور شرح نامِ حق وغیرہ میں ملاحظہ کی جائے۔

مفتاح الصلوٰۃ کے مصنف نے سنت کے حکم سے متعلق جو تصریح کی ہے وہ بھی یہاں پڑھ لینی چاہئے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

جس سنت کا ثبوت خبرِ واحد سے ہو تو اس کا انکار کرنے والا گنہگار اور بدعتی ہوگا اور جس سنت کا ثبوت خبرِ مشہور سے ہو تو اس کا انکار کرنے والا فاسق ہوگا۔

اور جس سنت کا ثبوت خبرِ متواتر سے ہو تو اس کا انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذالک

اگر کوئی شخص سنت کا انکار از راہ تحقیر واہانت کرتا ہے تو وہ کافر ہے خواہ اس سنت کا ثبوت خبرِ واحد یا خبرِ مشہور یا خبرِ متواتر سے ہو۔

بعض محقق فقہا مثلاً صاحب بحر الرائق وغیرہ نے سنتِ مؤکدہ (جس پر عمل کرنے کی شدید تاکید وارد ہے) کو واجب کے مثل قرار دیا یعنی اس کے ترک کرنے پر وہی گناہ لازم آئے گا جو ترک واجب پر لازم آتا ہے اور اس سنت پر عمل کرنے میں سستی وکاہلی کی جائے اور بے باکی اور بے خوفی ظاہر کی جائے تو کفر کا خوف ہے اور اگر اس کے ادا کرنے سے خود کو قاصر سمجھے تو عفو کی امید ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی مالکیؒ "فتوحات مکیہ" کے ۱۹۸ ویں باب میں مکلف کے فعل سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ :

پھر حکم امر اور نہی کی جانب منقسم ہوتا ہے پھر امر مخیر فیہ (مباح) اور مرغب فیہ کی جانب منقسم ہوتا ہے۔ پھر مرغب فیہ کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جس کا ترک کرنا شرعاً مذموم اور ناپسندیدہ ہے اور وہ واجب اور فرض ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جس کا کرنا شرعاً محمود اور پسندیدہ ہے اور وہ ہے مندوب، اور اس کا ترک کرنا مذموم ہے۔

اور نہی کی دو قسم ہیں پہلی قسم وہ ہے جس کا کرنا مذموم ہے، وہ حرام ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا نہ کرنا محمود ہے اور اس کے کرنے پر مذمت نہ ہوگی اور وہ ہے مکروہ۔

ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مشروع اور غیر مشروع فعل کی اقسام کو ضبط ذہن رکھے۔ اور جائز و ناجائز اور حرام و مکروہ کی حدود پہنچانے، تاکہ اہل سنت وجماعت کے مسلک پر قائم رہنا سہل ہوسکے اور افراط وتفریط سے محفوظ رہ سکے۔

فائدہ ۳

تیسرا فائدہ تکالیف شرعیہ سے متعلق ہے۔

واضح ہو کہ جب تک بندہ عاقل و بالغ ہے وہ تکالیف شرعیہ کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا لہٰذا فرقۂ ملاحدہ اور اباحیہ کا یہ کہنا کہ بندہ دائرۂ تکلیف سے خارج ہو سکتا ہے وہ لغو اور باطل ہے۔

علامہ تفتازانی "شرح عقائد نسفی" میں لکھتے ہیں:۔

"تکالیف کے باب میں وارد شدہ عام خطابات اور مجتہدین کے اجماع کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہے کہ بندہ جب تک عاقل اور بالغ ہے اس کے ذمہ سے شرعی احکام ساقط نہیں ہو سکتے اور فرقۂ اباحیہ کے بعض افراد اس بات کے قائل ہیں کہ جب بندہ نفاق کے بغیر کفر پر ایمان کو پسند کیا اور وہ محبت کی انتہا پر پہنچ گیا اور اس کا قلب صاف ہو گیا تو اس کے ذمہ سے شریعت کے احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہونے کے باوجود بھی دوزخ میں داخل نہیں کیا جائیگا۔ اور اباحیہ گروہ کے بعض اشخاص یہ کہتے ہیں کہ ظاہری عبادات مثلاً نماز روزہ وغیرہ اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور تفکر ہی اس کی عبادت ہوتی ہے۔

اس قسم کا اعتقاد سراسر کفر اور انتہائی گمراہی وضلالت ہے کیونکہ تمام انسانوں میں انبیائے کرام ہی ایمان ومحبت الٰہی میں کامل ومکمل ہیں اور ان میں سے بالخصوص خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان و محبت الٰہی میں کامل ترین ہیں۔ لیکن با وجود ان حضرات کرام کے ذمہ سے احکام شرعیہ ساقط نہیں ہوئے اور یہ حضرات دائرۂ تکلیف سے خارج نہیں ہوئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی اذا احب اللہ عبداً لم یضرہ ذنب' جب خدا کسی بندے کو محبوب بنالے تو گناہ کا ضرر اس کو نہیں پہنچے گا) کا معنی ومطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو اپنا محبوب بنالے تو' وہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔"

شیخ عبدالوہاب شعرانی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں تحریر فرماتے ہیں:

"انسان اور جن کا کوئی بھی فرد دائرۂ تکلیف سے خارج نہیں ہو سکتا' جب تک کہ اس کے اندر عقل و شعور موجود رہے۔ بھلے سے وہ قرب اور اتصال کے آخری درجات ومراتب پر فائز ہو جائے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اے میرے عزیز بھائی! یہ بات اچھی طرح خوب ذہن نشین کرلو کہ جب تک دنیا قائم رہے کسی

بالغ شخص سے احکام شرعیہ ساقط ہو جائیں، یہ ناممکن اور محال ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا، تو وہ شخص جس کی ذات سے حجابات ختم ہو جائیں تو اس سے تکالیف شرعیہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ بندہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو فاعل حقیقی دیکھتا ہے، اور اہل سنت وجماعت میں کوئی بھی اس خیال اور عقیدہ کا حامی اور قائل نہیں۔

اور بعض صوفیائے کرام کا یہ قول کہ جب سالک اس مقام پر پہنچ جائے تو "اس سے تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ سالک سے عبادت وطاعت کی کلفت ومشقت اٹھا دی جاتی ہے۔ اور وہ عبادت سے تنگ دل اور زچ نہیں ہوتا۔ جس طرح اس پر مرتبہ سے پہنچنے سے قبل عبادت میں اسکو دشواری اور سختی معلوم ہوتی تھی وہ زائل ہو جاتی ہے بلکہ اب اس کو عبادت میں لذت و سرور اور کیف ونشاط حاصل ہونے لگتا ہے۔

نیز اسی کتاب میں شیخ شعرانی لکھتے ہیں:

برادرمن! اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو بظاہر نماز پنجگانہ پڑھتے ہوئے نظر نہیں آتے لیکن ان میں سے مختلف اشخاص مختلف مقامات مثلاً مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ جبل ق، قبلہ آرین، کوہ طور اور سد سکندریہ میں

نماز ادا کرتے ہیں۔

ایسے بزرگوں کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا اور کہنا کہ یہ نماز کو ترک کرنے والے ہیں بڑی غلطی ہے۔

اور ان اللہ والوں کی کچھ ایسی نشانیاں اور علامات ہیں جن سے وہ تارکین صلوٰۃ (جو سستی اور کاہلی سے نماز نہیں پڑھتے) سے ممتاز نظر آئیں گے۔ اور خود سیدنا عبد القادر دسطوطی نے مجھ سے کہا کہ باشندگان مصر نے کئی مرتبہ یہ بات کہہ دی کہ عبد القادر نماز نہیں پڑھتے ہیں، خدا کی قسم ہم کبھی نماز نہیں چھوڑتے لیکن ہماری کچھ جگہیں اور مقامات ہیں جن میں ہم نماز ادا کر لیتے ہیں۔

یہ نماز میں نے سیدنا محمد بن عنان رضی اللہ عنہ سے سنائی، تو انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی اور فرمایا کہ عبد القادر نے سچ کہا، ان بزرگوں کے لئے کچھ مخصوص مقامات ہیں جن میں وہ نماز ادا کر لیتے ہیں۔

اور شیخ محمد عنان نے یہ بھی فرمایا، کہ سید ابراہیم المتبولی کو کبھی کسی نے نماز ظہر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ان کے بارے میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم پر اللہ نے ظہر فرض نہیں کی ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ رملہ لد کی جامع ابیض میں نماز ادا کرتے تھے۔

اور یہی عمل سید علی الخواص کا بھی تھا۔ وہ بھی ہمیشہ جامع مذکور ہی میں نماز ظہر ادا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شیخ بدر الدین انشادی نے سید ابراہیم المتبولی سے پوچھا کہ شیخ کیا آپ پر نماز ظہر فرض نہیں ہے ؟ شیخ تو خاموش رہ گئے۔

لیکن شیخ یوسف کردی نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے متعدد بار جامع ابیض میں سید ابراہیم کے ساتھ نماز ظہر پڑھی ہے۔ اس روز میں نے زعفرانی رنگ کے نحیف البدن نوجوان کو امامت کرتے ہوئے دیکھا۔

اور میں نماز ظہر کے وقت سید عبد القادر سطوطی کے پاس جا پہنچا۔ اذان ہوئی تو وہ پہلو کے بل لیٹ گئے اور فرمایا کہ مجھے چادر اڑھا دی جائے۔

ہم نے ان کے اوپر چادر اڑھا دی۔ اس کے بعد ہم نے ان کو چادر کے نیچے نہیں پایا۔ پھر وہ پندرہ منٹ کے بعد آ پہنچے۔

اور سید علی الخواص بھی اذان ظہر کے بعد تھوڑی دیر اپنی دکان بند کر لیتے تھے، پھر دروازہ کھول دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ لوگوں نے دکان کا دروازہ کھولا تو اس کے اندر ان کو موجود نہیں پایا۔

بعض فقہائے کرام اولیاء کرام کے حق میں طئی زمان اور مکان کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حضرات انبیاء کرام کی خصوصیت ہے، لیکن جمہور فقہا کے نزدیک اولیاء اللہ کو بھی طئی مکان و زمان کی نعمت حاصل ہے۔ چنانچہ صاحب "حض الاسلام" کتاب الاشباہ والنظائر" سے نقل کرتے ہیں، کہ

فقہاء نے اختلاف کیا ہے، اس شخص کی تکفیر میں جو اس بات کا قائل ہے کہ ولی تھوڑے سے وقت میں مسافت بعیدہ کو طئے کر سکتا ہے۔

بزازیہ میں مرقوم ہے کہ زعفرانی سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، جو یہ زعم کرتا ہے کہ اس نے ابن ادہم کو ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کے روز کوفہ میں دیکھا اور اسی روز مکۃ المکرمہ میں بھی دیکھا۔

اس پر انہوں نے جواب دیا۔ ابن مقاتل ایسے شخص کو کافر کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے، کہ طئے زمان و مکان کا تعلق معجزات سے ہے، کرامات سے نہیں۔

لیکن میں ایسے شخص کو جاہل اور نادان سمجھتا ہوں اور اس کو کافر کہنے سے اجتناب کرتا ہوں۔

اور اسی طرح یہ جو حکایت بیان کی جاتی ہے کہ فلاں بزرگ خوارزم میں فجر کی سنت پڑھتے ہیں اور فرض مکۃ المکرمہ میں پڑھتے ہیں، یہ بات بھی جہالت پر مبنی ہے۔

ہمارے علماء نے بیان کیا ہے کہ جن چیزوں کا تعلق معجزات کیا رہے ہے، مثلاً مردوں کو زندہ کرنا۔ عصا کا سانپ بن جانا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔ طعام قلیل سے گروہ کبیر کا شکم سیر ہو کر

کھانا انگلیوں سے پانی جاری ہونا کسی ولی کی کرامت سے ظاہر ہونے والی چیز نہیں بلکہ معجزات کی قبیل سے ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی ہے (چنانچہ ملک شام سے مکہ مکرمہ واپس آتے وقت تین دن کی مسافت کو ایک دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کیا تھا) لہٰذا طئے مکان کو غیر نبی کے حق کی طرح ہے اور یہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خاصیت ہے۔ لیکن کتاب الدعوی میں قاضی امام ابو زید کے کلام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ طئے مکان کا قائل کافر ہے۔

صاحب الفصولین فرماتے ہیں:

طئے زمان ومکان کے قائل کی تکفیر نہیں کرنی چاہیئے اور نہ اس کو جاہل اور بے علم کہنا چاہیئے کیونکہ یہ چیز اولیاء اللہ کی کرامات سے تعلق رکھتی ہے انبیائے کرام کے معجزات سے نہیں۔ اس لئے کہ معجزات میں مقابلہ اور چیلنج ضروری ہے، اور اس میں مقابلہ کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ معجزہ نہیں بلکہ کرامت ہے اور کرامت کا صدور اہل سنت وجماعت کے نزدیک جائز ہے۔

زعفرانی فرماتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ صاحب الفصولین نے طئے زمان ومکان کے قائل کی عدم تکفیر کا جو موقف اختیار کیا ہے اسکی صحت میں کسی ذی علم کو شک نہیں ہونا چاہیئے اور اس میں شک وتردد کی بات بھی کیا ہے جبکہ علامہ تفتازانی جیسے مستند اور معتمد عالم نے "عقائد نسفی" میں طئے زمان ومکان کے جائز، اور صحیح ہونے کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ قلیل مدت میں مسافت بعیدہ کا طے کرنا، ضرورت وحاجت کے وقت لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کا حاضر ہونا، پانی اور ہوا پر چلنا، جمادات اور گونگوں کا کلام کرنا وغیرہ جیسے امور اولیاء اللہ سے خرق عادت کے طور پہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ میرا ظن غالب ہے کہ طئے زمان ومکان کے قائل کو کافر کہنے والا کسی حد تک معتزلی ذہنیت کا آدمی ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی نے بھی مکتوبات کی جلد دوم کے ۵۸ ویں مکتوب میں تھوڑے وقت میں مسافت بعیدہ طئے کر لینے کو اولیاء اللہ کی کرامات میں شمار کیا ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ کہ عقل تکلیف کی شرط ہے جیسا کہ اسکی تفصیل اسی فائدہ میں گذر چکی۔ لہٰذا ایسا شخص جسکی عقل زائل ہو چکی ہے وہ مکلف نہیں ہے۔ اور ولی جب فنا فی اللہ کے مرتبہ اور مقام ولایت پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں۔

ایک حالت یہ کہ وہ کلی طور پر عقل سے عاری اور خالی ہو جاتا ہے اور ہمیشہ سکر و بے خودی کے عالم میں رہتا ہے۔ ایسے شخص کو مجذوب مطلق کہتے ہیں، اس قسم کے مجذوب لے از او قابل عفو اور منجانب اللہ مواخذہ سے بری ہیں۔ اور ان پر تکالیف شرعیہ عائد نہیں ہوتیں کیونکہ تکلیف عقل کی فرع ہے اور یہ مجذوب لوگ مجنونان حق ہیں۔ لہٰذا ان کے متعلق صحیح موقف یہی ہے کہ نہ ان کی تقلید کی جائے اور نہ ان پر ملامت کی جائے۔

مثنوی

گشتہ اند این قوم ترجمان خدا
کئے بود انکار ایشاں خود روا

رو بصدق دل بجو ز ایشاں نظر
منکر و تابع مشو لے بے خبر

اس طائفہ کو خود اللہ نے تکالیف شرعیہ سے آزاد کر دیا ہے لہٰذا کیونکر ان پر لعن و طعن اور نکیر درست ہو سکتی ہے۔ صدق دل کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضری دے اور ان کی نظر سے تلاش کر۔ لے بے خبر ان کی اتباع نہ کر اور ان پر ملامت بھی نہ کر۔

دوسری حالت یہ کہ اولیاء اللہ کو فنا کے بعد لقائے حق کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے اور ناقص اشخاص کی تکمیل کے واسطے توحید کے استغراق و سکر سے صحو بعد المحو اور بقا بعد الفناء کے ساحل پر لے آیا جاتا ہے۔ ایسے ولی کو کامل و مکمل کہتے ہیں۔

حاصل کلام ولی جب تک سکر اور استغراق کے عالم میں رہے اس کی عقل زائل رہیگی۔ اور عرفاء کا اتفاق ہے کہ ایسے عالم میں اس کے ذمہ سے احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں۔

سه شرع بہر زندگاں و اغنیا است،
شرع بر اصحاب گورستاں کجا است

اسی مقام کی مناسبت سے قدوۃ الانام سلطان العلماء عزالدین عبدالسلام کتاب "حل الرموز" میں فرماتے ہیں:

اثر میں جو مثال آئی ہوئی ہے، یا تو وہ فتحاً ہو گی یا سلطاً یعنی حالت سکر میں مجذوب جو بات کہتے ہیں وہ فتح ربانی ہو گی یا سطحی ہو گی، یعنی ظاہر شریعت کے خلاف ہو گی۔ جیسے کسی قائل کا قول انا من اھوی، من اھوی انا اللہ، ما فی جبتی الا اللہ سبحانی، ما اعظم شانی۔ یہ تمام اقوال دوئی کی نفی اور ذات وحدہ لاشریک کے اثبات کی طرف مشیر ہیں۔ ایک قوم نے مقابلہ قلب سلیم سے کر کے انہیں تسلیم کر لیا اور ان اقوال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر محمول کیا ان من العلم کھیئۃ المکنون لا یعلمہ الا اھل العلم باللہ یعنی بعض علوم کی مثال پوشیدہ خزانوں کی سی ہے، جنہیں عارف باللہ ہی جانتے ہیں، قضیب البان

سے متعلق مجھے خبر ملی ہے کہ موصل میں بڑی شان کے آدمی تھے۔ لوگوں میں مجذوب اور تارک الصلوٰۃ مشہور تھے۔ گھوروں پر نظر آتے، نجاستوں اور گندگیوں سے محفوظ نہ تھے۔ لوگ ان کے معاملہ میں حیران بھی تھے اور مختلف الرائے بھی۔ بعض انہیں زندیق کہتے تھے تو بعض صدیق۔ ایک دن شہر کے قاضی صاحب کا گذر قضیب البان پر ہوا۔ قاضی صاحب نے انہیں ایک گھورے پر دیکھا جو اپنی پنڈلیوں پر پیشاب کر لئے تھے۔ قاضی صاحب نے دل میں کہا، ہلاکی ہو اس شخص کی جس نے تمہیں صدیق بتایا ہے۔ قاضی صاحب کی یہ بات دل میں پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ قضیب البان نے کہا جناب قاضی صاحب! کیا تم نے علم الٰہی کا احاطہ کیا ہے۔ قاضی صاحب نے جواب دیا خدا کی قسم نہیں! قضیب البان موصلی نے کہا، میں اس علم کی قسم میں سے ہوں جسے تم نہیں جانتے، میرے صدیق ہونے یا زندیق ہونے سے تمہیں کیا لینا دینا ہے۔

اسی مقام و منزل کی مناسبت سے مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں فرماتے ہیں:۔

حضرت بایزید بسطامی اپنے مریدوں کے سامنے آئے اور کیف و استغراق اور مستی کے عالم میں صراحۃً کہا لا الٰہ الا انا فاعبدون۔ معبود میں ہی ہوں، لہٰذا میری عبادت کرو۔ جب یہ حالت گذر گئی تو مریدین نے عرض کیا کہ آپ نے ایسی ناروا بات کہی جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح جائز نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اچھا اب کی بار اگر میں ایسا کہوں تو تلواروں سے مجھے ختم کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ جسم سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کے بعد پھر وہ استغراق سے مست ہو گئے اور مریدین سے کہی بات دل سے نکل گئی اور ہر مرید نے تلوار سونت لی عشق نے ان پر غلبہ پالیا، تو محفل فرار ہو گئی۔

جب بادشاہ (عشق) آجائے تو بے چارہ کوتوال (عقل) کونے میں گھس گیا، عقل اللہ کا سایہ ہے اور اللہ تعالیٰ سورج ہے۔ سایہ کی سورج کے سامنے کیا مجال؟ جیسے جن کسی آدمی پر سوار ہو جائے تو اس کی صفت آدمیت گم ہو جاتی ہے، اور وہ آدمی جو کچھ کہتا ہے وہ جن کی گفتگو ہوتی ہے۔ جب ایک جن کو یہ طاقت حاصل ہے تو اس جن کا خدا خود کیسا ہوگا؟ جن سوار ہوا تو آدمی کی ماہیت چلی گئی اور ایک عربی نہیں جاننے والا بغیر الہام کے عربی بولنے والا بن گیا۔ جب ہوش میں آیا تو بالکل نہیں جانتا ہے۔ کیونکہ یہ جن کی ذات اور صفت تھی تو جن و انس کا خدا آخر وہ جن سے کب کم ہوگا —!

نیم مست شیر سے کب کوئی ڈرتا ہے؟ بھلا اندھے سے کوئی راستہ پوچھتا ہے۔ اگر وہ پرانے راز کی بات کہے تو کہے گا کہ یہ بات شراب نے کہی ہے۔ اگر شراب میں یہ –

نشر دنشور رہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے نور میں کوئی لیاقت وطاقت نہیں ؟ کہ وہ تجھے تجھ سے بالکل خالی کردے۔ اور تو مغلوب ہو جائے اور وہ بلند بات کرے۔ قرآن پیغمبر کی زبان سے ظاہر ہوا جو کہ خدا کا کہنا ہے، لیکن جو یہ کہے کہ اللہ نے نہیں کہا تو وہ کافر ہے۔

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ درخت سے انی انا ربك کی آواز آئی۔

اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "الطاف القدس" سے بھی ظاہر ہے کہ انانیت کبریٰ انسان کامل کی انانیت خاص کو اپنا عضو اور حصہ قرار دیتی ہے جیسا کہ زید کی زبان جو زید کا ایک حصہ ہے وہ انا زید (میں زید ہوں) کہتی ہے۔ حالانکہ زید کی زبان، زید نہیں ہے۔ اسی طرح انسان کامل جو حق تعالیٰ کا حصہ ہے، غلبۂ حال میں انا الحق کہتا ہے، حالانکہ انسان کامل، حق تعالیٰ نہیں ہے۔

روا باشد انا الحق از درختے
چرا نبود روا از نیک بختے

ایک درخت انا الحق کہے تو یہ روا ہے، اور ایک انسان کامل انا الحق کہے تو کیونکر روا نہیں۔

نیز جاننا چاہئے کہ کسی اہم ترین کام میں مشغول رہتے ہوئے سنن روابت وغیرہ کو چھوڑ دینا جائز ہے جیسے فرض کے وقت کو فرض کے ذریعہ پُر کر دینے میں سنت چھوڑ دیں تو جائز ہے مثلاً ایک شخص نے نماز ظہر کا پورا وقت از ابتداء تا انتہا صرف اس کی چار رکعت فرض میں گذار دیا تو نہ صرف جائز بلکہ ماجور ہوگا۔ اور اس کا اولوالعزم میں شمار ہوگا. جیسا کہ اصول کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص صرف فرائض کی ادائیگی پر اکتفا کرتے ہوئے امور جہاد اور احکام فقہ کی ترویج میں اپنے اوقات کو صرف کر رہا ہے تو اس کے لئے ترک سنت جائز ہے۔

صاحب الفتح القدیر فرماتے ہیں کہ فقہاء نے فرمایا کہ وہ عالم دین جو فتویٰ کے لئے مرجع بن گیا ہو اس کے لئے سنتوں کا ترک کرنا جائز ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ نماز فجر کی سنت ترک کرنا اس عالم کے لئے جائز نہیں جو فتویٰ میں مرجع بن گیا ہو، برخلاف دیگر سنتوں کے سنن روابت چھوڑنے کی سہولت بھی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کی دینی ضروریات میں اپنے آپ کو پوری طرح مشغول رکھتا ہے۔

مصفّا میں مرقوم ہے کہ سنن روابت کا ترک کرنا اگر سستی وکاہلی کی وجہ سے ہے تو ایک قول کے مطابق ترک کرنے والا گنہگار ہوگا اور ایک قول کے مطابق عذاب کا سزاوار ہوگا عقوبت وسزا کا

مستحق نہیں ہوگا۔ لیکن سنن روایت کی مشروعیت کا انکار کرنے سے کافر ہوجائے گا۔

بحرالرائق، تجنیس، نوازل اور محیط میں مرقوم ہے کہ کسی شخص نے نماز پنجگانہ کی سنتوں کو ترک کیا۔ اگر اس کا یہ ترک کرنا سنتوں کی مشروعیت کے انکار کی بنیاد پر ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے سنتوں کو حقیر اور ہلکا جانا۔ اور اگر وہ سنتوں کی مشروعیت کا قائل ہے تو فقہاء میں سے بعض کا قول ہے کہ وہ گناہ گار نہ ہوگا اور صحیح و درست بات یہ ہے کہ وہ گناہگار ہوگا اس لئے کہ سنتوں کے چھوڑنے پر بڑی وعیدیں آئی ہوئی ہیں۔

ملامتیہ کا ایک گروہ ہے، اکثر اسکی کوشش رسوم و عادات کی تخریب اور مخالطت کے آداب کے قیود سے آزادی میں صرف ہوتی ہیں اور ان سے طاعات و نوافل کی کثرت دیکھنے میں نہیں آتی۔ اور یہ صرف فرائض کی ادائیگی پر مواظبت کرتے ہیں۔ ان کا قلندریہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ قاشانی کی کتاب "ترجمۂ العوارف" اور علامہ جامی کی "نفحات" میں مذکور ہے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی "صراط مستقیم" میں آثار طریق ولایت کی بحث میں رقمطراز ہیں: منجملہ طریق ولایت کے آثار و علامات میں سے ایک تفرد بھی ہے۔ یعنی محبوب کے علاوہ سارے تعلقات منقطع کرلینا اور پریشان کن مشاغل کے ظہور، اور گوناگوں کثیر تعلقات سے بیزارگی ظاہر کرنا، اور امور متفرقہ مثلاً سیاست منزلی (خانگی) اور سیاست مدنی (شہری) اور امامت جماعت، اقامت عیدین و جمعہ۔ اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی اور اسی طرح کے دیگر امور کے نظم و ترتیب سے تنگدلی ظاہر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کو شادی بیاہ سے جو سارے تعلقات کی اصل ہے حد درجہ نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔

حاصل تحریر! بعض عوام قطب ربانی یوسف ہمدانی پر باجماعت نماز نہ پڑھنے اور جمعہ چھوڑنے پر جو نکتہ چینی و حرف گیری کرتے ہیں اور مقرب الہٰی قضیب البان موصلی پر ترک صلوٰۃ کا جو طعنہ دیتے ہیں اور اولیاء اللہ کی شان میں جو بے ہودہ باتیں کہتے ہیں، یہ سب بے علمی اور حد درجہ گستاخی و بے ادبی کا نتیجہ ہے۔

چوتھا فائدہ

چوتھا فائدہ حج کے احکام پر مشتمل ہے۔

حج ایک فرض عبادت ہے اور اسکی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور ہر ایسے مسلمان کی زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے جو آزاد، مکلف اور صحت مند اور صاحب بصارت ہو بشرطیکہ وہ سفر اور اثنائے سفر کے اخراجات پورے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

کہاوتیں یا ضرب الامثال مختلف تجربوں، مشاہدوں، قیاسات اور حادثات کا اثر اور نچوڑ ہوتی ہیں۔ چنانچہ بوعلی سینا کا بیان ہے کہ "ضرب الامثال٭ کی اہمیت کا اندازہ سب سے پہلے سامراجی انگریزوں کو ہوا۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا بیان ہے کہ تھامس روبک نے اردو کہاوتوں کی ایک کتاب مرتب کی تھی۔ تھامس روبک مدارس کے فورٹ سینٹ جارج کالج سے وابستہ تھے انہوں نے اپنے قیام مدارس ہی کے زمانے میں مدارس سے برٹش انڈیا مانی ٹر BRITISH INDIA (MANITOR) کی دو جلدیں شائع کی تھیں ان میں اردو کہانیاں، جملے، مکالمے اور کہاوتیں وغیرہ شامل ہیں اس کتاب کے علاوہ انہوں نے ترجمان ہندوستان Hindustani Interpretory اور لغت جہازرانی مرتب کی تھیں۔ جن میں اردو زبان کے ابتدائی مسائل اور بحریہ جہازرانی کی اصطلاحیں اور ایسے انگریزی اردو الفاظ اور جملوں کا کثیر ذخیرہ ہے جو انگریز کمان داروں کو میدانِ جنگ اور بارکس میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ بول چال میں کارآمد ہوتے ہیں۔ اہلِ یوروپ کو اردو زبان کی تحصیل میں ان کتابوں سے بہت مدد ملتی رہی۔ چنانچہ مرزا جان طپش نے اپنی مشہور مثنوی "بہار دانش" میں تھامس روبک کی تعریف عجب پُرلطف انداز میں کی ہے اور لکھا ہے ؎

٭ ابن علی سینا ... [illegible] اردو میں

کہیں کیوں نہ ہم اس کو طوطیٔ مقال
کہ ہندی زبان کا ہے صاحبِ کمال

فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کے نامور اہلِ قلم واستاد شیخ محمد مہدی واصف (المتوفی سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳) نے بھی اپنے انگریز طلباء کے لئے ہندی ضرب الامثال جمع کی تھیں۔ چنانچہ اس کا ایک مخطوط کتب خانہ ادارۂ تحقیق مخطوطات مشرقی حکومت آندھرا پردیش، عابد روڈ حیدرآباد کی تحویل میں ہے۔ اگرچہ اس مخطوط میں نہ دیباچہ ہے اور نہ مقدمہ، نہ ہی کہیں سنہ تصنیف درج ہے۔ ترقیمہ میں صرف اتنی عبارت درج ہے۔ تمت تمام شد ہندی ضرب المثل بتاریخ یازدہم جمادی الاول سنہ ۱۲۴۳ھ اس طرح اس مخطوط سے صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ سنہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ کو مکمل ہوا اس مخطوط کی پہلی فصل میں (۱۱۴۴) کہاوتیں اور دوسری فصل میں کچھ حروف تہجی کے اعتبار سے (۱۵۶۰) کہاوتیں درج کی گئی ہیں۔ اس طرح یہ جملہ ۲۷۰۴ کہاوتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں نہ کہاوتوں کی تشریح کی ہے اور نہ کوئی توضیح صرف ایک دو جگہ مشکل الفاظ کے معنی دیئے گئے یہ مخطوط انگریز طلباء کے مطالعے میں تھا

مہدی واصف کے کسی انگریز شاگرد نے ضرب الامثال کو انگریزی تشریح کے ساتھ "کتاب الامثال" کے نام سے شائع کیا تھا جب یہ کتاب سنہ ۱۸۴۳ء میں اس وقت کے دیوانِ ریاست کرناٹک مولوی عبدالوہاب مدارالامراء کی نظر سے گذری تو انہوں نے اسے پسند فرما کر اپنے عزیز شاگرد شیخ محمد مہدی واصف سے جو مدارالامراء کے بھائی قاضی بدرالدولہ کے بھی عزیز شاگرد تھے اردو ترجمہ کی فرمائش کی چنانچہ مہدی واصف لکھتے ہیں: "جب کتاب الامثال ہندی زبان میں جس کا حل معنی لسانِ فرنگی میں لکھا ہوا عارف معقول ومنقول دانائی فروع واصول حضرت مولوی عبدالوہاب صاحب دیوان سرکار فیض آثار امیرالہند والاجاہ نواب غلام محمد غوث خان بہادر مدظلہ العالی کی نظر مبارک سے گذری اسکو پسند فرما کر اس خاکسار کو جو ...... انگریزی میں کچھ ایک مہارت رکھتا تھا حکم کئے کہ اگر اس کا ترجمہ ہندی میں لکھا جاوے تو اکثر خاص وعام اس کے دیکھنے سے محظوظ ہوں"۔ [1]

یہاں اتنا اشارہ ضروری ہے کہ مہدی

اپنے وقت کے بلند پایہ ادیب شاعر اور مترجم تھے وہ نہ صرف اُردو، فارسی، عربی ترکی، فرانسیسی اور انگریزی بلکہ مرہٹی ٹامل اور سنسکرت کے بھی بڑے ماہر تھے۔ وہ متعدد کتابوں کے مرتب مصنف اور مترجم ہیں۔ انگریزی، فارسی اور سنسکرت کی لغت کی کتابوں کو بھی انہوں نے مرتب کیا تھا۔[2]

مہدی واصف نے نواب مدار الامراء کے حکم کی تعمیل میں سنہ ۱۲۵۹ھ م سنہ ۱۸۴۳ء میں "کتاب الامثال" کا ترجمہ شروع کیا اور سنہ ۱۲۶۰ھ مطابق سنہ ۱۸۴۴ء میں اسے مکمل کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

حقیر اس عالم روشن ضمیر کا حکم بجا لا کے سنہ بارا سو انسٹھ ہجری میں کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ آخر سنہ بارہ سو ساٹھ ہجری کے وسط میں یہ نسخہ عجیب جس کا نام "مجمع الامثال" رکھا گیا۔ اختتام کو پہنچا"۔[1]

"مجمع الامثال" کا واحد قلمی نسخہ جو دبیز بادامی رنگ کے دو سو چار صفحات ۲۰۴ اور ۲۳ × ۱۲ سنٹی میٹر سائز پر مشتمل ہے اس وقت کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ یہ خوش خط نسخہ مہدی واصف نے خود تیار کر واکر نواب مدار الامراء کی خدمت میں پیش کیا تھا سر ورق پر دیوانِ ریاست کرناٹک مولوی عبدالوہاب مدار الامراء بن مولوی محمد غوث شرف الملک دیوانِ ریاست کرناٹک نے اپنے ہاتھ سے حسبِ ذیل عبارت لکھی ہے :-

"ہندی ضرب المثل مسمی بہ "مجمع الامثال" تصنیف شیخ محمد مہدی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ — مالکہ عبدالوہاب بن محمد غوث عفی اللہ عنہما۔ آمین"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ "ہندی ضرب المثل" اور "مجمع الامثال" ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں اور یہ تصنیف

---

[1] دیباچہ مجمع الامثال مخطوطہ مملوکہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد

[2] مہدی واصف کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "مدارس میں اردو ادب کی نشو و نما" یا فورٹ سینٹ جارج کالج مطبوعہ سنہ ۱۹۷۹ء

ہے ترجمہ نہیں "مجمع الامثال" میں وہی کہاوتیں ہیں جو "ہندی ضرب المثل" میں موجود ہیں فرق صرف یہ ہے کہ "ہندی ضرب المثل" میں کہاوتوں کی تشریح و توضیح نہیں ہے جبکہ "مجمع الامثال" میں انکی تشریح و توضیح دی گئی ہے۔

نواب مدار الامراء کتاب کے قدیم نام "ہندی ضرب المثل" سے واقف تھے اس لئے انہوں نے "مجمع الامثال" کے سرورق پر ہندی ضرب المثل مسمی بہ مجمع الامثال لکھا وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ یہ ترجمہ نہیں مہدی واصف کی کاوش ہے چنانچہ انہوں نے سرورق پر "تصنیف شیخ محمد مہدی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" لکھا۔ اس طرح نہ صرف ہندی ضرب المثل میں مدار الامراء کی خواہش پر تشریح و توضیح کا اضافہ ہوا بلکہ واصف نے لکھا ہے:

اس "مجمع الامثال" میں اوصاف قدیم و جدید پردو جمع کر کے ذکر کیا ہوں تا خلق کو اشتباہ نہ ہو۔[1]

"مجمع الامثال" میں چھوٹے چھوٹے فقروں اور مختصر جملوں میں ضرب الامثال کی بڑی اچھی تشریح کی گئی ہے سینکڑوں ضرب الامثال حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں ان میں متعدد ضرب الامثال ایسی ہیں کہ ان کا استعمال سمجھنے کے لئے محض ان کے معنی جان لینا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے محل استعمال سے واقفیت بھی ضروری ہے بعض ایسی کہاوتیں جو اپنا مفہوم خلاف معنی دیتی ہیں اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ تشریح کے ساتھ اہل زبان جن موقعوں پر انہیں استعمال کرتے ہیں ان کی بھی وضاحت کیجائے۔ مہدی واصف نے یہ کام بڑی محنت اور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔

"مجمع الامثال" سے ان کے عہد کے لوگوں کے ذوق سلیم ان کے خیالات اور معاشرت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ یقیناً ان کا ایک یادگار کارنامہ ہے آخر میں "مجمع الامثال" کی ابتدائی چند کہاوتیں بطور نمونہ درج ہیں۔ "ہندی ضرب المثل" میں بھی ضرب الامثال کی یہی ترتیب ہے لیکن اس میں تشریح و توضیح نہیں ہے۔

---

[1] دیباچہ مجمع الامثال صفحہ ۲ مخطوطہ مملوکہ کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد

آ بلا گلے لگ جا - آ بیل مجھے مار جا

گلے لگنا، معانقہ کرنا، بیل بفتح اول جانور مشہور ہے۔ دونوں مثلیں یکساں ہیں۔ مورد ان کا وہ شخص ہے جو اپنی خوشی سے کسی بلا میں جا پڑے۔

آپ بھلا تو جگ بھلا :

یعنی جب آدمی نیک خلق اور بھلا ہو تو زمانے کے لوگ بھی اس سے بھلائی کرتے ہیں۔

آپ ڈھاپ

یہ مثل ایسی ہے جیسا فارسی میں کہتے ہیں: کار خود کن، کار بیگانہ مکن۔ بر زمین دیگراں خانہ مکن۔

آپ ڈوبتے باہمنا ججمان لے ڈوبے

ججمان بروزن درمان مرو یکہ در مال او برہمنان را حصۂ مقرر باشد کذا فی دلیل ساطع مورد اس مثل کا وہ جو اپنے ساتھ دوسرے کو بھی لے مرے۔

آپ ڈوبا تو جگ ڈوبا :

یعنی جب ایک شخص پانی میں ڈوب مرا تو اس نے سارے جہان سے ہاتھ دھویا۔ جہاں خوش است ولیکن حیات می باید نہ اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

ایڑی جھانٹ مدار کی

ایڑی یالا جھانٹ پشم تمتیح مدار نام درویش شجاع نام توانگری، اجمیر نام جائے یعنی شجاع شیخ مدار کے پاس سے اکر چلا جاوے اس کی بلا سے۔

"ہندی ضرب المثل" میں یہ کہاوت اس طرح ہے۔ ایڑی جھانٹ مدار کی شجاع چلے اجمیر

آپ کاج مہا کاج

کاج کار مہا بزرگ وعظیم یعنی آدمی کا خاص کام دوسروں کے مطالب کی بانسبت اہم ہوا کرتا ہے

اپنا پوت پرایا ڈھینگر

ڈھینگر کے معنی ناکارہ لکھا ہے یعنی ہر ایک آدمی اپنے بچے کو دوسروں کے لڑکوں سے بہتر سمجھتا ہے۔

اپنا دام کھوٹا پرکھنے ہارے کو کیا دوس

دوس یا دوم بھول گناہ وخطا۔ یہ مثل کسی کے بڑے لڑکے پر جس کے بڑا طوار سے لوگ بیزار ہوں اطلاق کرتے ہیں۔

اپنا رکھ پرایا چکھ

مورد اس مثل کا وہ شخص ہے جو اپنا سرمایہ جتن کر رکھے اور دوسروں کے مال خیانت کرے۔ غرضؔ ہندی ضرب المثل کی نظرثانی شدہ اور مکمل کتابی صورت "مجمع الامثال" ہے اور اردو میں تاحال یہی قدیم وجدید کہاوتوں کا پہلا جامع اور ضخیم مجموعہ ہے۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں دہلی کالج کے استاد مولوی سبحان بخش نے "محاورات ہند" اردو کے "نوآموزوں" اور "نو وارد صاحب لوگوں" کی خاطر مکمل کر کے شائع کی تو اس کے دیباچہ میں لکھا "محاورات کی طرف ابھی تک کسی کا خیال رجوع نہیں ہوا اور نہ آج تک کسی نے جمع کئے۔"

مولوی سبحان بخش کو اس کا علم نہ تھا کہ ان کی "محاورات ہند" کی تکمیل سے (۴۲) سال پہلے فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کے مشہور اہلِ قلم محمد مہدی واصف "مجمع الامثال" لکھ چکے تھے اور اس صنف کی اہمیت کا اندازہ بھی کر لیا تھا۔

"مجمع الامثال" کے علاوہ محاورات، ضرب الامثال کی ایک اور قدیم ترین کتاب "خزائن الامثال" ہے۔ جسے سنہ ۱۸۵۴ء میں میر شمس الدین فیضؔ نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب میں اردو شاعری میں استعمال ہونے والے محاورے اور امثال ردلیف وار جمع کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کا تاریخی نام "دستور الشعراء" ہے۔ اس کتاب کو مرتب کر کے میر شمس الدین فیض نے اسے نواب سالار جنگ مختار الملک کی خدمت میں بطورِ نذر پیش کیا تھا محاوروں کو سرخی اور ان کی توضیح کو سیاہی سے لکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے دو نسخوں کا پتہ چلا ہے ایک کتب خانہ سالار جنگ میں ہے لیکن یہ ناقص الآخر ہے اس کے علاوہ کتب خانہ و ادارہ تحقیق مخطوطات سے مشرقی حکومت آندھرا پردیش حیدر آباد میں بھی اس ایک نسخہ ہے جسے فیضؔ کے خاص شاگرد نصیر الدین نقشؔ نے لکھا ہے۔ اس کتاب کا ایک نمونہ حسبِ ذیل ہے۔

گنگا کی قسم

ایک قسم ہے ہندو کی۔ بقول رندؔ ؎

سچ بتا دیکھ کر چوہتی تجھے گنگا کی قسم

(کتاب ۱)

وصل اس بت سے مرا ہوگا برہمن کب تک

ضرب الامثال کی مندرجۂ بالا دونوں قدیم ترین کتابیں ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہیں۔

ضرب الامثال پر مطبوعہ نسخے

عربی میں "امثال العرب" اور "امثال القرآن" پر مستقل کتابیں ہیں، اسی طرح اردو میں بھی ضرب الامثال کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ غالباً پہلی کتاب مطبوعہ، دہلی کالج کے مولوی سبحان بخش کی "محاورات ہند" ہے، جو سنہ ۱۸۸۶ میں شائع ہوئی۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں لالہ سورج نرائن نے "مخازن الامثلہ" طبع کی جس میں ڈیڑھ ہزار فارسی ضرب الامثال مع اردو ترجمہ درج ہیں۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں منشی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے پنجاب سے "محبوب الامثال" موسوم بہ رسالۂ ضرب الامثال السنۃ خمسہ" شائع کی جس میں انگریزی، عربی، فارسی، اردو، اور پنجابی کے ہم معنی اور ہم مطلب ضرب المثلیں بالمقابل درج ہیں۔ ڈاکٹر فیلن کے اسسٹنٹ منشی چرنجی لال کی "ہندوستانی مخزن المحاورات" سنہ ۱۸۹۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں راجہ راجیشور راؤ اصغر نے رسالہ "گنجینۂ امثال" شائع کی۔ اس میں تقریباً ایک ہزار ایسی ضرب الامثال ہیں جو روزانہ بول چال میں استعمال ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں مرزا سلطان احمد ممبر بورڈ آف ریونیو نے بھاولپور سے "امثال" شائع کی۔ اس میں ضرب الامثال کی اہمیت اور ماہیت پر فلسفیانہ بحث ہے اور آخر میں پنجابی ضرب المثلیں مع اردو ترجمہ درج ہیں۔ مولانا اشہری نے زنانہ اردو بول چال موسوم بہ "لغات النسواں" کارخانہ پیسہ اخبار لاہور سے شائع کی۔ اس میں اردو زبان کے وہ عام محاورات پیش کئے گئے ہیں، جو عورتیں گھروں میں بولتی ہیں، ان کی تشریح بھی درج ہے۔ منشی شاد بہار کانپوری کی فرہنگ شفق سنہ ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ محاورات اردو کا ایک گنجینہ ہے۔

محمد نجم الدین مدرس اینگلو عربک سکول دہلی کی "نجم الامثال" میں چار ہزار ضرب الامثال ہیں۔ حافظ جلال الدین احمد جعفری نے اپنی کتاب "خزینۃ الامثال" میں دو ہزار تین

اردو امثال مع سنہ پیش کی ہیں۔

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی "فرہنگ امثال" بھی مشہور ہے۔ اس میں عربی اور فارسی کے ان اقوال و اشعار کو جمع کیا ہے جو اردو میں ضرب المثل بن گئے ہیں یا اکثر استعمال ہوتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں خواجہ عبد المجید دہلوی کی ضرب الامثال مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی۔ ضرب الامثال پر سب سے جامع اور تحقیقی کتاب ابھی حال ہی میں "اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو" کے نام سے ماڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف ڈاکٹر یونس اگاسکر ہیں، اس کتاب میں ضرب الامثال کے لسانی اور معاشرتی پہلوؤں پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تمل ناڈو میں علمی، ادبی اور اسلامی تہذیب کا آغاز و عروج

ڈاکٹر سید صفی اللہ
شعبۂ عربی و فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی

جنوبی ہند میں عربوں کی آمد اور اسلامی علوم و تہذیب کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے عربوں کے تجارتی روابط جنوبی ہند کے مغربی سواحل سے قائم ہو چکے تھے۔ تجارتی مال و اسباب سے لدے ہوئے ان کے جہاز ہندوستان کے مغربی ساحل کی بندرگاہوں سے ہو کر ہی دور دور کے مشرقی ممالک کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ ظہور اسلام کے بعد جنوبی ہند کے باشندوں سے عربوں کے تعلقات میں اور اضافہ ہوا۔ مقامی باشندوں کی طرف سے ان عربوں کے لئے ہر طرح سہولت مہیا تھی۔ یہاں کے حاکموں کی طرف سے بھی ان نو وارد عربوں کے لیے طرح طرح کی مراعات دی گئی تھیں۔ انہیں نہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ملی ہوئی تھی بلکہ انہیں انتہائی عزت و احترام کی نظر سے بھی دیکھا جاتا تھا — سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

نو وارد عربوں میں بہتوں نے مقامی خواتین سے شادیاں کر لیں اور یہیں بس گئے۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے جنوبی ہند کے اکثر مقامات پر عربوں کی نو آبادیاں قائم ہونے لگیں۔ دھیرے دھیرے یہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ جب ان کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو عربوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ مبادیات اسلام اور عربی زبان سے انہیں آشنا کرائیں۔ اس مقصد کے لئے مسجدیں بنیں، مدرسے قائم ہوئے۔ عربی اور علوم اسلامی کی کتابیں درآمد کی گئیں۔ اس طرح جنوبی ہند شمالی ہند کے بالمقابل مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ سے بہت پہلے عرب تہذیب اور عربی زبان سے آشنا ہو چکا تھا۔

ملک کافور نے ۱۳۱۰ء میں جب جنوب پر چڑھائی کی تو یہاں کے لوگ پھر ایک نئی قوم سے دوچار ہوئے جس کی زبان اور تہذیب دونوں عربوں

سے مختلف تھیں۔ جب تک فوج جنوب میں مقیم رہی، یہاں کے دراوڑی زبانیں بولنے والوں کے کان، جو اب تک ایک ہی غیر زبان "عربی" سے مانوس تھے۔ اب فارسی اور اس کے ساتھ ایک نئی بولی سے بھی آشنا ہونے لگے۔ یہ نئی بولی جس نے آگے چل کر اردو کا نام پایا، ملک کافور کے افواج میں رائج تھی، جو فارسی اور کھڑی بولی سے مل کر بنی تھی اور اس وقت تک ایک طرف بازار اور فوجیوں میں اپنی جگہ بنا چکی تھی تو دوسری طرف حضرت امیر خسرو جیسے شعراء کی سرپرستی بھی حاصل کر چکی تھی۔ لیکن شاہی فوج کے قیام کی مدت بہت مختصر رہی۔ یہاں کے انتظامات درست کرنے کے بعد ملک کافور واپس ہو گیا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی فوج کے کچھ لوگ تعینات کئے جانے کی بنا پر یا ذاتی طور پر یہاں رہ بھی گئے تھے یا سب کے سب ملک کافور کے ساتھ واپس ہو گئے۔ بہرحال اتنی بات تو کہی جا سکتی ہے کہ اس حملہ اور مسلم افواج کے میل جول نے مسلمانوں کی تہذیب اور علوم سے جنوب کے باشندوں کو پوری طرح واقف کرا دیا۔

۱۳۲۹ء میں محمد بن تغلق نے دیوگری کو اپنا پایہ تخت بنایا جس کی وجہ سے دہلی کی کافی آبادی اس نئے دارالخلافہ میں منتقل ہو گئی۔ دکن گویا حکومت دہلی کا باقاعدہ جزو بن گیا تھا۔ شمال سے عام لوگوں، تاجروں اور دیگر پیشہ وروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بہمنی سلطنت کے قیام (۱۳۴۷ء) تک جاری رہا۔ بہمنی سلطنت مقامی سلطنت تھی جس کا پرچم تقریباً ڈیڑھ سو سال تک لہراتا رہا۔ یہ دکن کے شمالی حصہ میں واقع تھی۔ اس کے مقابلے میں دکن کے جنوبی حصہ پر وجیا نگر حکومت تھی جہاں ہندو راج تھا۔ تمل ناڈو کا علاقہ اگرچہ وجیا نگر میں تھا لیکن پڑوسی ریاست کی تہذیب و تمدن کے اثرات کا یہاں تک پہنچنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اگر اس نے بہمنی سلطنت کے مسلم اثرات قبول نہ بھی کئے ہوں تو یہاں خود ایک اسلامی جمعیت موجود تھی جس کے دامن میں اسلامی علوم اور مسلمانوں کی زبانیں (کم از کم عربی) پل رہی تھیں۔ جب بہمنی سلطنت کا زوال ہوا اس کے بطن سے پانچ چھوٹی چھوٹی حکومتوں نے جنم لیا تو تمل ناڈو کا علاقہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عادل شاہی حکومت (۱۴۸۹ء - ۱۶۸۶ء) بیجاپور، اور قطب شاہی حکومت (۱۵۲۰ - ۱۶۸۷ء) نے گولکنڈہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ انہوں نے

مشرقی اور مغربی گھاٹ کے پورے علاقہ کو پائیں گھاٹ تک مسخر کرلیا تھا۔ چنانچہ ٹمل دیس کا پورا علاقہ، بیجاپور کرناٹک اور حیدرآبادی کرناٹک کے ناموں سے دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔

ان دونوں خاندانوں نے تقریباً دو سو سال تک حکومت کی۔ ان کی علمی و ادبی سرپرستی کی تمام مؤرخین نے تعریف کی ہے۔ علماء و شعراء دُور دُور سے آکر ان کے درباروں میں جمع ہونے لگے۔

عادل شاہی اور قطب شاہی دونوں ہی حکومتوں کی دفتری یا درباری زبان اردو تھی۔ ان کی اردو سرپرستی نے ایک مدت تک فارسی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کی رَو کو دھیما کردیا تھا لیکن جب اورنگ زیب عالمگیر نے دکن کو فتح کرکے اسے قلمروئے مغلیہ کا حصہ بنالیا تو فارسی زبان و ادب کی ترقی کو پھر نئی زندگی مل گئی۔

جنوبی ہند پر اور خاص طور سے کرناٹک (صوبۂ مدراس کا قدیم نام) پر اسلامی تہذیب اور علوم کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان میں صوفیائے کرام کا حصہ بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ نہرا اولیا ء نے ملک کافور کی فوج کشی سے بہت پہلے شہر ترچناپلی پہنچ کر سہروردیہ سلسلہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ان کے مرید شیخ بابا فخر الدین ؒ نے

اننت پور کے ایک قصبہ پنی گنڈا کو اپنا مسکن بنایا۔ شیخ محمد غوث گوالیاری ؒ کے مرید شیخ شاہ الحمید میراں عبدالقادر ؒ سولھویں صدی میں کرناٹک آئے اور ناگور کے مقام پر قیام پذیر ہوئے۔ ان صوفیاء کے ساتھ مریدوں کی ایک خاصی تعداد بھی آئی تھی۔

غرض اٹھارویں صدی کی ابتداء ہونے سے پہلے ٹمل ناڈو کے علاقہ میں نہ صرف اسلامی تہذیب وسیع پیمانے پر پھیلتی چلی گئی، بلکہ اسلامی علوم بشمول زبان و ادب، عربی فارسی و اردو ترویج و فروغ کی راہ پر کافی آگے نکل چکے تھے۔ اس علمی پس منظر میں نواب ذوالفقار خاں ناظم کرناٹک بن کر آئے، اور انہوں نے آرکاٹ کے مقام کو دارالخلافہ بناکر کرناٹک دربار کی بنیاد رکھی۔

نواب ذوالفقار خاں علم دوست آدمی تھے، ان کی علمی سرپرستی کی وجہ سے ارکاٹ بزرگانِ دین، صوفیائے کرام اور شعراء و ادباء کا مرکز بن گیا تھا۔ فارسی کے مشہور شاعر ناصر سرہندی (متوفی ۱۱۷۶ھ) انہیں کے دربار سے منسلک تھے۔ سید شاہ حمید الدین (حمید اولیاء) انہیں کے عہد میں دہلی سے کیتی پورم آئے تھے۔ ہاشمی بیجاپوری بھی عادل شاہی حکومت کی تباہی کے بعد کرناٹک آکر انہیں کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ محمد رضا قزلباش امید کا تعلق

بھی برسوں تک دربار کرناٹک سے رہا۔ لوگ نواب ذوالفقار خاں کے حضور میں صرف پانچ بیتوں کی غزلیں پیش کرکے گاؤں اور ہاتھی انعام میں لے جاتے تھے۔ ڈاکٹر افضل اقبال: مدراس میں اردو کی نشو ونما جلد اول ص۵۵ تا ص۶۲)

ہاشمی بیجاپوری کو نواب کے یہاں اتنا رسوخ حاصل تھا کہ انگریز اور دوسری یوروپی اقوام کے تاجر انہیں خوش رکھنا اپنے مفاد کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لئے انہیں تحفے تحائف دیتے رہتے تھے۔

نواب ذوالفقار خاں کے بعد نواب داؤد خاں بھی کرناٹک کے ناظم بنے لیکن ان کے عہد میں نظم ونسق کے لحاظ سے کرناٹک افراتفری کا شکار رہا۔ ان کے دہلی واپس بلالئے جانے پر کرناٹک کی نظامت انہیں کے دیوان نواب سعادت اللہ خاں کے سپرد ہوئی۔ ان کا عہد بھی علمی وادبی ترقی کے لئے بہت مشہور رہا۔ بقول ڈاکٹر افضل اقبال چونکہ آپ بیجاپور کے مردم خیز خطہ سے آئے تھے اس لئے وہاں کے علماء فضلا اور ادباء و شعراء بھی ارکاٹ کی طرف آنے لگے تھے (مدراس میں اردو ادب کی نشو ونما ص۸۵)۔

چنانچہ بیجاپور کے حضرت شیخ علی محمد حسین قادری اور حضرت میراں شاہ ولی اللہ جبلی (یا ذوالجبلین) انہیں کے عہد میں ارکاٹ تشریف لائے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں ارکاٹ میں مشائخین کی بڑی کثرت تھی۔

دہلی کے شیخ امین اور پنجاب کے جسونت رائے منشی جیسے شعراء ان کے دربار سے وابستہ تھے۔ جسونت رائے نے "سعیدنامہ" میں آپ کی علم دوستی اور ادب پروری کا حال لکھتے ہوئے دل کھول کر آپ کی تعریف کی ہے۔ نواب موصوف خود بھی شاعر تھے۔

کرناٹک کی حکومت خاندان نوائط کے بعد خاندان والاجاہی میں منتقل ہوگئی۔ اس خاندان کے بانی نواب انورالدین خاں تھے، اس لئے اس خاندان کو خاندانِ انوری بھی کہا جاتا ہے۔ نواب انورالدین خاں اور ان کے جانشین نواب محمد علی والاجاہ اور ان کے فرزند نواب عمدۃ الامراء حمتاز تک سلطنت کرناٹک پوری آن بان کے ساتھ قائم رہی۔ اس کے بعد انگریزوں کے جال میں پوری طرح جکڑ کر رہ گئی اور بعد کے سلاطین میں نواب عظیم الدولہ نواب اعظم جاہ اور نواب غوث خاں اعظم برائے نام سلاطین رہ گئے۔ ان کے دربار کی رونق انگریزوں کے مقرر کردہ وظیفوں کے

تابع ہو گئیں۔ اس کے باوجود اس خاندان نے آخر تک علمی سرپرستی اور ادب پروری کا کام کچھ اس شان سے انجام دیا کہ اس خاندان کے عہد حکومت میں جو پوری ایک صدی پر محیط ہے۔ اسلامی علوم وادب کو جو فروغ حاصل ہوا وہ تاریخ میں بے نظیر ہے۔ اردو نے تو اس عہد میں اپنی ترقی کے سارے منازل طے کر لیئے۔

والا جاہی عہد میں دینی ملی اور تہذیبی کام بھی بے شمار ہوئے مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اولیاء اللہ کے مزاروں کو گنبدوں سے مزین کیا گیا۔ مسافر خانے بنوائے گئے مسجد الحرام اور روضۂ مطہرہ میں بلوریں قندیلیں آویزاں کی گئیں۔ مکہ اور مدینہ میں حجاج کے لئے رباطیں تعمیر کی گئیں لنگر قائم ہوئے۔ مدرسے اور کتب خانے قائم ہوئے دور دور سے علماء کو دعوت دے کر بلایا گیا۔ اور ان کی آمد پر انہیں شاندار استقبال اور اعلیٰ قدر و منزلت سے نوازا گیا۔ انہیں جاگیریں عطا ہوئیں۔ ملک الشعراء میر اسمٰعیل خاں ابجدی کو "انور نامہ" لکھنے پر چاندی میں تولا گیا۔ مولانا باقر آگاہ کو ادبی خدمات کے صلہ میں زرین قلمدان عطا ہوا۔ لکھنو سے مولانا عبد العلی بحر العلوم فرنگی محل اورنگ آباد سے سید عبد القادر مہربان فخری شمالی ہند کے دوسرے شہروں سے حافظ فضل علی ممتاز، حکیم عظیم الدین خان تجمل اور مغل شہزادہ مرزا علی بخت اظفری گورگانی نے اپنے اپنے ورود مبارک سے کرناٹک کی رونق میں چار چاند لگا دئیے تھے۔

ولی ویلوری، شاہ تراب چشتی، سید ابو الحسن قربی سید محمد والہ موسوی، ابجدی، سید عبد اللطیف ذوقی باقر آگاہ، مہربان فخری، اظفری گورگانی، اور فضل علی ممتاز نے اپنے شعری ادبی ہنگاموں سے یہاں کی فضا میں ہلچل پیدا کر رکھی تھی۔ مولوی محمد غوث شرف الملک، مولوی غلام محی الدین معجز، حافظ احمد خاں اعظم الملک، مولوی عبد الوہاب شرف الدولہ، قاضی بدر الدولہ، مولوی عبد القادر ناظر جیسے علماء و اہل قلم اپنے مذہبی مناظروں، دینی خدمات اور بیش بہا تصنیفات و تالیفات سے دنیائے علم وادب کو مالا مال کر رہے تھے۔ نواب غوث خاں اعظم کے دربار کے مشاعرے ناقابل فراموش یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں شعروں پر تنقید ہوتی تھی اور شعراء کو اپنی مدافعت میں مدلل جواب دینا پڑتا تھا۔

خاندان والا جاہی کے اس تاجدار نے جو علمی و ادبی سرپرستی کی وہ تاریخ کے صفحوں پر سنہری حروف میں لکھی جائے گی۔ خود ان کی تصانیف "صبح وطن" اور "گلزار اعظم" جو شعرائے کرناٹک

کے تذکرے ہیں۔ نواب موصوف کی شعری دنیا سے بے انتہا دلچسپی کا ثبوت دیتے ہیں۔ علمی کاموں سے انہیں جس طرح کی دلچسپی تھی اس کا اندازہ ان کے مندرجۂ ذیل کاموں سے بھی لگایا جاسکتا ہے :-

مدرسۂ اعظم جو آج مدراس میں مسلمانوں کا سب سے بڑا ہائر سکنڈری اسکول ہے انہیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ ان کا شاہی کتب خانہ مختلف علوم کی عربی و فارسی کتابوں کا نایاب ذخیرہ تھا۔ ان کے عہد میں "کتب خانۂ عام مفید اہل اسلام" کے نام سے عوام کے لئے بھی ایک کتب خانہ قائم کیا گیا تھا، جس میں نواب موصوف کا چندہ سب سے زیادہ تھا۔ (مولانا محمد یوسف کوکن: عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک ص ۳۷)۔

اردو صحافت کا آغاز جنوبی ہند میں انہیں کے عہد میں ہوا۔ "جامع الاخبار" تمل ناڈو کا پہلا اردو اخبار تھا جو مدراس میں ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کے تو بیا بنگلور، حیدرآباد کے علاوہ ملک کے دوسرے شہروں میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ "اعظم الاخبار" اس عہد کا ایک دوسرا اخبار تھا جسے نواب موصوف کی خاص سرپرستی حاصل تھی۔ ان کے عہد میں مدراس سے اردو کے دس سے زیادہ اخبار جاری تھے۔ اور ان اخباروں نے دین اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمات پوری تن دہی سے انجام دیا تھا۔ ان میں سے کچھ اخباروں نے دور دور تک شہرت حاصل کی تھی۔

۱۸۵۵ء میں نواب غوث خاں اعظم کا انتقال ہوا اور اس کے ساتھ ہی کرناٹک کی نوابی حکومت ختم ہو گئی۔ تمام شاہی ملازمین جن کی مدت ملازمت بارہ سال سے کم تھی نوکری سے برطرف کردئے گئے۔ "محکمۂ عالیہ سرکار" پر مہر لگ گئی۔ کچہری منعقد احکام بند کردی گئی۔ "دفاتر دیوان خانۂ کلاں" کے سارے ریکارڈس انگریزوں کی تحویل میں چلا گئے۔ اور شاہی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نواب مرحوم کی ذاتی ملکیت اور عمارتیں یکے بعد دیگرے نیلام کی جانے لگیں۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ بھیجنے کے لئے تیار کیا ہوا سونے کا تخت اور زینہ بھی نیلام کردیا گیا۔ شاہی کتب خانہ کی نادر و نایاب کتابیں بھی نہیں چھوڑی گئیں۔

محفل علم و ادب بکھرنے لگی۔ علماء شعراء اور ادباء سرپرستی کی تلاش میں یا تلاش معاش میں دوسرے مقامات کا رخ کرنے

لگے۔ بہت سے حیدرآباد چلے گئے جن میں مولوی مہدی واصف، عبدالوہاب حسینی، مولوی حبیب اللہ ذکا، حکیم قدرت نبی، مستقیم جنگ، مولوی مفتی یوسف علی خاں، مولوی محمد حسین راقم میر مہدی ثاقب اور مولوی مفتی سعید کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ بہت سے وہیں کے ہو رہے اور کچھ واپس بھی آگئے۔

اس طرح ۱۸۵۵ء کے بعد علم و ادب کے آسمان پر تاریکی تو چھا گئی تھی لیکن جب گرد و غبار کے بادل چھٹے اور مطلع صاف ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ کرناٹک کی زمین علم و ادب کے جواہر ریزوں کے لیے اس قدر ناساز گار نہیں ہو گئی تھی جتنی کہ تبدیلئ حکومت کے موقعہ پر نظر آئی تھی۔ دراصل خود انگریزوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ عربی، فارسی اور اردو کے علماء کی خدمات حاصل کی جائیں۔ وہ ہندوستان پر حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ انہیں یہاں کے عوام کی خوشنودی حاصل رہے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ملک کے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف کوئی شک و شبہ کی گنجائش پیدا نہ ہو۔ اس لئے وہ یہاں کے علماء اور امراء کی چاپلوسی کرنے میں آگے آگے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں ان نئے ملازمین کو جو انگلستان سے مختلف عہدوں کے لئے بھرتی ہو کر آتے تھے، یہاں کی زبانوں اور یہاں کی تہذیب سے واقف کرانا بھی ضروری تھا، اس کام کے لئے انگریزوں نے "فورٹ سینٹ جارج کالج" کے نام سے ایک کالج پہلے ہی سے کھول رکھا تھا۔ اس کالج میں ایک طرف تدریسی کام انجام پا رہا تھا تو دوسری طرف متعدد عربی و فارسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کرایا جا رہا تھا۔ کالج کی طرف سے ان ترجمہ شدہ کتابوں کی اشاعت کا انتظام بھی تھا۔ اس کالج کے تدریسی کام کو جاری رکھنے کے لئے اور یا ترجمے کروانے کے لئے انگریزوں کو قابل اساتذہ اور اہل قلم حضرات کی ضرورت تھی۔ اس صورت حال نے کچھ علماء کے لئے نئی حکومت کی طرف سے سرپرستی کے راستے کھول دئے۔ پھر بھی مقامی طور پر کافی علماء دستیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں کے علماء کمپنی کی ملازمت کو اپنے لئے باعث عزت نہیں سمجھتے تھے۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء کو باہر سے بلایا جانے لگا۔ تراب علی نامی۔ سید حسین شاہ حقیقت حسن علی ماہلی وغیرہ حکومت کی دعوت پر ہی مدراس آئے تھے۔ تراب علی نامی، حسن علی ماہلی، شمس الدین احمد محمد ابراہیم بیجاپوری، قاضی ارتضی علی خاں مہدی واصف، سید حسین شاہ حقیقت، غلام حسین خاں مداون، اور سید تاج الدین جیسے اہل قلم علماء اسی کالج سے وابستہ تھے۔ اس کالج کی ادبی

خدمات اس دور کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔

یہاں ایک امر اور قابل ذکر ہے جس نے نہ صرف علم و ادب کو عام کیا بلکہ اس کی خدمات کے لئے علماء کو شاہی سرپرستی کی تلاش سے بے نیاز بنا دیا۔ انگریزوں نے جس انداز سے نوابین کرناٹک کو اپنے سیاسی جال میں پھانسا اور بالآخر انہیں تخت و تاج سے ہٹا کر سلطنت پر خود قابض ہو گئے اور اس میں جو مکر و فریب کار فرما تھا وہ رعایا سے ڈھکا چھپا نہ تھا۔ لہٰذا لازمی نتیجہ تھا کہ اس تبدیلی سے یہاں کے عوام و خواص کے اندر ایک طرح کی بے چینی اور ان کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف شک و شبہ پیدا ہو جاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے علماء نے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت، ان کی سیاسی چالوں، اور تبلیغی سرگرمیوں سے مذہب اسلام کے لئے خطرہ محسوس کیا اور دفاعی اقدام کے طور پر جا بجا عربی و دینی مدارس کی داغ بیل ڈالنی شروع کر دی۔ کچھ علماء نے اپنے گھروں کے دروازے درس و تدریس کے لئے کھول دئے تھے تو کچھ صوفیاء نے اپنے خانقاہوں کو مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔ اور دھیرے دھیرے یہ مدارس دینی و علمی خدمت انجام دینے لگے۔ یہ گویا علمی و ادبی خدمت کا ایک نیا وسیلہ نکل آیا تھا جس نے علماء کو بیرونی سرپرستی سے بے نیاز بنا کر بے لوث خدمت میں لگا دیا تھا۔ مدرسۃ العروسیہ کیلاکرائے (۱۲۶۷ھ) مدرسۂ سعیدیہ مدراس (۱۲۸۹ھ) مدرسۂ معدن العلوم وانمباڑی (۱۳۰۱ھ) مدرسۂ لطیفیہ ویلور (۱۳۰۲ھ) و مدرسۂ باقیات الصالحات ویلور وغیرہ اسی شعور کا نتیجہ ہیں۔

غرض ایک چراغ کے بجھ جانے کے بعد کئی چراغ جل اٹھے تھے۔ علوم و ادب کے فروغ کے لئے شاہی سرپرستی باقی نہ رہی تو کتنے ہی دوسرے وسائل نکل آئے تھے۔ انگریزوں کے قائم کردہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے علاوہ دینی و علمی مدارس کی بے لوث خدمات نے عوام کے اندر علوم و ادب سے والہانہ اور جذباتی لگاؤ پیدا کر دیا تھا۔ اس لگاؤ کی آگ کو بعد کے شعراء مثلاً شاکر وانمباڑی، خطیب قادر بادشاہ، گوہر، ایمان، پرتو، فہیم آمبوری وغیرہ نے اپنی شعری محفلوں اور ادبی ہنگامہ آرائیوں سے اور ہوا دی تو دوسری طرف صحافت کی گرم بازاری اپنا کام کر رہی تھی۔ فارسی اور اس کے ساتھ ساتھ اردو اخبار کافی تعداد میں مدراس سے نکلنے لگے تھے۔ دنیا کے سیاسی اتار چڑھاؤ نے لوگوں میں خبریں پڑھنے کے بڑھتے ہوئے ذوق کی خوب آبیاری کی جس کے دامن میں اردو زبان و ادب پروان چڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں بدیسی حکومت نے آخری سانس لے کر دم توڑ دیا۔ اپنی جمہوری حکومت قائم ہو گئی تو علوم و ادب کا تحفظ و فروغ ہر فرد کی ذمہ داری

حکیم مصری کی شان میں دو قصیدے ترابی* کے دیوان میں پائے جاتے ہیں۔ ایک قصیدہ دس بندوں پر مشتمل لعنوان "ترکیب بند فی مدح نواب حکمت پناہی حکیم محمد مصری" ہے اور ہر بند میں گیارہ اشعار ہیں جس کا مطلع یہ ہے ؎

درش بودم از ستمگاری گردون درفغان
نالہ می کردم از جور دور و بیداد زمان

اور دوسرا لعنوان "فی مدح نواب حکمت پناہی حکیم محمد مصری" ہے جس میں چالیس اشعار ہیں اور مطلع یہ ہے ؎

آنچہ او بدخو کند جانم قرین با آتش است
میکند بر من نکرد آتش نخبس تا آتش است

دونوں قصائد کے مطالعے سے حکیم مصری کی شخصیت کے بارے میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ بڑے پایے کے حکیم تھے اور فن حکمت میں بڑی مہارت اور دستگاہ رکھتے تھے۔ اکبری عہد کے مشہور حکماء میں حکیم علی گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم الملک، حکیم ھمام وغیرھم کے نام لیے جاتے ہیں۔ حکیم مصری کا نام بیشتر اصحاب علم کے لیے نامانوس ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ دوران مطالعہ دیوان (ترابی) حکیم مصری کے بارے میں میں نے فن تاریخ کے عالم بے مثال استاذی پروفیسر سید حسن عسکری صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور دور اکبری کے جن حکماء کے نام انہوں نے لیے وہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ لیکن حکیم کی حیثیت سے حکیم مصری کا مقام مذکورہ بالا حکماء سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے۔

---

*میر ترابی ہروی عہد اکبری کا ایک غیر معروف شاعر ہے۔ ہرات کا رہنے والا تھا۔ ہندوستان آیا۔ چودہ پندرہ سال ہندوستان میں قیام کرکے پھر واپس اپنے وطن ایران چلا گیا۔ دیوان ترابی کا واحد نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔

اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب اس نام کی تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں آئینِ اکبری کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع مجھے ملا۔

آئین اکبری میں "جدول بزرگان جاوید دولت" کی فہرست کے ذیل میں حکیم مصری کا نام "امرائے چہار صدی" میں مندرج ہے اور فیضی کے بعد جو نام نظر آتا ہے۔ وہ حکیم مصری کا ہے

"چہار صدی" ۲۵۳ شیخ فیضی پور شیخ مبارک ۲۸۴ حکیم مصری [1]

آئین اکبری میں ابوالفضل نے دانشوران عہد کی جو فہرست بعنوان "جدول دانش اندوزان جاوید دولت" قائم کی ہے اس کو چھ زمروں میں تقسیم کیا ہے تیسرے نمبر پہ دانندۂ معقول و منقول کی فہرست ہے اور پانچویں نمبر پہ "پزشکان" کی۔ دونوں فہرستوں میں حکیم مصری کا نام ہے اس فہرست کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

" دانندۂ معقول و منقول۔ میر فتح اللہ شیرازی[37]، میر مرتضیٰ[38]، مولانا سعید[39] ترکستانی، حافظ تاشکندری، مولانا شا[40] محمد[41]، مولانا علاؤالدین[42]، حکیم مصری[43] مولانا شیخ حسین[44]، مولانا میر کلاں[45]، غازی خان[46] مولانا صادق[47]، مولانا شاہ محمد[48] [2]

"پزشکان" حکیم مصری، حکیم الملک[72]، ملا میر[73]، حکیم ابوالفتح گیلانی[74]، حکیم زنبیل بیگ[75]، حکیم علی گیلانی[76]، حکیم حسن[77]، حکیم ارسطو[78] حکیم فتح اللہ[79]۔ حکیم مسیح الملک[80]، حکیم جلال الدین[81] مظفر، حکیم لطف اللہ[82]، حکیم سیف اللہ لنگ[83] حکیم ہمام[84]، حکیم عین الملک[85]، حکیم شفائی[86] حکیم نعمت اللہ[87]، حکیم دوائی[88]، حکیم طالب علی[89] حکیم عبدالرحیم[90]، حکیم روح اللہ[91]، حکیم فخرالدین[92]، حکیم اسحٰق[93]، شیخ حسن[94]، شیخ بینا[95]، مہا دیو[96] بھیم ناتھ[97]، نرائن[98]، شیوجی[99] [3]

دانندۂ معقول و منقول کے علاوہ اطباء کی فہرست میں جو کہ ۲۹ اشخاص پر مشتمل ہے ابوالفضل نے حکیم مصری کا نام سر فہرست رکھا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فن طب میں حکیم مصری وہ مقام رکھتے تھے کہ ان کا نام سر فہرست رکھا جائے

حکیم مصری صف اول کے حکیم تھے۔ ان کا وطن دکن تھا۔ ان کا نام حکیم محمد مصری عرب تھا

---

[1] آئین اکبری جلد ۱ ص ۱۶۳

[2] آئین اکبری جلد ۱ ص ۱۶۶

[3] آئین اکبری جلد ۱ ص ۱۶۷

نام اور ولدیت کے سلسلے میں تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ملتا۔ اکبرنامہ اور آئینِ اکبری میں صرف حکیم مصری کے نام سے ابو الفضل نے یاد کیا ہے۔ صاحب طبقات اکبری نے "حکیم مصری عرب" لکھا ہے۔ ترابی نے حکیم محمد مصری تحریر کیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

آنِ محمد نام کامد حکمت را عزیز
آن مسیح عصر کامد اہلِ عزت را عزیز

صاحب طبقات اکبری نے "حکیم مصری عرب" لکھا ہے مگر لفظِ عرب کی توضیح نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ نام حکیم محمد تھا۔ نسلاً عربی تھے اور وطن مصر تھا۔ ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے یا ان کے آبا و اجداد میں سے کوئی ہندوستان آیا ہوگا۔ عرب و مصر سے تلاشِ معاش میں ہندوستان آنے کا رواج اس زمانے میں عام تھا جس طرح آجکل تلاشِ معاش کے سلسلے میں عرب جانے کا رواج ہے۔ حکیم محمد مصری کے نسلاً عربی ہونے کی شہادت ترابی کے اس شعر سے فراہم ہوتی ہے:

ای تو در اصل و نسب از قوم خیر المرسلین
کاخر آمد ز انبیاء و لبود فخر اولین

یہ صرف عربی ہونے کا ثبوت نہیں، سیادت نسلی کی دلیل بھی ہے۔ دوسری جگہ ترابی کہتا ہے۔ ع

ہست چوں اصلت ز قوم سرورِ پیغمبران

حکیم مصری کو اکبر سے روشناس کرانے والا فیضی تھا۔ اس امر کا پتہ فیضی کے ایک خط سے چلتا ہے جو اس نے اکبر کو دکن سے لکھا تھا جب اکبر نے فیضی کو سفارت دکن پر بھیجا تھا۔ فیضی نے حکیم مصری کی تعریف و توصیف اور حکمت و فن کا چرچا دکن میں سنا تو اکبر کو اس کی فضیلت علمی اور حذاقت طبی سے آگاہ کیا۔ ملاحظہ ہو فیضی کے مذکورہ خط کا وہ ٹکڑا جس میں حکیم مصری کا تذکرہ اس نے کیا ہے:۔

"دریں دیار نام حکیم مصری بسیار است و کارنامہائے علاج او بے شمار الحق باین دانائی و دقیقہ رسی و ورود تشخیص و امراض و تحقیق معالجات و تصرف صریح در مزاج و حدس کامل و تامل تمامی و عقل ✲ ... است و دیانت تمام و درستی کلام و مہربانی عموم و تجربۂ بسیار و میمنت دست و بے طمعی حال و شگفتگی طبع و کشادگی پیشانی و مبارک روئے امروز طبیبی مشل او نشان نمی دہند و حکیم مشہور آفاق بودہ اند"[1]

اکبر بالطبع علم و حکمت کا قدردان اور

---

[1] بحوالہ دربار اکبری، ص۔ ۵۱۴، لاہور ۱۹۱۰ء ✲ ناقابل خواندن

جوہر شناس تھا فیضی کا عارضہ پاتے ہی غالباً اس نے حکیم مصری کو دربار میں بلالیا اور "چہار صدی" منصب سے نوازا۔ جب ہی ترکیب بند کے ایک شعر میں ترابی کہتا ہے

ساخت ممتاز از بزرگان جہاں شاہ اکبرت
آنچناں کز انبیاء مرسل احمد را خدا

محمد حسین آزاد تحریر فرماتے ہیں:

"ایک طبیب بادشاہی تھے۔ بادشاہ نے دکن سے بلا کر حکمائے پایہ تخت میں داخل کیا تھا" ۱

حکیم مصری کی حذاقت کے بارے میں بدایونی تحریر فرماتے ہیں:

"صاحب علم و عمل طبی و ماهر در دیگر علوم غریبہ مثل دعوت اسماء و علم حروف و تکسیر وقوفی دارد منبسط و خوش صحبت و مبارک قدم ہر چند در معالجہ شیخ فیضی جہد موفور بظہور آورد ہیچ فایدہ نداشت او ہم چکند کہ دریں امر مبرم و عاجز و ابکم اند اگر از دانش طب عمر افزود بالیتی کہ حکما از عالم نمی رفتند" ۲

حکیم مصری نہایت بے لوث، بے غرض اور سادہ لوح انسان تھے۔ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی اور اخلاق سے ملتے تھے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ نظر آتی تھی۔ علوم نقلی، دعوت اسماء علم حروف اور علم تکسیر وغیرہ جانتے تھے۔ لوگ انہیں مبارک قدم کہا کرتے تھے۔ فیضی کے علاج میں انہوں نے بہت کوشش کی مگر افاقہ نہ ہوا اور فیضی چل بسا۔

حکیم مصری کی حذاقت کے سلسلے میں ترابی ہٹ یار طب اللسان سے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں

آنکہ از تاکید حفظش لشکر امراض را
ہیچگہ بر کشور اعضا نمی افتد گذر
آنکہ از بیمش اجل در حفظ جان آدمی
دمبدم تیر قضا را می شود سینہ سپر
آنکہ بر رخنہ گیر ملک بدن گیرد چو خشم
قابض ارواح را بتیک بود جان در خطر
و آنکہ چون در دفع تب بندد توجہ نیست دور
گر حرارت را کند اخراج از طبع سقر

---

۱ دربار اکبری، ص۔ ۱۲۳ لاہور سنہ ۱۹۱۰ء

۲ منتخب التواریخ (مخطوطہ خدابخش لائبریری) ورق ۱۸۹ الف

و آنکہ گر معجزنما گردو خوش عیسویش
زہر را حاصل شود از حکمتش نفع شکر

ایک دوسری جگہ پھر بیان کرتا ہے ؎

از خدا خواہد کہ عیسیٰ نازل آید ز آسمان
تا کنی او را بہ ملک فضل و حکمت رہبری
بود جالینوس اگر در فن حکمت بی عدیل
در فنون علم و فضل اما تو چیزی دیگری
چون مسلم داشت ملک علم و حکمت داوری
در محاطب سازی اشیاء بحکم منعکس
زھر قاتل بہ گرفتار مرض گرد و شنا

حکیم مصری کی طبی قابلیت و صلاحیت کے سلسلے میں حکیم کوثر چاند پوری صاحب رقمطراز ہیں: "امیر فتح اللہ شیرازی ۹۹۷ھ میں کشمیر جاتے ہوئے بیمار ہو گئے اس لئے ان کو راستے میں چھوڑ دیا گیا۔ حکیم علی معالج تھے مگر بادشاہ کو ان کی رائے میں غلطی محسوس ہوئی اس لئے حکیم حسن کو بھی فتح اللہ کے پاس چھوڑ دیا گیا۔ اثناء راہ سے حکیم مصری کو بھیج دیا کہ فتح اللہ کا علاج میں اپنا مشورہ بھی شریک کریں۔ مگر ان کے پہنچنے قبل فتح اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حکیم مصری کی طبی قابلیت کا بادشاہ کے نزدیک کیا مرتبہ تھا جس علاج میں حکیم علی پر بھروسہ نہ ہوا اور پھر حکیم حسن پر بھی اطمینان نہ ہوا اس کو حکیم مصری کے سپرد کیا گیا۔"[۱]

حکیم کوثر چاندپوری صاحب نے اس واقعہ کا ماخذ نہیں تحریر فرمایا۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ فتح اللہ شیرازی کا انتقال کا سال ۹۹۷ھ ہے تاریخ بدایونی سے واضح ہے کہ شاہ فتح اللہ شیرازی ۹۹۷ھ میں بیمار ہوئے اور اسی سال انتقال فرما گئے۔ کشمیر کے ایک شہر سے متصل بڑا پہاڑ ہے تخت سلیمان وہاں چوگان بیگ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے۔ اکبر بھی ۹۹۷ھ میں کشمیر کی سیاحت کے لئے گیا تھا۔ مگر ان تفصیلات کی جو کوثر چاندپوری صاحب نے تحریر فرمائی توثیق کسی اور ذریعے سے نہیں ہوتی۔ مثلاً حکیم علی کے علاج میں شاہ اکبر کو نقص دکھائی دینا پھر حکیم حسن کو بھی وہیں چھوڑ دینا اور اثنائے راہ سے حکیم مصری کو روانہ کرنا وغیرہ کے لئے کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ منتخب التواریخ میں اتنا ہے کہ شاہ فتح اللہ تپ محرقہ میں مبتلا ہوئے اور از خود ہریسہ کھانا شروع کیا حکیم علی نے بہت منع روکا۔ نہ مانے اور آخر کار انتقال کر گئے۔ حکیم [illegible]

[۱] اطبائے عہد مغلیہ۔ ص ۔ ۱۷۹

مصری کی حذاقت طبّی ثابت کرنے کے لئے یہ واقعہ لکھا ہے۔ جو تاریخ کی ان کتابوں میں تو نہیں ملا جن میں حکیم مصری کا تذکرہ پایا جاتا ہے اور زمانی اعتبار سے بھی یہ واقعہ مشکوک ہے کیونکہ یہ واضح ہے کہ حکیم مصری کو اکبر سے متعارف کرانے والا شخص فیضی تھا اور اس نے حکیم مصری کے سلسلے میں اکبر کو دکن سے خط لکھا تھا جب فیضی دکن کی سفارت پر گیا تھا اور دکن کی سفارت پر فیضی سنہ ۹۹۹ھ میں گیا تھا۔ حکیم مصری سے اکبر جب بھی آگاہ ہوا ہوگا اور اسے اپنے پاس بلا کر طبیب شاہی کے عہدے پر سرفراز کیا ہوگا تو سنہ ۹۹۹ھ میں یا اس کے بعد حکیم مصری کے عہد اکبری کے اول درجہ کے طبیب ہونے کا ثبوت اتنا کافی ہے کہ فیضی نے اپنے خط میں اس کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے۔

حکیم مصری کی حذاقت اور طب میں ان کا درجہ صرف اسی بات سے متعین ہوجاتا ہے کہ آئین اکبری میں ابوالفضل نے حکیموں کی فہرست میں جو سب سے پہلا نام درج کیا ہے وہ حکیم مصری کا ہے۔ دوسرے ان کی موت کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بارے میں جو رائے اس نے دی ہے وہی بمنزلہ سند ہے کہ اکبری دربار کے وہ سب سے بڑے حکیم تھے ابوالفضل کی تحریر ملاحظہ ہو:۔

"و طبابت را بدان پایۂ میدانست کہ اگر پزشکی ناہیا بہرافت دی از یاد بہر نوشتی" (۱)

الغرض یہ کہ حکیم مصری شاعر بھی تھے اور (ے) کبھی کبھی مزاحیہ اشعار بھی کہتے تھے۔ خواجہ شمس الدین دیوان خوافی کے متعلق انہوں نے یہ شعر کہا تھا:

خواجہ شمس الدین چہ ظلمی می کند
در طبابت باش دخلی می کند

ان کی شاعری کے سلسلے میں منتخب التواریخ کے مصنف کا بیان پیش خدمت ہے:

"گاہ گاہ شعر فارسی مضحک میگوید، این از آنجملہ است کہ برائے خواجہ شمس الدین دیوان خوافی گفتہ است ؎

خواجہ شمس الدین چہ ظلمی می کند
در طبابت باشش دخلی می کند

روزی گل درخت کنیزکہ او را در عربی دفلی گویند دید و گفتہ (۲)

چو آتش جست کاکل از سر دفلی

چون بادشاہ در ضمن خانۂ لاہور یک صفہ بنا نمودہ

(ے) [حاشیے میں:] صرف علمی و عملی طور پر [illegible] حاذق و دور رس اور ماہر تھے اور

---

(۱) اکبرنامہ — جلد ۳ — ص — ۸۴۳
(۲) منتخب التواریخ، مخطوطہ خدابخش لائبریری ورق ۱۸۹ ب۔

حکم فرمودہ کہ ہر کہ خواہد در آنجا بحضور پا نماز میگذاردہ باشد حکیم مصری شعری گفت کہ قطعہ

شاہ ما کرد مسجدی بنیاد
ایہا المومنین مبارکباد
اندرین نیز مصلحت دارد
تا نمازان گذار بشما رد ۱۰۰۲

دیوان ترابی کے مطالعے سے حکیم مصری کے دو بیٹوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو مرزا احسن علی حکیم جن کی مدح میں ترابی کے قصیدے ہیں دوسرے مرزا ناصر جن کا قطعہ تاریخ وفات ہے۔ قطعہ کے ایک مصرعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کم سنی میں دار لبقا کو کوچ کر گئے تھے مصرع ہے

ع بود رچہ در حسن شریف کم عمر مانند ہلال

مرزا ناصر کی تاریخ وفات درج ذیل مصرع سے نکلتی ہے جو کہ سنہ ۱۰۰۳ھ میں ہوئی تھی۔

آں یوسف مصری بشہ پنہاں ز دیدہ آہ آہ

۱۰۰۳

دیوان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حاجی غیاث نے پرگنہ جوراسی میں ایک باغ حکیم مصری کے نام سے سنہ ۱۰۰۱ھ میں بنایا تھا۔ جوراسی سہارنپور کے ۳۶ محالوں میں سے ایک ہے۔ اکبر کے زمانے میں ضلع سہارنپور چار دستوں اور ۳۶ محالوں پر منقسم تھا۔ اس کا پتہ آئینِ اکبری سے چلتا ہے۔

اس قطعہ کے درج ذیل مصرع سے باغ بنام حکیم مصری کی تاریخ نکلتی ہے ع

زلطف ہوا گلشن جنتی

۱۰۰۱

سنہ ۱۰۰۳ھ میں حکیم مصری نے غالباً آگرہ میں اپنے مکان کی بنیاد ڈالی جس کا قطعہ تاریخ ترابی کے دیوان میں پایا جاتا ہے۔ شعر درج ذیل ہے

تا بتاریخ بنایش عقدہ بکشاید ز دل
عقل گفتش رجنت آباد مقام دلکشا

۱۰۰۳

حکیم محمد مصری کی وفات سنہ ۱۰۰۸ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ وفات کے سلسلے میں ترابی بالکل خاموش ہے۔ اکبر نامہ میں سنہ ۱۰۰۸ھ کے واقعات میں ایک واقعہ حکیم مصری کی وفات سے متعلق بھی درج ہے حکیم مصری کو قبض کی شکایت ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ شدید بخار بھی آ گیا تھا۔ اس بیماری میں آدھی رات کو ہوش و حواس منتشر ہونا شروع ہوئے۔ کچھ ہوش و حواس درست ہوئے تو ابوالفضل کو بلا بھیجا۔ ابوالفضل عیادت کو گئے اور حکیم مصری کی حالت کو دیکھ کر صدمے سے دوچار ہوئے۔ حکیم مصری کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے ابوالفضل نے جو تحریر کیا ہے وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ابوالفضل کا اشہب قلم

حکیم مصری کی تعریف میں کس طرح رطب اللسان تھا ملاحظہ فرمائیں۔

"از سوانح فراموش نمودن حکیم مصری بعلوی عالم در صوری دانش و معنوی شناسائی طراز یکتائی داشت طبابت زایدان پایہ بید انست کہ اگر پیوستگی نامہا یہ اقتادی از یاد بہ نوشتی دل آویز گفتار صوفی نیک اندوختہ بود شگفتگی و فرخندگی جبین از بہرگزاردی و از مہربانی او خویش و بیگانہ نشاط اندوختی از ہر گونہ تیمار او درکشید و کشادہ پیشانی چارہ برساختی ؎

ہمچو او ئی سنرد معرف او
ازین زمان درجہان چو اوئی کو
اگرچہ بہشتاد رسیدہ بود دگرہی برائی
جوش برزدی یکباری ہوا زدگی شد و مزاج

او راقبض برآشفت و تب شورش افزود شانزدہم نیم شبان زمان ہوش رفتن گرفت چون محنتی بخود آمد راقم شگرف نما را از حال آگہی فرستاد ببالین او رشد و از دیدن آن از خویش رفت یا گہی یاد کرد الہی ازین آشوب گاہ چشم پوشید و فرد بزرگ بد از غم افتاد ؎

نعیز تا از گر پہ بہر گریم
خویشتن بگریم و موبہ در گریم
نوحہ ہای جگر خراش کشم
چون بپایان رسد ز سر گریم

شہر یار پایہ شناس آن از دل از جا شد و آمرزش را طالبگار آمد" ؎[1]

[1] اکبرنامہ - جلد - ۱۴۱ص ص ۸۴۴ - ۸۴۳

از
مولانا حکیم
سید افسر پاشا صاحب
افسر
شفا ڈسپنسری گڑیاتم

حمد و ستائش اس پاک پروردگار پالن ہار کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا۔ اور لا محدود درود و سلام اس کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو انبیاء و مرسلین کے بھی سرتاج و سردار ہیں۔ اور آپ کے اصحاب رضؓ واہل بیت رضؓ پر جو پوری دنیا کے حق میں چاند اور تاروں کے مانند ہادی اور رہبر کی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر ان حضرات بزرگان عالی مقام پر بھی جو نسلاً بعد نسل سلسلہ بہ سلسلہ بیعت رضوان کی اس رسّی یا کڑی کو مضبوط تھامے ہوئے

آیت: ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ ") بیشک یہ صحابہ رضؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کئے ہیں یہ درحقیقت آپ سے نہیں بلکہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں) کا عملی ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ اور حکم خداوندی کونوا مع الصّٰدقین (سچوں کے طریقے پر رہو) کو اپناتے ہوئے اس طرح " والحقنی بالصّٰلحین " (اے اللہ مجھے نیک لوگوں میں شامل کر لیجئے) کی ہر وقت تمنا بھی کرتے رہتے ہیں۔

صادقین سے محبت اور اُن کی صحبت

یہ حقیقت ہے کہ قرآنی آیات میں جہاں انبیاء صلحاء اور اولیاء کی معیت اور ان کے ساتھ رہنے اور محبت کرنے کا حکم ملتا ہے وہیں ان کا نام لینے اور اس کا تذکرہ کرنے کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً واذکر فی الکتٰب ابراھیم واذکر فی الکتٰب موسےٰ (اور قرآن میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجئے۔ اور قرآن میں موسیٰؑ کو یاد کیجئے) وغیرہ وغیرہ۔

ان نصوص سے یہ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام سے اور ان کے متبعین دپیروکار سے محبت والست رکھنا نہ صرف رحمت اور باعث اجر وثواب ہے بلکہ ہم اس پر مامور بھی ہیں۔ اسی لئے ان آیات کے اندر صاف الفاظ میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ ہم ان کی معیت وصحبت اختیار کریں۔ یا پھر ان کی معیت وصحبت میسر نہ ہونے کی صورت میں اسکی جستجو تمنا اور دعا تو کیا کریں کہ یہی دراصل جملہ مقدمہ دین اسلام کی گویا میسل کہئے یا اصل اور بنیادی پتھر ہے۔ جس طرح جسم انسان کے اندر ریڑھ کی ہڈی کا درجہ اور مقام ہے اور اس کے بغیر ایک زندہ اور صحیح و تندرست انسان کا تصور محال ہے، اسی طرح یا اس سے بڑھ کر دین اسلام کے اندر بفحوائے آیتہ "والحقنی بالصالحین" صالحین وصادقین کی صحبت کا مقام ہے۔ اس کے بغیر اس کا تزکیہ اور تصفیہ مشکل ہے۔ اسی لئے مولانا روم رح نے فرمایا ؎

چند ساعت صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

اس شعور ایمانی اور ذوق بیداری کیلیے یہ ضروری ہے کہ اہل ذوق واہل دل کی صحبت اختیار کریں۔ جن میں پہلے سے یہ ذوق وشعور موجود ہو اور جن کی صورت اور سیرت "اذا رُؤوا ذُکر اللہ (جب انہیں دیکھو تو اللہ یاد آجائے) کی یاد تازہ کرتی ہو۔ اور جن کی صحبت دین کی روح وذوق اور توجہ الی اللہ پیدا کرنے کیلئے بہت ہی مفید ومؤثر ثابت ہو اور جہاں اس کی تعلیم وتربیت اور باقاعدہ تحریک بھی ہوتی ہے۔

بزرگوں کا بولنا اللہ کا بولنا ہے

صالحین کا کہا گویا اللہ کا کہا ہے، ان سے محبت اللہ سے محبت ان سے ارادت، اللہ سے ارادت؛ ان سے عداوت اللہ سے عداوت ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

بات ایک ہے، فرق تھوڑا ہے۔ اللہ کا اور عبداللہ کا یعنے جو بات کہ عبداللہ کے حلق سے نکل رہی ہے یہ درحقیقت اللہ کی کہی ہوی ہے۔

یہ سچ ہے کہ مقبولین بارگاہِ خداوندی سے محبت کرنا گویا خدا سے محبت کرنے کی مترادف ہے اور ان سے بغض وعناد رکھنا گویا خدا سے دشمنی مول لینے کے برابر ہے۔ اور یہ وعدۂ خداوندی ہے کہ المرءُ مَعَ مَن اَحَبَّ (انسان جس کے ساتھ محبت کریگا اس کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا) اگر دنیا اور دنیا دار کیساتھ محبت ہے تو انجام کار بھی

ایسا ہی ہوگا۔ اور اگر اہل اللہ اور اولیاء ئے صالحین اور علمائے کاملین سے محبت وعقیدت ہے تو اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ ان ہی کے ساتھ ہوگا۔

صحبت کیمیا اثر

یہ حقیقت ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سراپا شعلہ طور ہوتی ہے جس سے ماسوا کے تعلقات کافور اور ہبائے منثور بنجاتے ہیں جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے، خربوزے سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، اسی طرح ان کی یہ صحبت کیمیا اثر بھی ہے اہل محبت سے محبت پیدا ہونا ایک لازمی اور لابدی نتیجہ ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے دل اللہ کے نور سے روشن اور منور ہیں۔ اس لئے ان کے پاس بیٹھنے سے نور آتا ہے۔ اور جب نور آتا ہے تو ظلمت دور ہوتی ہے

توسل

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ پر احادیث دال وشاہد ہیں اور ان کے فضائل سے احادیث اس قدر بھری ہوئی ہیں کہ ان کا شمار وحصار اس مختصر سے بیان میں مشکل ہے۔

انبیاء کا صلحاء واولیاء کا اعمال صالحہ کا واسطہ دینا، وسیلہ بنانا یا حوالہ دے کر دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے اس کے لئے ذیل کی چند احادیث بطور تمثیل ونظیر کافی ہیں

(۱) مشکوٰۃ شریف باب البر والصلہ ص۴۲۰ پر ایک طویل حدیث موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

تین آدمی کسی ضرورت کے تحت ایک غار کے اندر گئے تھے کہ ان پر ایک بڑی چٹان لڑھک آئی اور غار کا دہانہ بند کردی۔ نکلنے کی صورت بظاہر نظر نہیں آرہی تھی۔ آخر انہیں ایک تجویز سوجھی تینوں نے باری باری اس طرح دعا مانگی۔ پہلے نے اپنے ایک نیک عمل کو یاد کیا پھر اس کے وسیلے سے دعا مانگی اسی پر غار سے تہائی چٹان غار کے منہ سے ہٹادی پھر دوسرے نے اپنے نیک عمل کا ذکر کیا اور اس کے واسطے دعا کی تہائی چٹان اور ہٹی مگر اب بھی وہاں سے نکلنے کے قابل نہیں ہے۔ اب تیسرے نے اپنی نیکی کا سہارا لیا اور اس کے ذریعے سے دعا مانگی تو چٹان وہاں سے پوری طرح ہٹ گئی

اور یہ لوگ وہاں سے نکل گئے اور انہیں اپنے اپنے نیک عمل کا وسیلے اس طرح نجات حاصل ہوئی۔

(۲) عمل کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حدیث قولی، دوسری حدیث فعلی۔ محدثین کے ہاں حدیث قولی کو حدیث فعلی پر ترجیح دیجاتی ہے۔ گویا حدیث قولی، حدیث فعلی سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ و قابل حجت و دلیل ہے۔

ذیل میں حدیث قولی میں سے دو حدیثیں درج کیجاتی ہیں۔: جمع الفوائد جلد اول صفہ ۱۱۵ میں موجود ہے کہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو آدابِ دعاء کی ان الفاظ میں تعلیم دی ہے:۔

اللھم انی اتوسل الیک نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اے اللہ میں وسیلہ مانگتا ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا

(۳) اور ایک جگہ یوں تعلیم فرمائی ہے

بجاہ وبجعل الکریم ربجو محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیک آمین (صدقہ اپنی ذات پاک کا اور بطفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تجھ پر ہے آمین) "حصن حصین"۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ بنا کر دعا مانگنا نہ صرف جائز بلکہ آداب دعا میں سے ایک اہم ترین قرینہ اور سب سے بڑا قرینہ ہے۔

(۴) "جمع الفوائد" (جلد دوم صفہ ۲۶۳ پر حدیث فعلی میں سے ایک ایسی حدیث نقل کیجاتی ہے جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین کو واسطہ بنا کر دعا فرمائی ہے اور وہ دعا یہ ہے:۔

اللھم انی اسئلک بمحمد نبیک وابراھیم خلیلک وموسیٰ نجیک وعیسیٰ روحک وکلمتک وبکلام موسیٰ وانجیل عیسیٰ وزبور داؤد وفرقان محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبکل وحی اوحیتہ (یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے بطفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو تیرے نبی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو تیرے خلیل ہیں اور حضرت موسیٰ کے جو تیرے کلیم ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور بطفیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کے اور عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کے۔ اور بطفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کے اور بطفیل ہر اس وحی کے جس کو تو نے بھیجا ہو اور ہر اس حکم کے جسے تو نے جاری کیا ہو۔)

(۵) خلافتِ فاروقی میں خلیفۃ المسلمین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بارش کے نہ ہونے سے جب قحط سالی آگئی تھی تو حضرت فاروق اعظمؓ نے یوں دعا فرمائی تھی کہ: — اے اللہ پہلے ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیا کرتے تھے" آج تیرے نبیؐ کے چچا عباس کا واسطہ دے کر تجھ سے ہم بارش مانگتے ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف" باب الاستسقاء صد ۱۳۲)

ان مذکور بالا احادیث سے یہ چند امور مستفاد ہوتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے دعا کرنا (۲) اور دعا میں انبیاء اور صلحاء کا نام لینا اور وسیلہ بنانا (۳) دعا میں اپنے کسی نیک عمل کا واسطہ دینا (۴) دعا میں کسی مردِ صالح (نیک بندے) کو واسطہ بنانا (۵) زندوں کو بھی دعا میں وسیلہ بنانا (۶) گذرے ہوئے بندوں کا بھی دعا میں واسطہ دینا

شجرے کی غرض و حقیقت

غرض اس وسیلہ اور واسطہ کے لئے اوپر بیان کی ہوئی صورتوں کی جہاں اجازت ملتی ہے، وہیں اس کی خاص صورت "شجرہ" کی شکل میں بھی موجود ہے، اور وہ ایک مضبوط و مستحکم صورت میں "بیعت" کے ذریعہ چلتی ہے

چنانچہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم ظاہر دوسرا علم باطن۔ علم ظاہر میں جس طرح قرآن و حدیث کی تعلیم کے لئے روایت کی ضرورت اور اہمیت ہوتی ہے۔ اور اس کو اصول روایت کے تحت باقاعدہ جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ راویوں میں ثقہ اور غیر ثقہ کی خوب تحقیق و توثیق اور تدقیق و تدلیل ہوتی ہے اور جب وہ درجہ صحت کو پہنچ جائے اور اس پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہو جائے تب کہیں جا کر اس کی روایت قبول و منظور ہوتی ہے۔ اور ایک محدث اپنی احادیث کے استناد کے اظہار کے لئے شیوخ رواۃ سے اسناد کرتا ہے اور عنعنہ کیساتھ سند کا اتصال فخر کائنات سید الکونین شہنشاہ ثقلین تاجدار مدینہ سید الموجود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے، ٹھیک اسی طرح علم باطن کی بھی صوفیہؒ کے پاس ایک مضبوط و مربوط اور مستحکم سند موجود ہے۔ جسے باطنی اور روحانی حدیث سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور جس کی سند بھی عنعنہ کیساتھ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک والاصفات کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اور اس قدر جڑی ہوئی ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہؓ نے ان سے حضرات تابعین اور ان کے بعد صلحاء

واولیاء اولین وآخرین نے اس باطنی فیض کو
منتقل کیا۔ اس طرح یہ سلسلہ بہ سلسلہ ایک مضبوط
کڑی ہے جو موتیوں کی طرح ایک ہی دھاگے میں
جڑی ہوئی ہے۔

اور حدیث باطنی کی روایت جس میں
فیضِ روحانی اور نورِ یزدانی باقاعدہ مسلسل سرکار
دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے لیکر پڑھنے والے تک
سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ اس لئے
بھی اہم ہے کہ سند کی چاشنی کے ساتھ ہم اپنی اس
روحانی دولت کے ذکر کا مزہ لیتے ہوئے جہاں
اپنے ان تمام محبوب و برگزیدہ محسنوں کی یاد تازہ
کر لیتے ہیں۔ وہیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی اور
ان اہلِ حق کی جناب میں بھی شکر و امتنان ادا
کرتے ہیں اور خود اپنے حق میں بھی اور ان محسن بزرگان
ذیشان کے حق میں بھی دعا کرنے کے یہ ایک بہترین
وعظیم ذریعہ اور عمدہ طریقہ ہے جو ہر طرح سے وسیع
و وسیط ہے۔

طریق کی اس سند میں جہاں انقطاع
واقع ہوگا اور درمیان میں دو ایک شیوخ روایت
واجازت سے رہ جائیں گے تو اس کا یہ مطلب
ہوگا کہ سلسلہ کے فیوض و برکات اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ باطن کے حصول میں یہ
بڑی حد تک محروم ہے اور اس کا وہی درجہ ہوگا
جو صحیح حدیث کے مقابل میں حدیث مرسل یا
حدیث موقوف کا ہے۔ پھر اس طرح کے سلاسل
میں حدود شرعیہ سے ہٹ کر یا تو افراط سے کام
لیا جاتا ہے یا تفریط سے۔

شجرہ کا فائدہ

(۱) روزانہ اس کے پڑھنے سے ایک طرح
کی دلجمعی اور سکون خاطر پیدا ہوتا ہے اور اس
سلسلے کے تمام بزرگوں کا ہر وقت استحضار
رہتا ہے۔ جس سے تفویض و تسلیم اور مکمل تقلید
کا جہاں داعیہ پیدا ہوتا ہے، وہیں سلسلے کے
شیوخ کا کامل انقیاد اور سنت کی اتباع میں
غلو پسندی سے احتراز کا جذبہ بھی دامن گیر ہوتا ہے

(۲) طریق کے اس شجرہ مسلسلہ کو عنعنہ
کے ساتھ پڑھتے وقت مرید کے دل میں یہ بات
آتی ہے اور وہ تصور کرتا ہے کہ سرکار دو عالم
صلے اللہ علیہ وسلم سے لیکر پڑھنے والے تک
جملہ اکابر طریق ایک ہی دائرہ میں محیط ہیں اور
ایک جگہ موجود ہیں اور ایک دوسرے کا ہاتھ
پکڑے ہوئے بجلی کی لہر یا برقی تار کی طرح آپس
میں مضبوط و مربوط ملے جڑے ہوئے ہیں۔
اس طرح یہ نفعِ باطنی، فیضِ نورانی اور مدد
روحانی، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر

پڑھنے والے تک منتقل ہوتی چلی آتی اور سلسلہ کی برکتیں اسکو ملتی رہتی ہیں۔

(۳) روزینہ سلسلہ کے اکابر کو یاد کرنے اور ان کو واسطہ دے کر خدا سے دعا مانگنے میں سلسلہ کے تمام مشائخین عظامؒ سے محبت بڑھتی ہے اور اس کا ہمیں کونوا مع الصّٰدقین اور والحقنی بالصّٰلحین، کے ذریعہ حکم بھی دیا گیا ہے۔ اور گویا شجرہ پڑھنے والا بارگاہ ایزدی میں اس طرح ملتجی ہے کہ یا اللہ العالمین یہ جملہ مشائخینؒ آپ کے ہاں مقبول ہیں مجھے ان سے محبت ہے اور مقبولین سے محبت کرنے کا آپ نے بھی حکم دیا ہے۔ اور ان سے محبت پر ثواب کا وعدہ بھی فرمایا ہے اس لئے میں اپنی اس محبت کو ان سے ثابت اور ملحق کرنے کے لئے ان کا حوالہ دے کر آپ سے آپ کی رحمت کا طالب و مدد خواہ ہوں۔

(۴) شجرہ پڑھنے والا اگرچہ نیک صالح نہیں بدعمل سہی اور اگرچہ دلجمعی کے ساتھ نہیں بلکہ بے دلی کے ساتھ شجرہ پڑھے تب بھی بقول ئے

ے مستی کے لئے بوئے مئے تند ہے کافی
میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

وہ اس کے ثواب و برکات اور بالجملہ ثمرات سے محروم نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایسوں کے لئے خود رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان کے ذریعہ وعدۂ خداوندی سنئے؛

ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم (اس جماعت کے ساتھ بیٹھنے والا بھی محروم نہ کیا جائیگا) بخاری شریف باب فضل الذکر۔)

اس کی مثال ایسی ہے کہ کہیں ذکر واذکار یا وعظ و نصیحت کی مجلس ہو اور ایسی مجلس میں اللہ کی رحمت بھی نازل ہوتی ہے۔ ایک شخص راستہ سے گذرتے ہوئے مجلس کو دیکھ کر محض تماشائی کی خاطر مجلس کے کنارے آکر بیٹھ جائے تو اسے بھی اس کے ثواب و برکات کا کسی قدر حصہ نصیب ہوگا اور وہ اس مجلس کی برکتوں اور سعادتوں سے محروم نہ ہوگا۔

یا یوں سمجھئے کہ اپنے کسی امیر کبیر یا مخدوم اور ولی کو پنکھا جھیلا جائے اور اس کے آس پاس دور و نزدیک اور قرب وجوار میں دوسرے احباب بھی بیٹھے ہوئے ہوں یا رہیں۔

یا پھر یوں سمجھئے کہ ایک اندھیرا مقام تھا یہاں کسی نے خاص اپنے لئے روشنی کا انتظام کیا اور بلب لگوایا روشنی ہوئی اس سے وہ خود بھی نفع اٹھا رہا ہے اور ان کو بھی نفع پہنچا رہا ہے جو اس کے آس پاس اور قرب جوار میں رہتے ہیں

اس روشنی سے دوسرے لوگ محروم نہیں ہیں۔ وہ خود بھی ضمناً روشنی کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے روشنی کیلئے کوئی کوشش نہیں کی۔ یہاں بے ارادے اور بغیر کوشش کے بھی جس طرح انہیں فائدہ پہنچ گیا، ٹھیک اسی طرح سے بزرگان مشائخ سلسلہ کے نام کا تذکرہ اور ان کی مجالس میں اس نوعیت کی حاضری بھی

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيسُهُمْ

والی حدیث کے تحت فیوض و برکات میں حصہ وافر عطا کر رہی ہے۔

(۵) روزینہ کے اس وظیفہ اور شجرۂ سلسلہ کے پڑھنے سے اس کے دل میں یہ خیال بھی ضرور پیدا ہوگا کہ مشائخین سلسلہ کا نام جب ہم زندہ رکھتے ہیں اور بطورِ وظیفہ پڑھتے ہیں تو آخر ایک نہ ایک دن ان کے نام کے ساتھ ان کے کام کو اور ان کے اصلاحی اور اخلاقی مشن کو بھی زندہ کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا اور تقلید کرنا چاہئے۔

چنانچہ اس قسم کا خیال پیدا ہو جانے کے بعد اللہ رب العزت کا فضل و رحمت سے کیا بعید ہے کہ اس کے دل میں بھی ایک "دردِ نایافت" کی تڑپ اور لگن پیدا ہو اور "دولت بیدار" کے لئے یہ خود بھی بےچین و بیقرار ہو۔

حکیم سید افسر پاشاہ عفی عنہٗ
اشفاڈسپنسری گرہیام

ذیل کا یہ مضمون حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری علیہ الرحمہ، سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی نوکِ قلم سے نکلا تھا جو پچیس سال پہلے کے اللطیف ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ یہ دُرِ نایاب قارئین کرام کی نذر ہے۔

الحمدللہ تمام حمد و ثنا اس خدائے قدوس کے لئے ہے جس نے آدمؑ و حواؑ کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرما دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تمام نعمتیں اسی کی عطا کردہ ہیں، اسی کی قدرت کے کرشمے بعید و بے انتہا ہیں، جس کی احاطہ سے انسانی عقل قاصر ہے، چند واقعات و نصائح صالحین و مقبولین بارگاہِ الٰہی کے استفادۂ ناظرین اللطیف کی غرض سے پیش ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ میرے خلیل ابراھیم سے مل کر آؤ۔ تعمیل حکم کی خاطر حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور فوراً بعد واپس ہوکر عرض کیا، یارب العزۃ یہ تو بہت مال و دولت رکھتے ہیں، پھر یہ تیرے دوست کیسے ہوئے، حکم ہوا کہ جاؤ، پھر تم ان سے مل کر آؤ۔ جبرئیل علیہ السلام پھر آتے ہیں اور ابراھیم خلیل سے ایک سائل کی طرح سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ایک اونٹ دیجئے۔ ابراھیم خلیل، اللہ کا نام سن کر پھر دوبارہ اس نام کو سننے کی خواہش کرتے ہیں، تو جبرئیل علیہ السلام نے وہی سوال کیا کہ اللہ کے واسطے ایک اونٹ دیجئے۔ اس نام کی لذت میں سرشار ہوکر پھر دوبارہ کہنے کی درخواست کی تو پھر جبرئیل علیہ السلام نے وہی سوال دہرایا۔ آپ اس لذت بھرے نام کو سن کر تڑپ اٹھتے ہیں اور اپنے تمام اونٹوں کو اس پاک نام کے عوض پیش کر دیتے ہیں۔

جب جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم میرے دوست ابراھیم سے ملے؟ تو جواب میں انہوں نے پورا حال سنایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہر چیز پر قادر ہوں اور میں بہتر جانتا ہوں۔

سرکار غوث پاک اپنی تصنیف لطیف "غنیۃ الطالبین" میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں پوشیدہ رکھا ہے، اپنے برگزیدہ بندوں کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ شب قدر کو ماہ رمضان میں پوشیدہ رکھا ہے۔ طاعت و عبادت بزرگان پر اپنی رضا مندی کو پوشیدہ رکھا ہے۔ گناہوں پر اپنے غضب و غصہ کو پوشیدہ رکھا ہے اور وسطی نماز کو اور نمازوں میں پوشیدہ رکھا ہے۔

ناظرینِ اللطیف کے مزید معلومات و دلچسپی کے لئے ایک فیصلۂ خداوندی جس کے بارے میں قرآن خود ناطق ہے پیش کیا جاتا ہے۔

ایک روز خلیفہ ہارون رشید اپنی بیوی زبیدہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ اسی اثنائے بحث و تکرار میں زبیدہ کی زبان سے نکل گیا کہ اے دوزخی! اس جملہ کو سنتے ہی ہارون رشید نے کہا "اگر میں دوزخی ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ خلیفہ نے فوراً اپنی بیوی سے پردہ کیا اور علماء کو جمع کر کے اس بارے میں ان کا متفقہ فیصلہ و فتویٰ طلب کیا۔ تمام علماء بہت ہی غور و خوض کے بعد کچھ فیصلہ سنانے سے قاصر ہے اور یہ کہا کہ اللہ ہی کو علم ہے۔ ایک نوجوان عالم ان ہی میں سے اٹھے اور کہا کہ اس معاملہ کا حل میں کرتا ہوں۔ پورے دربار کی نظریں اس نوجوان پر لگی رہیں۔ خلیفۂ وقت نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ نوجوان عالم نے کہا کہ آپ کو میری ضرورت ہے یا مجھ کو آپ کی ضرورت ہے؟ ہارون رشید نے کہا مجھ کو آپ کی ضرورت ہے۔

یہ سن کر اس نے کہا آپ تخت سے نیچے اتر کر آئیے کیونکہ علماء کا رتبہ بلند تر ہے۔ خلیفہ تخت سے نیچے اتر آیا اور آپ تخت پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ نوجوان عالم حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی تھی۔ تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی آپ نے خلیفہ سے سوال کیا کہ کبھی تم گناہ سے باوجود قدرت رکھنے کے خدا کے خوف سے اس کے کرنے سے باز رہے ہو؟ ہارون رشید نے کہا کہ ہاں! خدا کی قسم میں باوجود قدرت رکھنے کے خدا کے خوف کے سبب اس کے کرنے سے باز رہا۔ یہ سن کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں اور وہ فیصلہ جو فیصلۂ خداوندی ہے سناتا ہوں، کہ خلیفہ اہل بہشت سے ہے اور اس دلیل میں قرآنی آیت پیش فرماتے ہیں:

واما من خاف مقام ربہ و نہی

النفس عن الهوی فان الجنة ھی الماوی
یعنی جس شخص نے گناہ کا فیصلہ کیا اور پھر خدا کے خوف سے اس سے باز رہا، پس تحقیق کہ بہشت اس کی جائے ہے۔

سب علماء اس فیصلہ پر انگشت بدندان رہے (النزار الاذکیا،) اللہ کے محبوب بندے کے قلوب کتنے یقین محکم ہوتے ہیں اور ان کو اپنے رب پر کتنا کامل بھروسہ ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے کہ سرکار غوث پاک حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز اپنی خانقاہ تشریف فرما تھے۔ اسوقت بہت سے لوگ آپ کی مجلس میں شریک تھے کسی نے آکر کہا کہ یا حضرت آپ کا جہاز جو مال سے لدا ہوا آرہا تھا سمندر میں غرق ہو گیا۔ آپ نے اپنے چہرہ مبارک کو دل کی طرف جھکایا اور پھر اوپر اٹھا کر کہا کہ الحمد للہ۔

تھوڑی دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ کسی اور شخص نے آکر کہا کہ یا حضرت! آپ کا جہاز سمندر پر سے سلامتی سے آرہا ہے۔ اس خبر کو سن کر آپ نے اپنے سر مبارک کو پھر دل کی طرف جھکایا اور اٹھا کر کہا کہ الحمد للہ! ارباب مجلس نے دریافت کیا کہ یا حضرت! دو مرتبہ الحمد للہ کہنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے دل کو

ان دونوں حالتوں میں اللہ کی طرف مطمئن پایا۔ جہاز کے غرق ہونے سے نقصانات کی کیفیت سے دل پر رنج و ملال کا کوئی اثر نہ پایا، دل کو پرسکون اور نہ ہی جہاز کا بہ حفاظت تمام آنے کی خوشخبری سے اپنے دل پر خوشی کے کوئی آثار پایا، اپنے دل کو پرسکون و مطمئن پانے کی وجہ سے اللہ کا شکر بجا لایا۔

ایک مومن کے اخلاق کیا ہونے چاہئے اور ان کے کردار کیسے بلند ہوں، اس کا اندازہ حضرت سرور کونین حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زرین ارشادات سے ملاحظہ فرمائیے: کہ ایک روز آپ نے اپنے صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے معاذ! یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ قرآن کریم کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھنا۔ سلام کی کثرت رکھنا، سچ بولنا، وعدہ وفا کرنا اور کبھی امانت میں خیانت نہ کرنا۔ اے معاذ رضی اللہ عنہ تم کو ان باتوں کی ممانعت کرتا ہوں، کسی دانشمند کو کبھی گالی نہ دینا امام عادل کی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ ملک میں کبھی فساد نہ پھیلانا۔ جو گناہ مخفی ہو اسکی توبہ کرنا اور جو گناہ علانیہ سرزد ہو جائے اسکی توبہ علانیہ کرنا۔ اور یاد رکھو کہ بندگان خدا میں ایسا ہی ادب ہوا کرتا ہے اور میں خدا کے بندوں کو مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی طرف بلاتا ہوں۔ یا خدا! ناظرین اللطیف و دیگر مسلمانوں کو ان مکارم اور محاسن آداب کی جو آنحضرت کے ارشادات گرامی ہیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

کائناتِ ارضی میں ایک ایسی سرزمین ہے جسے لوگ آج سے نہیں بلکہ عرصۂ دراز سے واقفیت رکھتے ہیں اس سرزمین کا نام ہے عرب اس مقدس سرزمین کی گود میں بہت ساری نشانیاں موجود ہیں۔

اس پاک سرزمین پر ایک ایسا دور بھی آیا تھا کہ تاریکیاں ہی تاریکیاں نظر آرہی تھیں جہالت و ظلمت اپنے قدم جما چکی تھی لڑکیاں زندہ درگور ہو رہی تھیں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انسانیت ندامت کی چادر اوڑھ کر سفر باندھ چکی تھی۔

اس حالت خیز ماحول میں کوہِ صفا کی بلندی سے ایک ایسی صدا بلند ہوئی جو حقانیت و صداقت سے لبریز تھی نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم جس سے صحراءِ عرب کانپ اٹھے لوگوں کے دل دہل گئے مولانا حالی مرحوم نے سچ کہا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی سرزمین جس نے ساری ہلادی

کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن ہوگئے اور کچھ لوگ اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت پیش کئے۔ دشمنوں نے آپ کو بہت ایذائیں اور تکلیفیں پہنچائیں آپ ہی کی سرزمین آپ کے لئے تنگ کر دی گئی۔ دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے بن گئے اور ایک مقام جسے دار الندوہ کہتے ہیں اس کے اندر آپ کے خلاف مختلف قسم کی تجاویز پیش کرنے لگے اس تجویز میں ایک حیرت ناک تجویز یہ تھی۔

غیض و غضب کے شعلے بھڑکاتے ہوئے ابوجہل کہتا ہے کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے قبیلے

کے ایک ایک آدمی کو اکھٹا کروا ور محمدؐ عربی کا خاتمہ ہی کردو

ابوجہل ابھی اپنے دوستوں سے محوِ گفتگو ہی تھا کہ دارالندوہ کے دروازے پر ایک شخص مسکراتا ہوا کھڑا نظر آیا ابوجہل کی نگاہ اس مسکرانے والے شیطان پر پڑی اس کا تیور بدل گیا۔ غصّے کی حالت میں اس سے پوچھتا ہے کہ اے کمبخت نالائق یہ بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ یہ محفل فرحت ومسّرت کے لئے نہیں ہے بلکہ محمدؐ بن عبداللہ کو قتل کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔

یہ بڑا شیطان ابوجہل کی غضبناک کیفیت کو دیکھتے ہی اپنی خباہت کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

من شیخم از ملک نجدمی آئم
و دریں مشہورہ باشما شریکم

میں شیخ نجدی ہوں ملک نجد سے آیا ہوں اور اس مشورۂ قتل میں تمہارے ساتھ شریک ہوں۔

رات کی تاریکی اپنے شباب پر ہے دشمنانِ رسولؐ حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کرچکے ہیں عتبہ کا بھائی شیبہ کہہ رہا تھا کہ جیسا ہی محمد بن عبداللہ گھر سے باہر نکلیں گے میں داہنے پہلو پر وار کرونگا

عتبہ کا بیٹا ربیعہ کہہ رہا تھا کہ جیسے ہی محمدؐ باھر نکلیں گے ایک ہی وار میں ان کا کام کردونگا۔ ابوجہل کی تعلیم تھی کہ بیک وقت سب حملہ کریں تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ کس کا حملہ فیصلہ کن ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ناپاک سازشں کی اطلاع ہوجاتی ہے۔ پھر بھی آپ پریشان حال نظر نہیں آرہے ہیں بلکہ پوری ہمّت اور صبرو استقامت کے ساتھ وحی الٰہی کے منتظر ہیں کہ بلبل سدرہ حضرت جبرئیل امین خداوندِ قدوس کا پیغام لے کر آپہنچ جاتے ہیں۔

اے رسولؐ آپ راتوں رات مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں آپ بہت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ تیاریاں شروع کردیتے ہیں۔

علی مرتضٰی کرم اللہ وجہٗ کو اپنے بستر ناز پر چھوڑ کر باہر نکل پڑتے ہیں۔ وطنِ عزیز کو خیر باد کہتے وقت وطن کے اس فرزندِ جلیل نے اپنے وطن کو بہت پیار سے دیکھا اشک بھری نگاہوں سے دیکھ دیکھ کر قدم آگے بڑھاتے ہیں اور پلٹ پلٹ کر حسرت بھری نگاہوں سے اپنے شہر مالوف کی در و دیوار کو دیکھتے ہوئے

ان سے اِرشاد فرماتے ہیں ۔

اے وطن عزیز تو کس قدر پیارا
اور پاکیزہ ہے اگر تیرے باشندے مجھے
نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر ہرگز
نہیں جاتا ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کا یہ اظہارِ محبت اس امر کا بین ثبوت
ہے کہ وطن کی محبت ایمان سے تعلق رکھنے
والی شئے ہے ۔ حب الوطن من الایمان

صدیق اکبر پیغمبر اسلام صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں کبھی آپ عالمِ بیقراری میں
رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے اور
پیچھے ہو جاتے ہیں اور کبھی رسول پاک سے
دائیں اور بائیں ہو جاتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے صدیق اکبر
اس سے پہلے جب تم میرے ہمراہ سفر کرتے
تھے تو ایسی بیقراری نظر نہیں آتی تھی
آج تمہارے چلنے کا انداز ہی بدل گیا ہے اے
صدیق ! ایسی بیقراری کیوں ہے ؟ صدیق
اکبر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اس سے پہلے جب میں آپ کے ساتھ سفر
کرتا تھا تو اس وقت دشمنوں کا خوف و
خطرہ نہیں رہتا تھا لیکن آج جاسوسی کی
خاطر اور خوف و خطر کی وجہ سے پیچھے
اور تحفظ کی خاطر دائیں سے بائیں اور بائیں
سے دائیں ہو جاتا ہوں ۔ مبادا ! دشمن کا تیر
کہیں آپ تک آنے نہ پائے

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

صدیق اکبر کی اس بے قراری پر سرورِ
کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ
لا باس علیک یا ابا بکر اللہ معنا ۔ اے
ابوبکرؓ مت گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے ۔
اس تسکین پر صدیق اکبر کے دھڑکنوں میں
سکون پیدا ہو گیا ۔ پروردگار عالم نے اِرشاد فرمایا
کہ اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا
تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ
ترجمہ : جب وہ دونوں تھے غار میں جب
وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا ۔۔
بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اُتاری
اپنی طرف سے اس پر تسکین ۔

ہجرت سے پہلے کا زمانہ بڑی بے سروسامانی
کا زمانہ تھا اس زمانے میں بھی جَو کی روٹی پر
قناعت کرنے والوں لذر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے دِل سے وطن کی محبت نہ نکلی جس
کے لئے پروردگار عالم نے وطن کی واپسی کا وعدہ
فرمایا ان الذی فرض علیک القرآن

لرادک الی معاد بیشک وہ ذات جس نے آپ کے اوپر قرآن نازل کیا یقیناً وہ ذات آپ کو آپ کے وطن پاک مکہ کی طرف لوٹانے والی ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے جب مقام جحفہ پر پہنچے تو مدینہ طیبہ کے راستے کی مشہور منزل رابغ ہے۔ اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر آپکی نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا اسی وقت جبرئیل امین یہ آیت کریمہ لیکر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے اور بالاخر آپ کو مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائیگا جو فتح مکہ کی بشارت تھی اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)

یہ واپسی کا وعدہ دل بیقرار کے لئے پیام قرار نہیں تو پھر اور کیا تھا وطن سے آیا ہوا مسافر وطن کی یاد کو تازہ کر دیتا ہے اس کی توثیق مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو رہی ہے

حضرت اصیل غفاری مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آکر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دریافت فرماتی ہیں کہ اصیل! مکہ کس حال میں چھوڑا حضرت اصیل نے کہا کہ میں نے مکہ کو اس حال میں چھوڑا کہ اس کے پھل اور پھول تازہ ہیں اس کی چٹانیں روشن ہیں اس کی لمبی لمبی شاخیں ڈلیے ہی لہلہا رہی ہیں۔

حضرت اصیل کے اس جواب پر وطن کی یاد تازہ ہو رہی تھی سینہ رسالت جو شوق مکہ سے معمور تھا آپ بے اختیار ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اصیل دع تقر لے اصیل دلوں کو ملنے دو۔ اصیل وطن کی یاد بس اتنی کافی ہے۔ غم نہ کرو بے کسی کے عالم میں گھر سے نکلے تھے گھر سے بے گھر اور در سے بے در ہوئے تھے اللہ تعالیٰ طاقتور بنا کر داخل فرمائیگا۔

حضرت بلال حبشی جن کو گرم گرم ریت

میں لٹا کر سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا تھا گھسیٹ گھسیٹ کر مارا جاتا تھا پھر بھی وطن کی محبت دل سے نہیں نکلی اور وہ وطن کی محبت اور یاد میں کہہ رہے تھے۔

الالیت شعری ھل ابیتن لیلۃ بواد حولی اذخر وجلیل۔

کاش میں جان سکتا کہ کیا میسر کوئی رات اس وادی میں بھی گذرے گی جہاں تیرے اردگرد اذخر وجلیل ہوں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وطنِ عزیز کی محبت کے جذبہ کو بہت محبوب رکھا اور اس جذبہ سے خود سرشار رہے اور صحابہ کرام بھی اس جذبہ سے سرشار رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

لا حب الوطن لخرب بلاد السو

اگر وطن عزیز کی محبت لوگوں کے دلوں میں نہ ہوتی تو البتہ خراب شہر ویران ہو جاتے

لیکن کبھی اس جذبہ کو معقول حدوں سے آگے بڑھنے نہ دیا۔ کیونکہ وطن کی محبت کا جذبہ جب معقول حدوں سے بڑھ جاتا ہے تو مستقل فتنہ بن جاتا ہے اور آدمی اس جذبہ سے اندھا ہو کر انصاف اور انسانیت کو پامال کر دیتا ہے لیکن حضور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت اور حق و انصاف کو ہمیشہ آگے رکھا کبھی بھی وطن عزیز کی قربان گاہ پر بھینٹ نہیں چڑھایا۔

مکہ فتح ہو چکا ہے شہر میں مجاھدین داخل ہو رہے ہیں آج وہ وعدہ کہ الذی فرض علیک القران لراد ک الی معاد

بلاشبہ وہ ذات جس نے قرآن پاک کے احکام کو آپ پر نازل کیا ہے وہی ذات یقیناً آپ کو آپ کے وطن مکہ کیطرف واپس لوٹانے والی ہے۔ اب وہ وعدہ الٰہی پورا ہو رہا ہے۔

آج اشرار مکہ خوف کے مارے کانپ رہے ہیں جان بچانے کے لئے کہیں جائے پناہ نہیں۔ ان کا دل لرز رہا ہے۔ بہت اذیتیں پہنچائی تھیں اب ان کی اذیت کا دن قریب آ گیا ہے۔ حالانکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قدم رکھتے ہی ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اس کے لئے امن ہے جو دروازہ بند کر لے اس کے لئے بھی امن ہے جو ہتھیار ڈال دے اس کے لئے بھی امن ہے جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے بھی امن ہے اس امن و امان کے

باوجود بھی کفار مکہ پریشان حال تھے کہ پتہ نہیں سابقہ شرارتوں کے بنا پر ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا

مکہ کے لوگ فوج در فوج مسلمان ہو رہے تھے اور آپ بیعت فرما رہے تھے عبداللہ بن سرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھاگا ہوا تھا اور وہ اس کی سفارش کر رہے ہیں عبداللہ بن سرح کو لوگ لائے اور وہ اسلام سے مشرف ہوئے صفوان بن امیہ کو ایک جماعت کی سفارش سے مہلت دیدی گئی بعد میں عکرمہ بھی مسلمان ہوئے

آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا فرمایا اور خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور خانۂ کعبہ کے دروازے کو کھولنے کا حکم دیا اور اپنے ہی دست حق پرست سے کعبہ کو پکڑا اور فرمایا کہ شکر اس خدائے پاک کا جس نے اپنے بندے کو یہ نصرت عطا فرمایا اور اپنا وعدہ الذی فرض علیك الخ یقیناً وہ ذات آپ کو آپ کے وطن پاک کی طرف لوٹانے والی ہے۔ پورا ہو رہا ہے۔

اس کے بعد مکہ کے لوگوں کی طرف رُخ کر کے ارشاد فرمایا لوگو کیا کہتے ہو اور اپنے بارے میں کیا سوچتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں۔

سہیل بن عمرو کھڑا ہوا اور بھرائی آواز میں کہا کہ اے کائنات کے رسول آپ سردار ہیں اور قریشی سردار کے بیٹے ہیں اپنے شہر میں واپس آئے ہیں۔ اور اپنے قوم پر فتح پائے ہیں بوڑھوں کی عزت اور جوانوں کی لاج رکھی ہے عورتوں اور بچوں پر کرم فرمایا ہے

اسوقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرائی ہوئی آواز میں ارشاد فرمایا کہ میں تم سے وہی کہونگا اور وہی کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم لغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین

آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں اللہ تم لوگوں معاف کرنیوالا ہے۔

اذھبو فانتم الطلقاء

جاؤ تم سب آزاد ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی کا نعرہ لگایا اور عظمتِ اسلام کا سکہ لوگوں کے دِلوں میں بِٹھا دیا۔ ذات پات، اور تعصّب پرستی کی بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ کر اخوت و مساوات کا پرچم مکہ کی دھرتی پر لہرایا۔

وما علینا الا البلاغ المبین
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمّد
وآلہ وصحبہ اجمعین

بسمہ تعالیٰ

الاللطیف ۱۳۰۹ھ

حسب روایت امسال بھی "خوارق حیدریہ" سے سترھواں اور اٹھارواں خارقہ مفہوم خیز ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جس میں حضرت سیدنا میراں شاہ حیدر ولی اللہ نبیرۂ قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دلبند حضرت سیدنا شاہ کریم اللہ [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] اپنے مریدوں پر [illegible] خود اپنے چہرۂ انور کی جلوہ نمائی کا تذکرہ اور ایک عظیم اژدہے کو مار کر بھگانے کا واقعہ مذکور ہے۔

(از ادارہ)

خارقۂ ہفدہم روزے یکے از رفیقان آں سرور در مجلس عالی چنیں تقریر فرمود کہ غالباً از جانوران موذی و مہیب - چنانچہ از دام و دد و سباع و ہوام دہشت و ہیبت بر ایشاں غالب است - اگرچہ انسان در شجاعت کوہے باشد با وقار و شیرے باشد در کارزار ہر گاہ کہ از آں موذی نشانے در نظرش آید و یا و از نامش نشود بے اختیار بہ تقاضائے باطن خواہد رمید و از جائے خود خواہیم جنبید بلکہ از حضور او فرار اختیار خواہیم کرد - چوں آنحضرت ایں حرف شگرف استماع فرمود تبسم نمودہ خاموش ماند - چوں بریں روزے چند

سترھواں خارقہ ایک روز آں سرور کے ساتھیوں میں سے آپ کی پر وقار مجلس میں اس طرح تقریر کی کہ انسان کے اوپر موذی اور خوفناک جانوروں درندوں اور کیڑوں سانپ وغیرہ کی ہیبت و وحشت غالب ہی ہے اگرچہ کہ انسان شجاعت و بہادری میں پہاڑ کے مانند ہے اور عظمت و وقار اور میدان جنگ میں شیر کی طرح ہے اور جہاں کہیں اس کی نظروں میں موذی جانور کی نشانی آجائے اور کبھی اس کا نام بھی نہ سنا ہو بے اختیار ذہنی حیثیت سے اور جسمانی طور پہ بھی فرار اختیار کرے گا۔ اور اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا بلکہ اس کے سامنے سے

بگذشت، اتفاقاً روزے ہموں
شخص کہ ایں تقریر پیش آنسرور بیاں
کردہ بود مجد و ساعی شد پس آنحضرت
را طلب نمود پس آنسرورہم دعوت او
را قبول فرمودہ برآں وادی تشریف
بردند۔ قضارا با رفیقاں و معتقداں
خویش مجلسے کردہ از ہر درے در گفتگو
مشغول بود کہ یکا یک از بالائے حصار
کہ متصل باغست اژدہائے عظیم و مارے
مہیب سہیم کہ از دیدنش چشم ہوش خیرہ و چشمہ
عقل تیرہ شدے در نظر شاہ افتاد کہ فرود
می آید، بمجرد نظر آں حضرت بکسے کہ آں مقولہ
معلوم بیاں کردہ بود، اشارہ کرد کہ اے
فلاں چشم باز کن و ببیں کہ بالائے دیوار چیست
ناگاہ آں شخص و ہمہ رفیقاں کہ آں بلا معائنہ
نمودند، ہمہ از جائے خود برجستند و متفرق گشتند

دور بھاگ جائے گا۔ جب آنحضرت نے یہ
عجیب بات سنی تو مسکراتے ہوئے خاموش
بیٹھ گئے۔ چند ہی دن گذرے تھے اتفاق
سے ایک دن وہی شخص جسنے مذکورہ بات
کہی تھی بڑی عیدہ جہد اور حد درجہ اصرار
کے ساتھ آنحضرت کو مدعو کیا۔ آپ نے بھی
اسکی دعوت کو قبول فرمالیا۔ اور اس وادی
میں تشریف لے گئے۔ اپنے دوستوں اور
معتقدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مختلف موضوعات
پر گفتگو فرما رہے تھے، اچانک قریبی باغ
کی قریبی دیوار کے اوپر ایک بہت ہی بڑا خطرناک
اژدہا جس کے دیکھنے ہی سے آنکھیں خیرہ اور
عقل و حواس معطل ہو جائیں شاہ کی نگاہوں میں
پڑا جو اتر کر نیچے آرہا تھا۔ آنحضرت نے جس نے
مذکورہ بات کہی تھی اسکی جانب دیکھ کر اشارہ
فرمایا اور فرمایا کہ اے فلاں دیکھ کہ دیوار کے
اوپر کیا ہے؟ فوراً وہ شخص اور تمام ساتھیاں
اس بلا کی طرف دیکھتے ہیں اور تمام اس جگہ سے
منتشر ہو جاتے ہیں۔

جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ بلا ان
کی جانب متوجہ ہے تو شاہ کو تنہا چھوڑ کر
سب کے سب بھاگ گئے، لیکن آنحضرت اپنی

وچوں دیدند کہ آں بلا بسوئے خود متوجہ است شاہ را تنہا گذاشتہ جملہ بگریختند فاما آنحضرت از قاعدۂ خود بہیچ تجاوز نفرمود از ہیئت آں مار ہیبت ہیچ گونہ تغیرے در رویش پدید نیامد۔ اتفاقاً آں افعی بیجان بجال نزدیک شاہ رسیدہ وجود خود بجنبانیدہ سر بالا کردہ موی بر استائیدہ دندان کشاں بر آنحضرت حملہ کرد۔ شنیدہ شد کہ آنحضرت قلیون در دست گرفتہ تمباکو میکشیدند۔ آنگاہ از دستِ چپ پنجۂ محکم گرفتہ بر سر زانو آمدہ طپانچہ از دستِ راست چناں بر سرش زدہ اند کہ سرش با خاک یکساں شد بر زمین طپیدن گرفت از قوتے کہ می داشت باز از زمین برخواستہ براں حضرت از غصہ بدوید بہمول نوع

نشست پر قائم رہے اور سانپ کو دیکھنے سے آپ کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر اور تبدل رونما نہیں ہوا۔ اور وہ عظیم اژدھا شاہ کے نزدیک پہنچا۔

اور اپنے جسم کو ہلاتے ہوئے سر کو اوپر اٹھائے ہوئے دُم پر کھڑا ہو گیا۔

اور دانت نکالتے ہوئے آنحضرت پر حملہ کیا۔

سنا گیا ہے کہ اس وقت آنحضرت ہاتھ میں حقہ لئے ہوئے تمباکو نوشی میں مصروف تھے۔

اسی وقت حقہ کو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور زانو پر کھڑے ہو کر سیدھے ہاتھ سے اس کے سر پر طمانچہ مارا تو سر زمین پر چپک گیا اور تڑپنے لگا

پھر غصہ کے عالم میں اپنی طاقت سے زمین پر کھڑا ہوا اور آنحضرت کی جانب دوڑا پھر آپ نے اسی طرح ایک طمانچہ سر پہ دیا

طپانچہ سخت برسر خود کہ چشمہاش درمغاک چشمخانہ فرورفت ہمچناں تا چند کرت۔

شنیدہ شد کہ از طپانچہ بسیار رویش سرخ شدہ بود، آخر تاب نیاوردہ خود را در آب انداخت۔

تو اس کی آنکھیں حلقۂ چشم میں دب گئیں۔ اسی طرح آپ نے کئی ایک طمانچے مارے۔

سنا گیا ہے کہ زیادہ طمانچے کھانے کی وجہ سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ آخر تاب نہ لا کر خود کو پانی میں گرا دیا۔

خارقہ ہژدہم از معتقدان آں سرور شخصے بود شائستہ و دانا ولی اسم بامسمیٰ از بسیار روز خدمت آنسرور کردے بامید آنکہ در سلک طالبان و مستفیدان آنحضرت جمع شدہ بہرہ از گنج خانہ کنت کنزاً مخفیاً حاصل کند برامید ایں مدتے بسیار بقدر وسع و طاقت خویش در ادائے خدمت و تقدیم و اطاعت آنسرور نہادن و تکامل

اٹھارواں خارقہ۔ آں سرور کے معتقدوں میں ولی نامی ایک شخص بڑا ہی مہذب اور صاحب فہم تھا جو آنحضرت کے طالبین اور مستفیضین کے حلقہ میں شامل رہ کر کنت کنزاً مخفیاً کے راز کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔

اس غرض وغایت کی تکمیل کے لئے وہ بہت ہی انہماک کے ساتھ ذرا برابر سستی کئے بغیر آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ خوش بختی کہئے کہ اسکی سربلندی اور سرفرازی کا وقت

روا نداشتے۔ ناگاہ از قضائے
ربانی ہنگام سربلندی وقت سرفرازی
رسید۔ در مجلسے از مجلسہائے خود او
را خوانده چنیں فرمود کہ اے فلاں از
مدتے در صحبت ما بودی، خدمتہائے
مقبولانہ بہ تقدیم رسانیدی و داعیہ
تمام من اولہ الی آخرہ اندازی
کہ در سلک طالبان و خادمان جمع
شدہ پارۂ از معرفت حق حاصل
وقت کند، اکنوں بیشتر بیا و چشم باز
کن و در ما بہ بیں چیزے کہ تو طالب او
ہستی ذات ما را شامل است یا نئے
چوں طالب معلوم بمجرد امر لبسوی آں
حضرت نیز تیز نگاہ کردن گرفت، بمجرد
نگاہ بے خود و بیہوش بر زمیں افتاد
چنانچہ از خود ہیچ اثرے نماندہ بود۔ بعد
ازاں آنسرور برپا خاستہ نزد یک قالب

پہنچا اور آنحضرت نے اس کو اپنی ایک مجلس
میں بلا کر فرمایا کہ اے فلاں تم ایک زمانے
سے ہماری خدمت میں رہے اور تم نے بڑی اچھی
خدمت کی اور ہمارے خادموں کے ساتھ رہ
کر تم نے شروع سے آخر تک ہماری تمام
خواہشات کو پوری کیا تاکہ معرفت حق کا کچھ
حصہ حاصل کریں۔ اب وہ وقت آگیا ہے قریب
آجاؤ اور آنکھیں کھولو اور ہماری جانب
دیکھو، جس چیز کی تمہیں خواہش ہے وہ ہماری
ذات میں شامل ہے یا نہیں؟ آپ کے حکم پر
طالب مذکور آپ کی جانب تیز نگاہ سے دیکھنے
لگا۔ صرف ایک ہی نظر میں بے خود و بے
ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور ذرا برابر
ہوش نہیں رہا۔

اسکے بعد آپ سرور کھڑے ہوئے
اور اس کے بے جان جسم پر اپنی انگشت
مبارک سے حرکت دیا اور کہا کہ اے فلاں

بے جان آمدہ بانگشت مبارک طعنہ در
پہلوی او زد کہ اے فلاں برخیز کہ
ہنوز تو خادمی - اتفاقاً بمجرد اشارت
بجنبید و بر پا داشت و مستانہ بہر طرف
نگاہ کردن گرفت، باز نظر بر جبہۂ مبارک
شاہ افتاد، بمجرد نظر باز ہمچوں متوال
مست و بیخود برزمیں بغلطید - باز آنسرور
بر بالین او آمدہ ہمچناں از بطن انگشت
مبارک اورا ہوشیار کرد و حکم فرمود کہ اورا
بخانۂ او بہ برند کہ بیش از یں تاب طاقت
رویت ماندارد و شنیدہ شد کہ آن بے
چارہ سہ روز از طلعت آنسرور کہ در
نظارش تجلی کردہ بود ہر گاہ کہ بیادش
آمدے ہمچناں مست ولایعقل افتادے۔

اٹھو! ابھی تو میرا ہی خادم ہے، صرف
ایک اشارے سے وہ حرکت میں آیا اور
کھڑا ہو گیا اور مستانہ وار ہر طرف دیکھنے
لگا۔ اس کے بعد اس کی نگاہ آپ کے چہرۂ
مبارک پر پڑی، تو پھر صرف ایک ہی نظر سے
مست و بیخود ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے
بعد آپ اس کے سرہانے تشریف لائے اور
اپنی انگشت مبارک سے ہوشیار کیا اور حکم صادر
کیا کہ اس کو اس کے گھر لے جائیں، کیونکہ
اس میں ہمارے جانب دیکھنے کی تاب و
طاقت نہیں۔ سنا گیا ہے کہ آں سرور
کا چہرۂ مبارک جو تین دن سے اسکی نگاہوں
میں تجلی کئے ہوئے تھا، جب کبھی بھی
یاد آجاتا وہ بیچارہ مست و بے عقل ہو کر گر جاتا۔

فضائل السبطین

از شیخ شاہ عبدالرحیم کاملی
قادری، ویلوری
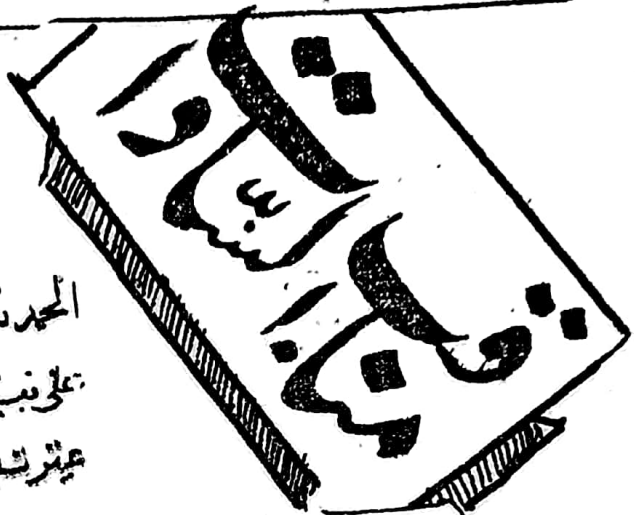
الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ نبیہ الامی وعلیٰ آلہٖ واھل بیتہ و
عترتہ الطاہرین وصحبہ اجمعین۔

صدیوں سے اس عنوان پر روایتیں، مکالمے، مقالے، ارباب قلم کی تصانیف، صوفیائے
کرام کے قصیدے، شعراء کے ترانے اور واعظوں کی سحر نگاریاں سنتے آرہے ہیں، اور
یہ سلسلہ جاری وساری رہیگا۔ ناچیز کا یہ مضمون بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔
اس دور میں روایات وحکایات اور واقعات وقصص کی اہمیت وافادیت گھٹتی
جارہی ہے، اور نئے تراشیدہ عقائد سے مسلسل نوجوانوں کے ذہنوں کو آلودہ کیا جارہا
ہے۔ اس لئے اس موضوع پر ایک مفید وعام فہم مضمون ضروری سمجھا گیا اور میری عمر بھر کے
ساتھی اور کرمفرما مرحوم ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی فرمائش بھی رہی کہ میں اس موضوع
پر کچھ لکھوں۔ لیکن اس فرمائش کی تکمیل ان کی حیات میں پوری نہ ہوسکی۔ میں بصد
عجز وانکسار عقیدت اور احترام کے ساتھ اس مضمون کو ناظم موصوف خلد آشیاں
عالیجناب ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر قادری صاحب
کے نام سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کیونکہ وہی مضمون کے محرک تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ اور
حسین رضوان اللہ عنہم کے حق میں یہ دعا فرمائی "اے میرے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں
اور تو بھی ان دونوں کو دوست رکھ اور جس نے ان دونوں کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا"
(قال الہیثمی جلد ۹ ص ۱۸۱ واسناد جید ص ۵ واخرج البزاز)

حضرت اسامہؓ سے بھی یہی روایت ہے (اخرجہ النسائی وابن حبان) اور ان کی روایت کے شروع میں اسطرح ہے کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں (کما فی المنتخب ج ۷ ص ۱۰۱)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ ان سے بغض رکھ، جو ان سے بغض رکھے (ایضاً ص ۱۰۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ نے کہا "اے میرے اللہ میں حسنؓ کو دوست رکھتا ہوں تو اس کو دوست رکھ اور اس کو بھی دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے (اخرج الشیخان وغیرہما عن ابی ھریرۃ والطبرانی عن سعید بن زید و کما فی المنتخب ج ۷ ص ۱۰۵ واخرج السنۃ الا ابا داؤد)

حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے حق میں حضرت جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ، اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کے حق میں بھی دعائیں مرقوم ہیں، اور آل یاسرؓ اور ابوسلمہؓ اور اسامہ بن زید کے حق میں بھی اسی طرح گھر والوں (اہل بیت) کے دیگر افراد کے لئے بھی حضورؐ اکرم کی دعائیں ثابت ہیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ فاطمہؓ سے فرمایا تم اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب لے آئیں تو آپ نے ان پر وہ کمبل ڈال دی جو خیبر کی تھی، پھر فرمایا "اے میرے اللہ! یہ آلِ محمد ہیں، تو اپنی برکت و رحمت آلِ محمد پر نازل فرما جیسا کہ تو نے آلِ ابراھیم پر نازل فرمائی تھی بے شک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے"۔ (قال الہیثمی)

ابو عمارؓ نے بیان کیا کہ میں حضرت واثلہ بن اشقع کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ لوگوں نے حضرت علی کو برا بھلا کہا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو حضرت واثلہؓ نے کہا بیٹھ جا، میں تجھے ان لوگوں کی خبر دونگا جنہوں نے حضرت علی کو بُرا بھلا کہا ہے۔ بے شک ایک دن میں حضورؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت علیؓ اور فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ آئے تو آپ نے ان سب پر اپنی کمبل ڈال دی، اس کے بعد فرمایا: "اے میرے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ تو ان سے پلیدی دُور کر اور ان کو اچھی طرح پاک کر"۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں؟ — آپ نے فرمایا تیرے لئے بھی یہی ہے۔

واثلہؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! یہ بات میرے جی میں میرے اعمال سے بھی زیادہ اعتماد

کے قابل ہوگئی اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بات جن چیزوں پر میں امید لگاتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ امید لگانے کے قابل ہے (اخرج الطبرانی قال الہیثمی)

سعد بن وقاص سے روایت ہے کہ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَاَبْنَآئَكُمْ دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم علیًا وفاطمة وحسنًا وحسینًا فقال اللّٰھم ھٰؤلاءِ اھل بیتی (رواہ مسلم)۔

یعنی ندع ابنائنا کی آیت جب نازل ہوئی تو شاہ لولاک نے علیؓ اور فاطمہؓ حسنؓ و حسینؓ رضوان اللہ علیہم کو بلوایا اور فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

مشکوٰۃ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے عن عائشة قالت خرج النبیؐ غداۃ وعلیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علیؓ فادخله ثم جاء الحسینؓ فدخل معه ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء علیؓ فادخله ثم قال۔ پھر آپ نے سورۂ احزاب کی ۳۳ ویں آیت پڑھی اِنما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (رواہ مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت سحر باہر تشریف لائے اور آپ ایک گلیم اوڑھے ہوئے تھے (منقش) جب حسن ابن علیؓ آئے تو ان کو داخل کرلیا پھر بنت رسولؐ فاطمہؓ آئیں تو انہیں بھی اندر لے گیا۔ پھر علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہ آئے تو ان کو بھی اندر لے لیا اور مذکورہ بالا آیت تطہیر پڑھی۔

امام مسلم نے صحیح میں روایت فرمایا ہے۔ انا تارک فیکم الثقلین اولھا کتاب الله فیه الھدیٰ والنور فخذو بکتاب الله واستمسکوا به فحث علی کتاب الله ورغب فیه ثم قال واھل بیتی اذکرکم الله فی اھل بیتی (میں دو عمدہ چیزیں تم میں چھوڑے جارہا ہوں۔ ان میں اول کتاب اللہ ہے اور اسکو مضبوط پکڑو پھر آپ نے کتاب کی جانب شوق دلایا اور اس کی طرف راغب کیا۔ پھر فرمایا اور دوسری چیز میرے اھل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں اپنے اھل بیت کے متعلق تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں (دو بار کہا) زید بن ارقمؓ سے روایت ہے عن زید بن

اخرقم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
آلہٖ وسلم قال لعلیؓ وفاطمۃ والحسن
والحسین انا حرب من حاربھم وسلم
لمن سالمھم (رواہ الترمذی)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی و
فاطمہ حسن وحسین رضوان اللہ عنہم کے لئے
جوان سے لڑے میں ان سے لڑوں اور جوان
سے صلح کرے میں ان سے صلح کروں (ترمذی کی
روایت)

مشکوٰۃ میں امام احمدؒ سے روایت ہے
عن ابی ذرؓ انہ قال وھو اخذ بباب الکعبۃ
سمعت صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا
ان مثل اھلبیتی فیکم مثل سفینۃ نوح
من رکبھا نجا ومن تخلف عنھا ھلک
(رواہ احمد) ابی ذر کا حال یہ تھا کہ ان کے ہاتھ
میں در کعبہ تھا کہ رہے تھے سنا میں نے فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں میرے اھل بیت
کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے
جو اس میں سوار ہوا وہ نجات پا گیا اور جو اس
سے الگ رہا وہ ھلاک ہو گیا۔ سورۂ شوریٰ
میں ارشاد باری ہے (آیت ۲۳) قل لا اسئلکم
علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (کہہ دو میں تم
سے اس پر کچھ نہیں مانگتا مگر محبت چاہیے اقربا سے

حضرت عطا نے ابن عباس سے روایت کی ہے
وہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرات حسنین بیمار ہو گئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سارے صحابہ
ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ بعض
صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو مشورہ دیا
کہ آپ دونوں بچوں کی صحت اور شفا کے لئے
کوئی نذر مانگیں۔ چنانچہ انہوں نے نذر مانگی
کہ اگر اللہ نے دونوں بچوں کو شفا عطا فرمائی
تو ہم سب شکرانہ کے طور پر تین دن روزے
رکھیں گے۔ اللہ کا فضل ہو گیا اور دونوں بچے
تندرست ہو گئے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہ
بی بی فاطمہ اور حسنین اور خادمہ نے نذر کے
روزے رکھنے شروع کئے حضرت علیؓ کے گھر میں
کھانے کو کچھ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے قرض
لیا اور دیگر روایت میں ہے کہ محنت مزدوری
کر کے کمائے، پہلا روزہ کھول کر جب کھانے
کے لئے بیٹھے تو ایک مسکین آیا اور کھانا مانگا۔ گھر
والوں نے سارا کھانا اسے دیدیا اور خود پانی پی کر
سو رہے، دوسرے دن پھر افطار کے بعد کھانے
کے لئے بیٹھے تو ایک یتیم آ گیا اور اس نے سوال
کیا۔ اس روز بھی سارا کھانا انہوں نے اس کو
دیدیا اور پانی پی کر سو رہے۔ تیسرے دن روزہ
کھول کر کھانے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک قیدی

آگیا اور آکر وہی سوال کیا اور اس روز کا کھانا بھی اسے دیدیا۔ چوتھے روز حضرت علی کرم اللہ وجہٗ دونوں بچوں کو لئے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے دیکھا کہ بھوک کی شدت سے باپ بیٹوں کا حال برا ہو گیا ہے۔

آپ اٹھ کر ان کے ساتھ فاطمہؓ کے گھر پہنچے تو دیکھا وہ بھی ایک گوشے میں بھوک سے نڈھال پڑی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اہل بیت کے معاملہ میں مبارکباد دی ہے۔ حضورؐ نے پوچھا وہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں سورۂ دھر پڑھ کر سنائی۔ ابن مہران کی روایت میں ہے ان الابرار سے آخر تک کی آیات گوش گذار کی۔

ان آیات قرآنی اور احادیث سے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام ثابت ہے۔ حب نبی اور حب اہل بیت کے سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ عن ابی نصیر ادبوا اولادکم علی ثلٰث خصال حب نبیکم وحب اھل بیتہ وقرءۃ القراٰن فان حملۃ القراٰن فی ظل اللّٰہ یوم لا ظل مع انبیائہ واصفیائہ (تمہاری اولاد کو ادب سکھلاؤ ان تین صفات پر ایک تو حب نبیؐ۔ دوسری حب اہل بیت نبیؐ اور تیسری پڑھا کریں قرآن کہ محشر میں جہاں کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس وقت حامل قرآن پر خدا کا سایہ ہوگا اور وہ انبیاء اور اصفیاءؑ کے ساتھ ہوگا۔

یہاں حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند اہم نکات اور واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

فرمان الٰہی ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔ (آل عمران: ۳۱)

قرآن کریم کی یہ آیت جس پر ہمارا اور آپکا ایمانؒ ہے واضح طور پر بتلاتی ہے۔

کہدو (امت سے) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ فرمان کیا ہے؟ مغفرت کے لئے آسان نسخہ ہے اس سے بڑھ کر عظیم نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے۔ اس کے حصول کے لئے راہ دکھلادی کہ رسول کی اتباع کرو۔

اتباع سے مُراد شریعت کی پابندی اور اوامر و
نواہی پر عمل . اتباع سے بندگی ثابت ہوتی ہے
اور اس کی مُراد مغفرت ہے، بندگی کی بنیاد
حکم کی تعمیل ہی نہیں بلکہ خوفِ خدا بھی ہے
اور قرآن میں خوف خدا کا حکم ہے (اتقوا اللہ)
خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا یاایھا
النبی اتق اللہ ..... الخ (الاحزاب) لیکن خوف
خدا ہی کو بندگی کی وجہ اور بنا قرار دے لینا
تنگیٔ دل کا ثبوت ہوگا . ایک انگریزی کہاوت
ہے THOSE WHO WORSHIP GOD
OUT OF FEAR WILL WORSHIP
THE DEVIL IF HE APEAR
یعنی جو خدا کی بندگی محض خوف کی وجہ سے
کرتے ہوں وہ شیطان کی بھی بندگی کر دیں
اگر سامنے آجائے کیونکہ ان پر غلبہ خوف کا
رہتا ہے . مگر جیسا کہ اللہ تمہارے ساتھ محبت
پر آمادہ ہے ویسے تم بھی محبت کے جذبے سے
اس کی بندگی کرو . اس کے ساتھ محبت کے
مکالمے کرو تو یہ رابطہ طالب و مطلوب کا مکمل
دائرہ بن کر رہ جائے ، مگر یہ اتنا آسان نہیں
جیسا کہ حافظ شیرازی نے فرمایا ہے

کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اول تو آسان نظر آتا ہے ، لیکن بعد میں
کیسی مشکلیں آن پڑتی ہیں - آتشِ امتحان سے گزرنا
پڑتا ہے . یہاں خوف ہٹ نہیں جاتا وہ اپنی جگہ
پر رہتا ہے . مگر غلبہ عشق کا رہتا ہے . ہر عمل محبوب
کی رضامندی کے لئے ہو جاتا ہے . محبت کی خاطر
صبر و قناعت ، توکل و تسلیم ، تزکیہ و تقویٰ ،
شکر و ذکر ، تسبیح و نوافل ، جود و سخا ، توجۂ التجا
کے منازل طے کرنا پڑتا ہے . یہی تعلیم ہمکو صوفیاء
سے ملتی ہے جو شریعت کے احکام کو عشقِ خدا و
عشقِ رسول و عشقِ قرآن کا لبادہ پہنا دیتے ہیں
خدائے عز وجل نے بھی ایسے ہی لوگوں کے حق میں
" امتحان کا اشارہ فرمایا . ولنبلونکم بشیٔ من
الخوف والجوع ونقص من الاموال و
الانفس والثمرات ... (البقرہ ۱۵۵) ہم تمہارا
امتحان کرینگے ، خوف سے فاقہ سے ، مال و جان اور
پھلوں کے نقصان سے ، اس آتش امتحان نے
کن کن کو آگھیرا ابراہیم علیہ السلام ، ایوب علیہ السلام
نوح علیہ السلام ، موسیٰ علیہ السلام خود محمدؐ
کے گھرانے والے اس امتحان سے بچ نہ سکے جو اہلِ
بیت ہی کا حق تھا .

ظاہر ہے کہ شریعت کے احکام کے خوف
سے عبادت کرنے والے فرائض کی ادائیگی کے بعد
اپنے کو بری سمجھتے ہیں ، نماز پڑھ لی ، سمجھ گئے کہ
چلو فرض ادا ہو گیا لیکن جذبۂ عشق رکھنے والوں

نے کبھی بھی اپنے کو بَری نہیں سمجھا ان کی عبادات کی حد نہیں رہی ان کے عمل میں سب سے ممتاز مقام بندگی وہ اخلاص کا ہوتا ہے۔

بہر سخنے کہ گفتی با خدا است
بہر کارے کہ کردی با خدا است
بہر جائے کہ رفتی با خدا است

(جو کلام کرتا ہے۔ خدا کے ساتھ ہوتا ہے، جو کام کرتا ہے خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس جگہ بھی جاتا ہے خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔)

ان کا شیوہ ہوتا ہے

گر چہ خواہی خرمی و زندگی
بندگی کن بندگی کن بندگی

(اگر خوشی اور زندگی چاہتا ہے تو بندگی کر بندگی) بندگی کے نشہ میں سرشار رہا کرتے ہیں جیسے کوئی نشہ باز اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر وقت کوشاں اور منہمک رہتا ہے، اسی طرح عاشقان الٰہی اپنے مطلب کے حصول کے لئے رات اور دن کا فرق نہیں کرتے۔ وقت و زماں نہیں دیکھتے مقام و منزل نہیں دیکھتے، وہ جانتے ہیں کہ

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

(آدمیت لحم و شحم و پوست۔ کا نام، آدمیت سوائے دوست کی رضا کے نہیں ہے۔)

نوافل کے ذریعے حُبِّ الٰہی کا اظہار ایسے ہوتا ہے جیسے مذکورہ آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے تو معاملہ یوں ہوتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی اس حدیث سے ثابت ہے۔

لَا یَزَالُ عبدی یتقرب الیّ بالنّوافل حتی احبتہ واذا احببتہ کنتُ سمعہُ الذی یَسمَعُ بہٖ وبصرہٗ الذی یبصر بہٖ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ التّی یمشی بہا (رواہُ البخاری)

میرا بندہ نوافل کے ذریعے جب میرے قریب ہو جاتا ہے میں تو اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور آگے ملاحظہ ہو:

وَان سألنی اعطینہٗ وَان استعاذنی لا عیذنّہٗ (اور اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو عطا کرتا ہوں اور اگر پناہ چاہتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں —— یہ ہے نتیجہ عشق کا۔ شرعی امور کی پابندی میں عشق خمیر ہو جائے تو اسی کا نام تصوف ہے۔ اس کا اصلی مقام عشق و محبت ہے

ایسے ہی لوگوں کی زندگی تقویت ایمانی کے لئے مثال بن کر رہ جاتی ہے۔ ایمان کے پودوں کی انہوں نے اپنے عمل سے آبیاری کی محبت سے اس کو سینچا اور اس کے ثمر کی حلاوت سے عالم کو مستفیض کیا۔ بندگی کی عظمت سے روشناس کیا۔ بتلا دیا کہ ؎ زندگی مقصود بہر بندگی است

زندگی بے بندگی شرمندگی است

بات کو طول نہ سمجھو تو عشق نبیؐ (جو پیش خیمہ عشق اہل بیت ہے اور لازم اول ہے) کے لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قدرت کے لئے عشق کا جذبہ ہی تو تھا جو نور محمدی کی تخلیق اور بعد میں کائنات کی تخلیق کا باعث ہوا

مشہور حدیث قدسی ہے کنت کنزاً مخفیاً..... الخ خدا کو خود سے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا اور اول ما خلق اللہ نوری اور اول اللہ نے نور کو پیدا کیا پھر مخلوق کو اور...... لعرفت الیھم فی عرفونی و عرفت بھم۔ اور میں نے ان کو اپنا شناسا کیا اور انہوں نے مجھ کو مجھ سے پہچانا اور بسبب انکے پہچانا گیا۔ انگریزی مقولہ ہے

LOVE IS GOD خدا بندے سے محبت رکھتا ہے

اور چاہتا ہے کہ تم بھی اس سے محبت رکھو

ڈاکٹر اقبال نے لکھا ہے:

عشق اول در معشوق پیدا می شود

تا نہ سوزد شمع کئے پروانہ شیدا می شود

عشق اول معشوق کے دل میں پیدا ہوا

اگر شمع نہ جلتی تو پروانہ کیونکر شیدا ہوتا

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

عشق دم جبرئیل عشق دم مصطفےٰ

عشق خدا کا ہے رسول عشق خدا کا ہے کلام

ہست معشوقے نہاں اندر دلت

چشم اگر داری بیا بنمایمت

تیرے دل کے اندر ایک معشوق چھپا ہوا ہے

آنکھ رکھتا ہے تو آ۔ دکھلا دوں

در دل مسلم مقام مصطفےٰ است

آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

مسلم کے دل میں مصطفےٰ کا مقام ہے

ہماری آبرو نام مصطفےٰ سے ہے

یہاں ڈاکٹر اقبال نے عشق رسول کی مناسبت کتنی آسانی کر دی

معنی حرفم کنی تحقیق اگر

بنگری با دیدۂ صدیقؓ اگر

[اگر میرے حرف کے معنی کی تحقیق کر سکے

اگر صدیقؓ کی آنکھ سے دیکھ سکے]

قوت قلب و جگر گردد نبیؐ

از خدا محبوب تر گردد نبیؐ

دل و جگر کی قوت نبیؐ نکلے | خدا سے زیادہ محبوب نبیؐ نکلے

کس آسانی سے اقبال نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واسطہ دیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو قوت ایمان ثابت کر دیا۔

ایمان پختہ ہوتا ہے عشق رسول سے

بات کہاں سے کہاں آ گئی ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی بجز عشق رسولؐ کے

یہی عشق رسولؐ ہے یہی عشق قرآن ہے | کیونکہ قرآن نہیں ہے مگر روح محمدیؐ

ارباب علم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے واقف ہیں کان خلقہ القرآن خدا سے محبت کا واحد ذریعہ عشق رسولؐ ہے

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ مجھ کو ہر شئے سے زیادہ محبوب ہیں بجز میرے نفس کے جو میرے پہلو میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کا ایمان پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی مجھ سے محبت اپنے نفس سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قسم اے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر کتاب نازل کی یقیناً آپ مجھ کو میرے اس نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں جو میرے پہلو میں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمر اب ایمان کامل ہے (علامہ قسطلانی فی المواہب اللدنیہ)

عشق میں دوست و دشمن کی تمیز نہیں۔ کوئی عصبیت حائل نہیں ہوتی۔ عشق نہ مومن ہے نہ کافر ان دونوں سے بالاتر ہے مشہور سکھ شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی کا شعر ملاحظہ ہو

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں | صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

اسی لئے شاید اقبال نے کہہ دیا!

اگر عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی | نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق ہے

اس عشق کے ان بیماروں کے نغمات درد فراق کے سنئے تو سینوں میں ہنگامہ و ہیجان۔ تلاطم و ہیجان پیدا ہو جائے۔ گاشے کی مثال لو۔ انسان کو اس سے محبت ہو جائے تو کیا کیا ناز برداریاں ہونے لگتی ہیں۔ اس کا چارہ دینا۔ نہلانا ہر دم اس کی خبر گیری کرنا۔ محض اس وجہ سے کہ لذت حیات

کے لئے اس سے دودھ، مکھن اور گھی حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اپنا کھانا پینا ترک کر کے اس کے چارہ پانی کی تلاش میں کوشاں ہو جاتا ہے۔ اس کی محبت کی انتہا کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اس کا بول براز بھی پاک سمجھنے لگتا ہے (پاک ہی نہیں بلکہ پاک کرنے والا بھی) اور آخر ش اس کی پرستش بھی شروع کر دیتا ہے۔ اور انسان کی اتباع میں کچھ جانوروں کا تو حال کہ گلے پر چھری پھیر دے، اُف نہیں کرتے عشق کی لذت کو مثال و مشاہدہ سے نہیں تجربہ ہی سے سمجھ سکتے ہیں۔ غرض خوش بخت ہیں وہ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق ہو جائے اور خدا بھی ان سے محبت کرنے لگے۔

اب موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے اھلِ بیت کی شان میں جو آیات و احادیث شروع میں بیان کردئے گئے ان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ سرورِ کونین آقائے دوجہاں نے یہ واضح کر دیا کہ اللہ ان کو دوست رکھیگا جو نبی کے اھلِ بیت کو دوست رکھتے ہوں۔ اور یہ بھی دُعا کی کہ اللہ ان سے بغض رکھے جو اھلِ بیت سے بغض رکھتے ہوں۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس توجہات مبذول کرلیا ہو تو کثرت درود سلام کے ساتھ اھلِ بیت سے بے پناہ عشق و عقیدت رکھنا ضروری ہے جن کو نبیؐ دوست رکھیں انہیں اللہ بھی دوست رکھے! اسی طرح لازم آتا ہے کہ کسی نے اھلِ بیت کو اذیت دی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور جس سے نبیؐ کو اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دیا۔

اسی لئے فرمایا ان الذین یؤذون اللّٰہ ورسولہ لعنھم اللّٰہ فی الدنیا والآخرۃ واعدّ لھم عذابًا مّھینا (الاحزاب: ۵۷) بے شک جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں تو دُنیا میں اور آخرت میں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ حضرت زبیرؓ کے خلاف ایک صحابی نے حضورؐ کی خدمت میں دعویٰ دائر کیا تو حضورؐ نے از روئے انصاف فیصلہ حضرت زبیرؓ کے حق میں دیدیا۔ اس پر مدّعی بول اٹھے چونکہ زبیرؓ آپؐ کے پھوپی زادے ہیں اس لئے آپؐ نے ان کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ اس پر حضورؐ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا۔ کیا ہو گیا ہے قوم کو جو مجھ کو میری قرابت داروں کی نسبت ایذا دیتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ قرابت داروں کو کچھ کہا جائے تو بھی رسولؐ کو ایذا ہوتی ہے۔ (یاد رہے

کہ اللہ سے حضورؐ نے التجا کی تھی کہ میرے اہل بیت کو دوست رکھو: سورۃ کہف کی یہ آیت ملاحظہ ہو وَاَمَّا الجدار فکان لغلمین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لھما وکان ابوھما صالحا (اور جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے مال گڑھا تھا ان کا باپ نیک تھا)

یہ وہی دیوار کا ذکر جس کو خضرؑ نے مرمت کرکے کھڑا کر دیا تھا تاکہ یتیموں کا مال جو اس کے نیچے گڑھا تھا محفوظ رہے۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ ساتویں پشت کے باپ تھے جو نیک تھے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ دسویں پشت کے باپ تھے۔ بہر حال جب ایک نیک شخص کی ساتویں یا دسویں پشت کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو رہی ہے تو سردار دو جہاںؐ کی مبارک اولاد کا کیا بیان ہو؟

ایک وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بی بی فاطمہؓ کے گھر پر سے گذر رہے تھے تو اندر سے شیر خوار حسینؓ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ آقائے دو جہاں بے چین ہو کر رک گئے۔ گھر میں داخل ہو کر خاتون جنت سے کہنے لگے اے فاطمہ! اس بچے کو رونے نہ دو۔ اس کے رونے سے میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ قیامت تک کے خبر دینے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاید حسینؓ کی مظلومیت کے تصورات سامنے آجایا کرتے تھے اور ان کے رونے سے بے چین ہو جاتے تھے۔

طفولیت کے دور میں حضورؐ حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے کھیلا کرتے تھے۔ انہیں دوش مبارک پر سوار ہونے دیتے اور انہیں کھیلتے ہوئے دکھلا کر ایک بار ایک صحابی سے فرمایا "جوان کا ہوا وہ میرا ہوا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلنے والے۔ راکب دوش مبارک۔ کی ماہیت کو کیا سمجھے کوئی؟ ہمیں ایسا شعور کہاں سے لاؤں؟ سمندر کی عمیق گہرائی سے ابھر کر صدف باہر نکلے اور آب باراں کا ایک قطرہ نگل کر واپس عمیق گہرائی کی ظلمت میں چلی جائے اور اس قطرہ آب پر اپنا لعاب چڑھائے تو دُرِّ نایاب و بے بہا بن جائے۔ باہر نکلے تو زینت تاج شاہانہ بن جائے یا کسی حسن پری پیکر کا زیور بن جائے۔ صدف کی گود میں پلے ہوئے ایک قطرۂ آب کا شعار اتنا بلند اور قیمتی ہو جائے تو غور فرماویں۔ نور محمدیؐ خدا کی گود میں پلے اور محمدؐ کی گود میں حسنؓ اور حسینؓ پلیں ان کے علم کا اندازہ لگانے والا شعور کہاں سے لائیے گا؟ ہمارا علم تو صرف حرف و کلام و صوت کا محتاج ہے۔ سرور کونین صاحب قاب قوسین کے علم کے لئے نہ حرف کی حاجت تھی نہ صوت کی کیونکہ کلام الٰہی کو صوت اور حرف کی حاجت لازم آتی ہے یہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ محتاج نہیں

بے نیاز ہے۔ اس کے کلام کا ذریعہ نہ حرف تھا نہ صوت۔ اپنے حبیب کی تعلیم کا طرز اور ذریعہ ہی نرالا ہوگا۔ تعلیم سے فوراً کتاب و مدرسہ کا تصور ذہن میں آجاتا ہے یا استاد و کلام کا۔ یہ عام طریقہ ہے وہاں کوئی مدرسہ تھا نہ کتاب نور محمدیؐ کے علم کا سرچشمہ علم الٰہی ہوگا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل کی تعلیم و تربیت کی ہو تو (نعوذ باللہ) کچھ بخل سے کام لیا ہوگا؟ طرز تعلیم ہی اور ہو گی جیسے صدف آب باراں پر لعاب چڑھا دے۔!

کچھ نگاہوں نگاہوں میں۔ سانسوں سانسوں میں۔ پھونکوں سے قلب و دماغ کو نور سے بھر دیں۔ سینہ کو سرچشمہ علوم بنا دیں۔ انفاس قدسی ماہیتیں بھر دیں۔ فطری وجنسی خصوصیات پر ذرا غور فرمادیں۔ کیا مچھلی کے بچے کو تیرنا سکھلایا جاتا ہے؟ اِدھر انڈے سے نکلا اُدھر گیا وہ گیا۔ یہی جلنسی وراثت ہوگی۔

واقعہ ہے کہ حضرت مالک بن دینار مدینہ کی گلی سے گذر رہے تھے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں۔ سوچا بچے ہی تو ہیں۔ سلام کروں یا نہ کروں۔ اس شش و پنج میں جب بچوں کے قریب ہو گئے تو بے اختیار سلام کر دیا۔ ایک بچے نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام۔ یا امام مالک دینار! امام چونکے۔ حیرت سے بچے کے قریب ہو کر جھک کر پوچھا۔ تعجب ہے! آپ کو میرا نام کیسے معلوم؟ اور یہ بھی کہ میں امام بننے والا ہوں (اسوقت وہ امام نہیں تھے) جواب ملا۔ اس خدا نے بتایا جس نے تم کو سلام کرنے کی ہدایت دی۔ یہ جواب سن کر اور بھی حیرت زدہ ہو گئے اور اس دفعہ تو بچے کے بازو زمین پر بیٹھ گئے اور کہنے لگے بڑے ہونہار اور ذہین معلوم ہوتے ہو۔ کہو نفس اور عقل میں کیا فرق ہے؟ (جواب سنئے گا) نفس کہتا ہے سلام نہ کرو۔ عقل کہتی ہے۔ سلام کرو! اب تو امام کی حیرت کے کیا کہنے! دیکھ رہے تھے کہ یہ باتیں کرتے کرتے کبھی رو پڑتے ہیں اور کبھی ہنس دیتے ہیں اس کا راز دریافت کیا تو فرمایا۔ جب عذابِ الٰہی کی یاد آتی ہے تو گھبرا کر رونا آتا ہے۔ اور جب رحمت الٰہی کی یاد آتی ہے تو تشفی سے مسکرا دیتا ہوں۔ غرض اس طرح چند سوالات اور کئے اور آخر میں التجا کی۔ للہ بتلائیے! آپ کون ہیں؟

جواب ملا۔ میں زین العابدینؓ ہوں۔ یہ رہی جلنسی وراثت جو نبیؐ کے نور القلب و قرۃ العین ہی کو حاصل ہو سکتی تھی۔ خود امام زین العابدینؓ نے فرمایا (اللطیف 1987 میں میرا مضمون

ورثۃ الانبیاء میں اس کی مزید تفصیل لکھ چکا ہوں۔) کہ ان باطنی علوم کا کمال میرے باپ حسینؓ سے حاصل کیا اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل کیا تھا اور ان سے قبل حضرت حسنؓ کو اس کی آگہی دی گئی تھی۔ اپنے علوم کے بارے میں کہا کہ اگر میں انہیں فاش کر دوں تو لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے اور کافر قرار دیدینگے اس طرح ان باطنی علوم کا ذخیرہ موروثی ہو کر رہ گیا

ہر حال میں ہیرا ہیرا رہیگا۔ ہیرے کو پتھر سمجھا تو ہیرے کا مرتبہ نہ گھٹا۔ اگر ہیرے کو پتھر۔ سونے کو لوہا۔ اور لوہے کو مٹی سمجھا تو شعور کی کمزوری نظر آویگی۔ ہیرے کا مرتبہ نہ گھٹا اور ہیرے کے ٹکڑے کر دو ہر ذرہ ہیرا ہی کہلائیگا!

ایک اور واقعہ ہے کہ دربار خلافت میں حضرت عمرؓ رونق افروز ہیں۔ اجلاس چل رہا ہے۔ مقدمے دریافت ہو رہے ہیں۔ باہر عبدالرحمٰن بن عمرؓ حضرت حسینؓ اور دیگر بچے کھیل رہے تھے۔ حامیان آل بیت اور خارجی اور شیعہ فرقوں کے تنازعات اور تصادم سے فضا میں ایک تناؤ پیدا ہو چکا تھا کھیل کھیل میں حضرت حسینؓ نے عبدالرحمٰن کو غلام کہہ دیا وہ باپ کے پاس دوڑے آئے اور شکایت پیش کی امیرالمومنین موقعہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فرمایا کہ حسینؓ نے ایسا نہیں کہا ہوگا۔ سمجھا بجھا کر جا کر کھیلنے کو کہہ دیا باہر جا کر انہوں نے حسینؓ سے فاتحانہ انداز میں کہا کہ میں نے ابا سے شکایت کر دی ہے۔ حسینؓ نے بھی جوش سے کہہ دیا تو کیا ہوا تم بھی غلام تمہارے ابا بھی غلام"۔ عبدالرحمٰن دوڑے ہوئے آئے اور پھر سے شکایت پیش کی کہ ابا حضور۔ اس دفعہ تو حسینؓ نے آپ کو بھی غلام کہہ دیا۔ حاضرین میں کئی لوگوں کے ماتھے پر شکن آگئی۔ امیرالمومنین کی طرف دیکھنے لگے

امیرالمومنین نے وقت کی نزاکت اور چند مزاجوں کو بھانپ لیا اور عبدالرحمٰن پر بگڑ پڑے کہہ دیا جاؤ حسین نے اس طرح نہیں کہا ہوگا۔ اگر کہا ہے تو لکھ کر لے آؤ۔

عبدالرحمٰن دوڑے ہوئے گئے اور پوچھا — ابا نے مانگا ہے لکھ کر دوگے؟ حسینؓ نے کہا۔ ہاں ہاں لکھ دیتے ہیں اور کاغذ پر لکھ دیا کہ عبدالرحمٰنؓ بھی میرے غلام اور عمرؓ بھی میرے غلام — اس کاغذ کو لئے جب عبدالرحمٰن دربار امیرالمومنین میں آئے تو (غور سے ملاحظہ ہو) حضرت عمرؓ اجلاس سے اٹھ کر آگے بڑھے۔ بیٹے کے پاس سے کاغذ لے لیا پڑھا۔ آنکھوں سے لگالیا اور اجلاس میں اعلان کر بیٹھے۔ آپ لوگ گواہ رہیں کہ حسینؓ نے مجھے غلام کہا ہے۔ یہ

کاغذ میرے کفن میں رکھ دینا (صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ زمانے کے ایک مشہور پہلوان کا ذکر ہے۔ حاکم کی طرف سے شکست دینے والے کو بھاری انعام کا اعلان ہو چکا تھا۔ کوئی بھی اس سے مقابلہ پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے چیلنج قبول کرلیا تو سمجھو کہ شامت آئی۔ اس کو اپنی جان پیاری نہیں۔ ایسے میں ایک غریب مفلس نوجوان جس کے لئے لُقمہ تھا نہ شکم محض پوست و استخوان (جیسے کچھ ہو) چیلنج کو قبول کرتے ہوئے حاکم کے سامنے حاضر ہوگیا۔ حاکم کو رحم آیا۔ لیکن آداب رسم کا لحاظ رکھتے ہوئے کشتی کا اعلان ہوگیا۔ پہلوان کو اس بے چارہ نوجوان پر بے انتہا ترس آرہا تھا۔ لیکن شرط نبھانا تھا۔ مقابلہ کے لئے اُتر گیا۔ آمنا سامنا ہوتے ہی نوجوان نے آگے بڑھ کر پہلوان کے کان میں کچھ پھونک دیا۔ اب کیا تھا دیکھتے دیکھتے مفلس نوجوان کے ہاتھوں پہلوان اچھل اچھل کر پچھاڑیاں کھانے لگا۔ حاضرین حیران و حاکم پریشان۔ جب اٹھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ پہلوان اٹھا اور عاجزانہ درخواست پیش کی کہ میں ہار گیا اور نوجوان کو انعام دیدیا جائے۔ چنانچہ مفلس نوجوان انعام حاصل کرلیا۔ اس پہلوان کا نام جُنید ہے۔ نوجوان نے ان کے کان میں فقط اتنا کہہ دیا تھا "میں سیدزادہ ہوں" گھر میں فاقوں پر فاقہ گذر رہا ہے۔ انعام کی امید میں حاضر ہوگیا ہوں۔ رحم کیجئے۔ بس اسی رات جُنید بشارتِ عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور بعد میں عظیم المرتبت اولیاء میں شمار ہو گئے اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت امام شافعیؒ کا بھی ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ امام صاحب درس دے رہے اور آپ کا چہرہ دروازے کی طرف تھا جو گلی میں کھلتا تھا اور حاضرین دروازے کی طرف پیٹھ کئے بیٹھے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ امام کبھی کبھی اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں نے مڑ کر دیکھا تو کوئی آتے نظر نہیں پڑا دیکھا تو امام بیٹھ گئے ہیں۔ بار بار اس حرکت کو دیکھ کر حاضرین سے جب رہا نہ گیا تو سبب پوچھ بیٹھے۔

امام نے کہا کہ باہر گلی میں سیدزادے کھیل رہے ہیں جب دروازے پر سے گذرتے تو احترام سے اٹھ کھڑا ہوتا ہوں اور جب گذر جاتے ہیں تو بیٹھ جاتا ہوں۔ کسی نے کہا دروازہ بند کردو۔ امام نے فوراً روکا۔ کہنے لگے۔ مجھے اس سعادت سے کیوں محروم

کرتے ہو؟ انہیں بار بار آنے دو اور مجھے بار بار یہ شرف
حاصل کرنے دو۔

واقعہ ہے کہ سید حسین قادری صاحب
عرف جیلانی صاحب پیرزادہ جناب محی الدین صاحب
معنکنڈہ سے قلمی بیاض میں فارسی زبان میں یہ
روایت نقل ہے۔ ترجمہ یوں ہے "ہم لوگ اسی
سال حج بیت اللہ کا قصد کئے جس سال شاہ
محی الدین صاحب قادری (مشہور بہ نام قطب
ویلور) حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم
بمبئی پہنچے تو ہمیں خبر ملی کہ حضرت قطب ویلور بھی
بمبئی میں مقیم ہیں اور کل کے جہاز سے روانہ ہونے
والے ہیں ــــ ملاقات کے لئے ان کی قیام گاہ
پر پہنچا۔ جونہی چہرۂ جمال پر نظر پڑی میرے دل
نے گواہی دی کہ حضرت کامل ولی اللہ ہیں۔ جب
مصافحہ کے لئے ہاتھ پیش کیا تو انتہائی شفقت
کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور سونگھتے ہوئے
فرمانے لگے تمہارے اندر حسینی بو آرہی ہے!
سادات حسینی رض سے ہیں۔ تمہارا نام سید حسین
ہے! راقم لکھتے ہیں کہ یہ سن کر ان کے جسم پر لرزہ
طاری ہوگیا اور آنکھوں سے اشک بہنے لگے۔ ان
سے میری یہ پہلی ملاقات تھی اس سے آگے ان سے
کبھی نہ ملا تھا۔ اور میرے نام سے واقف بھی نہ تھے۔
ایسی مثالیں اور بھی ہیں۔ ان ہستیوں
کی مثالیں موجود ہیں جو سیدزادے سے کبھی
کوئی خدمت نہیں لی عشق و ایمان میں اتنے
پختہ تھے کہ جہاں بھی ہو سیدزادے کو
قیافہ شناسی سے یا اس کی کسی حرکت سے
جو جنسی نوعیت خاص رکھتی ہو بھانپ لیا
کرتے تھے۔

مجھے میرے والد بزرگوار (شیخ عبداللہ)
کا واقعہ یاد ہے اپنی تجارت کی جگہ اپنا مصلیٰ
بنا رکھے تھے اور کسی سے وضو کا پانی منگوالیا
کرتے تھے۔ ایک کمسن لڑکا ریلوے اسٹیشن پر
(جو متصل تھا) گھومتا نظر پڑا تھا۔ اس کی
مفلسی کو دیکھ کر والد صاحب نے ایک دو
مرتبہ اس سے سلوک بھی کیا۔ ایک دفعہ وضو
کا پانی بھی اسٹیشن کے نل سے منگوالیا تھا۔

دوسرے وقت جب وضو کا پانی منگوانے
کے لئے کوزہ اس کے پاس دے رہے تھے
تو اتفاقاً اس کا نام پوچھا۔ اس نے اپنا
نام سید قادر بتلایا۔ والد صاحب نے فوراً
اس کے پاس سے کوزہ چھین لیا اور معافی
چاہی کہ صاحبزادے معاف کرنا میں نے تم سے
ایک بار خدمت لے لی ہے۔ اور نہایت رنجیدہ
ہوکر مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا اور تاکید کی
کبھی کسی سیدزادے سے خدمت نہ لینا میری

جوانی میں میرے لئے ایک پیام نکاح تقریباً منظور کر چکے تھے۔ اتفاقاً ویسے ہی پیام کے لئے کوشش کرنے والے (ایک ایکسائز انسپکٹر تھے) صاحب سے لڑکی کا نام پوچھا انہوں نے بتلایا کہ سید عبدالرزاق ہے۔ فوراً بول اٹھے کہ معاف کرنا بھائی صاحب مجھے یہ پیام منظور نہیں سید کی لڑکی سے ہم خدمت نہیں لینگے۔

اب ذرا ان اعتراضات پر بھی غور کریں جو سادات کرام کے خلاف سُنی جاتی ہیں سب سے بڑا اعتراض وہی ہے ۔ جیسا کہ "تھے تو آبا وہ تمہارے مگر تم کیا ہو؟" کسی شخص کو نسب کی بنا پر کوئی فوقیت نہیں۔ سب انسان ایک ہیں جو بے علم ہیں مفلسی کا شکار ہیں۔ اپنے اعمال سے ۔ اور صحبتوں سے ذلیل ہیں اور مرتبۂ سیادت کے لئے باعثِ ننگ ہیں۔

اسی طرح کتنے افراد ایسے ہیں جو انسانیت کے لئے ہی باعثِ ننگ ہیں ۔ لیکن کیا اس وجہ سے انسانیت کا مرتبہ گھٹ گیا؟ ایک آقا اور غلام کی مثال لو۔ آقا لاکھ مفلس ہو جائے۔ غلام چاہے کتنا ہی تونگر ہو جائے ۔ آقا ۔ آقا ہی رہیگا غلام غلام ہی رہیگا۔

عام تجارتی یا زرعی ۔ یا دیگر شعبۂ زندگی میں کوئی شخص جو کسی کا نوکر رہا ہو اپنے آقا کو یا آقا زادے کو کیسی ہی کس مپرسی کی حالت میں کیوں نہ دیکھ لے۔ مالک کے ہی خطاب سے اس کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے (لیکن بشرط نمک حلالی) ایک نمک حلال غلام کا شیوہ یہی ہوگا کہ جس حالت میں دیکھے گا آقا کا ادب کریگا۔ اگر آقا زادے کو کہیں خمار خانہ میں دیکھے تو جل کر منت سماجت کرکے وہاں سے ہاتھ پکڑ کر گھر لے آئے گا کہ یہ جگہ آپ کے قابل نہیں انہیں گھر پہنچا دیگا۔ عیب پوشی کریگا۔ کچھ منت کریگا۔ کچھ نصیحت کرے گا اور یوں اپنا حق ادا کریگا۔

برخلاف اس کے اگر غلام نمک حرام ہو تو دُور سے دیکھا کریگا۔ انگشت نمائی بھی کریگا اوروں سے کہتا پھریگا کہ دیکھو! باپ کیسے تھے بیٹا کیسا نکلا! آپ آپ اپنے پاکیزہ مزاج سے فیصلہ کریں کہ کونسا شیوہ اپنایا جائے۔؟

ہیرا کوڑا کرکٹ میں گر جائے۔ گندی نالی میں پڑ جائے پھر بھی ہیرا ہی کہلائیگا۔ البتہ آلودگی صاف کی جا سکتی ہے۔ ذیل کا ایک واقعہ عبرتناک ہے:

ایک سیدزادے نے شراب خانے کو گویا اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ ایک بزرگ جن کا گذر روزانہ اس طرف ہوا کرتا اندر جاتے اور سیدزادے سے منت کرتے ۔ کہ آقا زادے ۔ یہ جگہ آپ کے قابل نہیں گھر چلو۔ اور گھر لاتے ۔ نہلاتے ۔ پاک وصاف

افراد سادات کچھ ایسے ہیں۔

کرکے نصیحت کے ساتھ گھر پہنچاتے۔ دوسرے ہی
دن دیکھتے کہ پھر وہیں موجود! غرض کئی دنوں
تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

ایک دن کا واقعہ تھا کہ اس بزرگ نے
دیکھا کہ کچھ دیر نہ گذری تھی اس کو گھر پر چھوڑے
آئے تھے لیکن واپس وہیں موجود پایا۔ اب کی بار
بیزارگی نے غلبہ پکڑا۔ ہاتھ جھٹکے اور کہنے لگے چلو
بہت ہو چکا۔ اور تم جانو۔ اور چل دئیے۔ انجام
یہ ہوا کہ اسی رات بشارت عظمیٰ سے مشرف ہوئے
دیکھ رہے تھے کہ سرور کونینؐ ایک میلا کچیلا کپڑا
دھو رہے ہیں۔ لائیے میں دھو دوں۔ سرکار صلی اللہ
علیہ وسلم نے مڑ کر عتاب سے کہہ دیا کہ نہیں اس
کو مجھے ہی دھونے دو۔ یہ وہی کپڑا ہے جس کو
دھونے سے آج تم انکار کر بیٹھے۔

آنکھ کھلی سرکار کا عتاب لرزہ پیدا کر گیا
صبح ہوئی تو اولاً اس سید زادے کی تلاش میں
نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سید زادے خود ان کی طرف
تیز چلے آ رہے تھے اور لپٹ کر رونے لگے قدموں پر
گر کر معافی چاہنے لگے۔ کہنے لگے کہ رات خواب میں
آقائے دو جہاں کو دیکھا نہایت سختی سے جھڑک
کر کہہ رہے تھے۔ تم بھی ذلیل ہو رہے ہو اور ہمیں بھی
ذلیل کر رہے ہو۔ بس ہیئت بدلی ہدایت کا
وقت آن پہنچا۔ تائب ہوئے اور نیک راہ

اختیار کی۔ ساری حکمتیں اس حکیم کی ہیں جو فاعل
حقیقی اور قادر مطلق ہے۔ اس واقعہ میں انکسارات
کے لئے بھی سبق مضمر ہے جو لیسے اعتراضات کا
باعث بنے ہوئے ہیں اور وہ اپنے گریبان میں
جھانک کر دیکھیں اور سوچیں کہ ؎

آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

آخر میں اس حقیقت کی طرف رجوع کرانا ضروری
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ احزاب
آیت ۵۶ میں فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ
اور اس کے ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں نبی پر اے ایمان
والو! تم بھی ان پر سلام بھیجا کرو۔

سورۂ صافات آیت ۱۳۰ میں واضح کر دیا کہ
سلام علیٰ الِ یاسین یعنی سلام ہو الِ یاسین
پر۔ یٰسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ہے
ننانوے اسماء میں سے ایک ہے جیسا کہ طٰہٰ
مزمل و مدثر ہیں۔ ابن حجر مکی نے حضرت ابن عباسؓ
سے نقل کیا ہے کہ ان المراد بذالک سلام
علیٰ آلِ محمدؐ یعنی آلِ یاسین سے مراد آلِ محمد ہیں
حضرت فخرالدین رازیؒ کا قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی آل آنحضرت سے ۵ نسبتوں
سے شریک ہیں۔ اول سلام میں السلام علیٰ
آلِ یاسین۔ دوم صلوٰۃ میں یعنی نماز میں
تشہد میں جب درود محمدؐ اور آلِ محمدؐ پر ہم جیسا کہ

کہ آلِ ابراہیم پر) سوم آیتِ تطہیر میں (جناب کی جو آیت اوپر مذکور ہو چکی ہے) چہارم صدقہ میں یعنی حدیث شریف ہے (الصدقۃ علینا الحرام) پنجم محبت میں سورۂ شوریٰ کی آیت ۲۳ (قل لا اسئلکم......) جو اوپر مذکور ہے۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ جلد ششم صفحہ ۵۹۵ پر دیلمی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ فرمایا ختم المرسلین نے الدعا محجوب حتیٰ یصلی علیٰ محمد و علیٰ آلہ یعنی دعا پردہ میں رہتی ہے جب تک کہ محمد اور اس کی آل پر درود نہ بھیجا جائے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ درود دعا کا ایک رکن ہے۔ اور دعا کی قبولیت کے لیے واجب ہے کہ درود محمد پر اور آلِ محمد پر پڑھا جائے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا۔ نمازوں کے ساتھ آلِ محمد پر بھی درود بھیجنا اور بھی کئی بیانات سے ثابت ہے شافعی۔ دارقطنی۔ ابن حجر بیہقی ابوبکر طوسی وغیرہم۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان سے اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ ہر مسلمان کا یہی حق ہے کہ کثرت سے درود پڑھا کرے محمد پر آلِ محمد پر تاکہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت کے صدقے میں خدائے عزوجل کے فضل و کرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے مستحق بنیں

مظلومین میں سادات کا خاص حصّہ رہا ہے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور سے لے کر دورِ عبداللہ تک اہلِ بیت اشقیا کے مظالم کا شکار بنے رہے ان پاک نفوس پر دلسوز مظالم ہوتے رہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں اس مقصد سے اس کا ذکر کرنا پڑا کہ جب مکہ مکرمہ پر حملہ ہوا۔ حجاج کا قتلِ عام ہوا بیت اللہ شریف کا دروازہ توڑ دیا جائے حجرِ اسود چھوڑ دیا جائے۔ اہلِ بیت چن چن کر شہر بدر کر دئیے جائیں۔ ان پاک نفوس کے لیے ہر یوم یومِ عاشورہ بن جائے تو ساداتِ کرام کو امن کی تلاش میں دوسرے ملکوں کی طرف کوچ کرنا پڑا۔ حکمتِ یزدانی یہاں بھی مضمر تھی کہ اسطرح ساداتِ کرام کا دور دور مقامات تک پھیلنا گویا شمسِ ہدایت کی شعاؤں کا پھیلنا تھا جس سے گوشہ گوشہ منور ہو گیا جو روایات و طریق تعلیمات نبیؐ اور طرزِ عمل و اخلاقِ حسنہ ان خلیفوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھیں ان کو انہی مقدور و طرزِ خدمت سے نئی حیات بخشی۔ خانقاہیں اور مدرسہ قائم کئے جو مراکزِ علوم بن گئے اور رشد و ہدایت کا بازار گرم ہو گیا اور ان کے طفیل میں ملّت علومِ ظاہری و باطنی سے مستفیض ہونے لگی۔ قوم بے بہا فیوضات

و برکات سے علوم شریعت وطریقت سے راہ سلوک و معرفت سے مشرف ہونے لگی کچھ بدنصیب (اور شاید اب بھی ہوں) جو دور کھڑے نکتہ چینیوں میں مصروف رہے، اور خسارہ میں رہے۔ (اولئک هم الخاسرون)

مسلم کی مذکورہ حدیث کی صداقت ان سادات کرام کے کارناموں سے ظاہر ہے اگر ان کی مدلل تصانیف وحکایات۔ روایات و ہدایات۔ افکار وخیالات۔ اعمال و بیانات

ہمارے سامنے نہ ہوتے تو نہ معلوم کبھی کے ہمیں ہڑپ کر جاتے۔ یہی اہل بیت کا ہم پر کرم ہے کہ دین و ایمان محفوظ ہیں۔

آخر میں علامہ سعدیؒ کی اس دعا پر ختم کرتا ہوں

الٰہی بحق بنو فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول
من و دست و دامان آل رسول

اللّٰھم ارزقنا خیر الدارین بتصدق جد الحسن والحسین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم

قصیدے کے ارتقاء کا اجمالی جائزہ

از:-
افضل العلماء مولوی
شاہ محمد انوار اللہ
سرقاضی قادری لطیفی
ایم۔ اے
استاذ دار العلوم لطیفیہ
و گورنمنٹ قاضی ضلع شمالی ارکاٹ
حضرت مکان ویلور۔

قصیدہ عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی مغز غلیظ یا سطبر (گاڑھا یا دل دار گودہ) کے ہیں۔ یہ لفظ قصد سے مشتق ہے حرکات کے فرق کے ساتھ اس کے معنی ارادہ کرنے کے بھی ہو جاتے ہیں اور عربی کی ایک جدید لغت "المنجد" کے مؤلف کا خیال ہے کہ

القصیدۃ من الشعر ما جاوز سبعۃ او عشرۃ ابیات

قصیدہ وہ ہے جو سات یا دس شعر سے تجاوز کر جائے اور عربی کی طرح ترکی فارسی، اور اردو نقادوں، شاعروں ادیبوں اور لغات کے مرتب کرنے والوں کا تصور قصیدے کے بارے میں ایسا ہی رہا ہے!

اصطلاحی طور پر ایسی صنف شاعری کو قصیدہ کہتے ہیں جس کے پہلے شعر (مطلع) کے دونوں مصرعے (غزل کی طرح) ہم قافیہ اور اگر ردیف موجود ہے تو ہم (ردیف بھی) ہوں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے پہلے شعر کے ہم قافیہ ہوں اور جس میں مدح وذم، وعظ ونصیحت یا مختلف حالات وکوائف بیان کئے جاتے ہیں۔

قصیدہ کی دو قسمیں ہیں ایک تمہیدیہ جس میں ممدوح کی مدح سے پہلے بہار یا عشق ومحبت یا کسی دوسرے مضمون پر مشتمل اشعار لکھے جائیں اس کے بعد خوش اسلوبی سے اپنے مقصد کی طرف رجوع کیا جائے۔ دوسرے خطابیہ جس میں ابتداء

ہی سے مدح یا ہجو وغیرہ اصل مطلب شروع کردیں اور تمہید نہ لکھیں،

تمہیدیہ قصیدے کے ارکان چار ہوتے ہیں (۱) شاعر اصل مقصود بیان کرنے سے پہلے بہارِ عشق یا شکایت زمانہ کا ذکر کرتا ہے۔
(۲) گریز یا تخلص جس مقام سے شاعر تمہید چھوڑ کر مطلب کی طرف رجوع ہو
(۳) مدح یا ہجو قصیدہ کا اصل منشا ہے (۴) خاتمہ اس مقام پر شاعر ممدوح سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں اور کوئی چیز مانگنے پر مشتمل اشعار لکھتا ہے

قصیدہ میں چار چیزوں کا اچھا ہونا ضروری ہے ایک مطلع کہ سامع سن کر خوش ہو جائے اور اس کی طبیعت اس قدر محظوظ ہو کہ باقی قصیدہ سننے پر مجبور ہو جائے۔ دوسرے قصیدے کا گریز اچھا ہونا چاہئے کیونکہ دو مختلف قسم کے مضامین کو ربط دینا آسان نہیں۔ تیسری۔ حسن طلب میں شاعر کو اپنی عزت نفس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ چوتھی۔ مطلع عمدہ ہو اس لئے کہ سامع تمام اشعار سن کر بھول جاتا ہے اور مطلع کا منتظر رہتا ہے۔ اس لئے اگر مطلع اچھا ہو تو سامع پر قصیدہ کے اچھے اثرات قائم رہیں گے اکثر قصیدے اپنے حرف ردلیف سے مشہور ہوتے ہیں۔ مثلاً قصیدہ کا حرف آخر اگر کاف ہے تو قصیدہ کو کافیہ کہیں گے۔ لام ہے تو لامیہ کہیں گے بعض قصیدے اپنے مضمون سے مشہور ہوتے ہیں بعض جو ذکر ان میں ہوتا ہے اس سے موسوم ہو جاتے ہیں مثلاً اگر قصیدہ میں مدح ہو تو مدحیہ، شاعر اپنے علم وغیرہ پر فخر کرے تو فخریہ بہار کا ذکر ہو تو بہاریہ، عشق کا ذکر ہو تو عشقیہ کہلاتا ہے کبھی قصیدہ کا نام اس کے مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے ہوتا ہے جیسے سودا نے اپنے قصیدوں کو باب الجنتہ بحر بیکراں اور تضحیک روزگار کے ساتھ موسوم کیا ہے۔

اردو شاعری میں جب قصیدہ کا آغاز ہوا تو ایران کے فارسی شعراء کے قصائد زباں زد تھے۔ اگرچہ دکھنی دور میں قصیدہ گوئی کا آغاز ہو گیا تھا اور گولکنڈہ کے بادشاہ سلطان محمد علی قطب شاہ نے قصیدے کہے تھے لیکن دکھنی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے وہ شہرت عام حاصل نہ کر سکے اور شمالی ہندوستان میں جب شاعری کا چرچہ ہوا تو

دیگر اصناف سخن کی طرح قصیدہ گوئی کا بھی رواج ہوا لیکن قصیدے کی اصل ترقی سودا کے عہد میں ہوئی اور سودا نے قصیدہ کو اتنا بلند کیا کہ ان کی غزل گوئی قصیدے کی شہرت کے نیچے دب گئی اور سودا کو کہنا پڑا ۔۔

جو یہ کہتے ہیں کہ سودا کا قصیدہ ہے خوب
سامنے ان کے میں لے کے یہ غزل جاؤنگا

ڈاکٹر محمود الٰہی اپنی کتاب " اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ " میں یوں رقمطراز ہیں ـــ سودا ان قصیدہ نگاروں میں ہیں جنہوں نے اردو زبان کو ہر موضوع پر بات کرنے کی قوت عطا کی سینکڑوں ترکیبیں ایجاد کر کے اور ہزاروں نئے الفاظ داخل کر کے زبان کو وسعت دی مختلف موضوعات کے مناسبت سے رنگارنگ تشبیہات برت کر اخلاف کے لئے اختراع تشبیہات کا دروازہ کھول دیا، فکر کی بلندی اور خیالات کی گہرائی تک پہنچنے کا ڈھنگ بنایا،

بات میں بات پیدا کرنے اور سیدھی سادی چیزوں میں نکتہ آفرینی کا چلن سکھایا اور اپنے قصیدوں میں فارسی قصائد کی مدح سمولی اور سودا نے قصائد کی ان خصوصیات کو اس طرح اجاگر کیا کہ جن کی بنیاد پر انہیں قصیدہ نگاری کا پیغمبر مانا جاتا ہے اور سودا کے دور میں غزل سرائی اور قصیدہ نگاری دونوں پر شباب تھا ان کے اکثر معاصرین نے غزل کے ساتھ قصیدے بھی کہے اور کامیاب ہوئے مگر غزل میں میر کا اور قصیدہ میں سودا کا ستارہ ایسا چمکا کہ دوسرے معاصرین کی روشنی ماند پڑ گئی قائم چاندپوری ۔ میر حسن ۔ میر تقی میر ۔ جعفر علی حسرت ۔ بقاء اللہ بقا ۔ اشرف علی خان فغاں اور احسن اللہ بیان قصیدہ نگاری پر قدرت رکھتے تھے ان میں ہر ایک نے سودا کے مقام تک پہنچنا چاہا یہ اور بات ہے کہ وہاں تک رسائی کسی کی نہ ہو سکی لیکن اس رنگ نازمیں جو جس منزل تک بھی پہنچا کامرانی و کامیابی کے ساتھ پہنچا ہر شاعر کا قصیدے میں انفرادی مقام ہے اور ایسے قابل لحاظ مقتدی ہیں جن سے سودا کی شان امامت اور بھی بڑھ جاتی ہے ۔ سودا جس قافلہ کو لیکر چلے تھے اس کے ہر فرد کے اندر قیادت وسیادت کی اہلیت تھی ۔

سودا نے بے شمار قصائد لکھے جن میں

عمدہ۔ نعت منقبت۔ مدح۔ ہجو شہر آشوب سب کچھ ہے۔ وہ جس طرح مدح کے شاعر تھے اسی طرح ان کی ہجو بے پناہ تھی زور بیان شوکت الفاظ مضمون آفرینی واقعہ نگاری تشبیہ واستعارہ کی جدت غرض سب خوبیاں جو قصیدہ نگاری کے لئے لازمی سمجھی جاتی ہیں ان کے یہاں موجود ہیں۔

محمد شاہ کے عہد سے آصف الدولہ کے زمانہ تک کے سیاسی اور سماجی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے دشوار مگر دلکش ردیفیں اختیار کی ہیں۔ روانی برجستگی جس طرح سودا کے قصائد میں ملتی ہیں ویسی کسی قصیدہ گو کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

چنانچہ جہاں دکنی کے بعض قصیدہ نگاروں نے عربی کے ساتھ ساتھ فارسی روایت کو اختیار کیا وہیں اردو کے یگانہ روزگار قصیدہ گو مرزا محمد رفیع سودا اور ان کے بعض ذوق نے موضوعات اور زبان اسلوب دونوں اعتبار سے فارسی اساتذہ کا بھرپور تتبع کیا اور کہیں کہیں تو زبان کے فرق کے علاوہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انوری۔ خاقانی اور عرفی کے قصیدے ہیں یا ان کے خالق سودا ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اردو قصیدے نے اپنی انتہائی کی سطح تک فارسی روایت کا اثر قبول کیا ہے!

سودا کے قصائد کے موضوعات مدح وہجو اور شہر آشوب ہیں۔ مدح میں امراء و سلاطین وغیرہ کی مدح بھی ہے اور بندگان دین کی بھی شہر آشوب اس دور کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

سودا نے فنی اعتبار سے فارسی اساتذہ کا تتبع کیا ہے تشبیب گریز اور مدح میں انہوں نے اپنے زور طبع اور جدت پسندی سے وہ بلندی پیدا کی جو اس سے قبل کسی کو نصیب نہ ہو سکی تھی اور بعد کے آنے والے شعراء بھی اس میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔ سودا کے مطلعوں میں برجستگی قطعیت اور انوکھا پن اپنے شباب پر ہے۔ ـــ

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائی مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرہ عام
حلال دختر رز بے نکاح و روزہ حرام

سودا کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ان کی تشبیہیں ہیں۔ تشبیب میں انہوں نے بڑے متنوع موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ حسن وعشق۔ زمانے اور آسمان کا شکوہ فخر

حکمت و فلسفہ، اخلاق و تصوف اور بہاؤ طرب جیسے موضوعات ان میں شامل ہیں ان کا انداز کہیں براہ راست ہے اور کہیں تمثیلی انداز کی پیش کش ہیں بھی سودا کو ماہرانہ قدرت حاصل ہے۔

نعتیہ و منقبتی قصیدوں میں سودا نے زور بیان کا مظاہرہ کیا ہے اور درباری قصیدوں میں انہوں نے ممدوح کے جملہ اوصاف پر مبالغہ آمیز لہجہ میں اظہار خیال کیا ہے نیز جنگ اور اس کے لوازمات سے بھرپور فنی مہارت سے بیان کئے ہیں۔

سودا نے اپنی طبیعت کی ہمہ گیری اور ولولہ انگیزی کی براقی اور زبان کی مشاقی کے جوہر جملہ اصناف سخن میں دکھائے۔ لیکن مدح و قدح میں تو تمام معاصرین کو پیچھے چھوڑ دیا اور اس صنف میں سودا کو جو اختصاص حاصل ہوا ہے ان میں آج تک بھی کوئی ان کے آگے نہیں نکل سکا اس لئے ان کے قصیدے دیگر اصناف سخن سے زیادہ قابل توجہ ہے ہیں

میر حسن نے تذکرۃ الشعراء اردو میں لکھا ہے قصیدے میں ان کو ید بیضا حاصل ہے ان کے قصائد خوشگوار و دل آویز ہوتے ہیں اور ہجو بلند و بانگ۔

دستور الفصاحت میں سید احمد علی خان یکتا نے لکھا ہے! — اساتذہ فارسی کی طرز پر جس شخص نے زبان ہندی میں قصائد کو وجود بخشا وہ یہی نقاش معانی (سودا) ہے

مولوی محمد یحیٰی تنہا کا خیال ہے سودا بھی پہلا شخص ہے جس نے قصائد کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا اس سے پیشتر بھی دیگر شعراء نے قصائد لکھے۔ لیکن سودا نے جس عمدگی اور خوبی کے ساتھ اپنا اظہار خیال کیا ہے اور دشوار قوافی اور مشکل ردیفوں میں جس آسانی کے ساتھ اپنے مطلب کو بیان کیا ہے اس کی نظیر شعرائے اردو کے کلام میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔

موضوع کے اعتبار سے قصیدہ وہ صنف ہے جس میں مدح و ذم کے مضامین نظم کئے گئے ہوں اور اس کی ایک مخصوص ہئیت بھی متعین ہے۔ اس طرح سودا کی وہ منظومات جن کو قصیدے کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے تعداد میں ۵۹ ہیں ان میں مدح کے علاوہ ہجویات بھی شامل ہیں۔ انفرادی بھی اجتماعی بھی ان میں ۲۲ نعت و منقبت ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوازدہ ائمہ کو شاعر نے اپنی مدح گستری کا موضوع بنایا ہے اور ان

قصائد کا مقصد کوئی مادی منفعت نہیں تھی بلکہ
جذبات عقیدت کا اظہار اور نجات اخروی کی امید
ان کا سبب بنتے ہونگے اسی لئے ان قصائد میں ایک
طرح کی ا بو دگی اور جوش عقیدت کی کیفیت
نظر آتی ہے۔

مختلف موضوعات کو سودا نے بڑی خوبی
وخوش اسلوبی سے اپنی تشبیہوں میں ادا کیا ہے
لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہاریہ مضامین ان
کو زیادہ مرغوب ہیں اور ان کو ادا کرنے میں
ان کی طبیعت کی جولانی پورے شباب پر ہوتی
ہے۔ وہ بہار کے اثر اور باغ میں ہونے
والی تبدیلیوں کی جزئیات کو بیان کرتے
ہیں اپنے مشاہدے کے ساتھ اپنی خلاقانہ
صلاحیت کی آمیزش کرکے وہ بڑی نادر
تصویریں پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس
جوش میں کبھی کبھی اس قدر مبالغہ کر دیتے ہیں کہ
یہ بہار بھی مصنوعی معلوم ہونے لگتی ہے۔ لیکن
پھر بھی بیشتر مناظر دلکش ہیں۔

نواب سیف الدولہ کے قصیدے
کی بہاریہ تشبیب کے چند شعر ملاحظہ ہوں

برج حمل میں بیٹھ کے نادر تاج دار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صف لشکر بہار
کہتے ہیں یوں زبان پیک صبا یہ حکم
پہنچا حضور سے طرف باغ روزگار
مرکب جو شاخسار کے ہیں ان پہ اب شتاب
پہنچیں سوار ہو کے جوانان برگ و بار۔

سودا کے بعد قصیدہ نگاری میں انشاء اللہ
خان انشا کا نام آتا ہے زبان پر انشاء کو
بہت عبور ہے جب وہ اپنی زبان دانی کے جوہر
دکھانے پر آتے ہیں تو عربی فارسی ترکی
اور پشتو سب ہی کچھ بول جاتے ہیں۔ اس
طرح علمی اصطلاحات ان کے قصائد
میں بہت ملتی ہیں جن سے ان کے علم وفضل
کا اظہار ہوتا ہے۔ نہایت سخت زمینوں
میں قصیدے کہے ہیں
ایک قصیدہ بے نقطہ بھی کہا ہے جس کا
مطلع یہ ہے

بلاؤ مرد ہمہ آہ سرد کو ہر گام
کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہوا آرام

قصیدے کی تمام خوبیاں ہوتے ہوئے صفائی
سادگی، روانی، وتسلسل موجود نہیں جو سودا
کے یہاں ہے

انشاء کے بعد لکھنؤ میں ناسخ اور
آتش جیسے اساتذہ نے کوئی قصیدہ نہیں
لکھا دھلی میں غالب، مومن، ذوق کی
شہرت زیادہ تر قصائد سے ہوئی۔ ذوق
کے سامنے سودا کے قصائد کا اعلیٰ نمونہ موجود

موجود تھا کہیں کہیں ان سے مضامین بھی لئے
ان کے قصائد میں بھی الفاظ کی شان وشوکت
خوبصورت ترکیبیں چست بندشیں تشبیہ
اور استعارے مبالغہ سب خصوصیات
قصیدہ نگاری میں موجود ہیں مشکل زمینوں
میں بھی قصائد لکھے اور استادی کی سند حاصل
کی مگر فطری سادگی نہیں پُر تکلف دربار ہے
جو طرح طرح کے آرائشوں سے سجا ہوا ہے۔

مومن کے قصائد ان کی غزلیات سے
پست درجے کے ہیں بلکہ ان میں بھی غزلیت رچی
ہوئی ہے طب اور نجوم کی اصطلاحات کا
استعمال بکثرت ہے غرض قصیدہ نگاری میں
مومن کا بلند مقام نہیں!

غالب چند قصیدے اردو میں
لکھے ہیں۔ مگر ان کی جدت پسند طبیعت
نے اس میدان میں بھی نئے نئے گوشے پیدا کئے
اور ان چند قصیدوں ہی کو اردو کا سرمایہ
ناز بنا دیا مثلاً یہ قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے

ہاں مہ نو نہیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

قصیدہ نگاری کے مروّج محاسن
سے خالی نظر آتا ہے لیکن اس کی سلاست
اور روانی اور تشبیب کی جدت نے اردو
قصیدہ گوئی میں ایک نئے باب کا اضافہ
کر دیا ہے۔

متاخرین کے دور میں منیر، امیر
داغ، جلال چاروں اساتذہ نے قصائد
کہے مگر ان میں سے کسی نے قصیدے میں
کوئی جدت نہیں پیدا کی بلکہ متقدمین اور
متوسطین شعراء کی خصوصیات کو یکجا
کر دیا۔ اسی عہد میں محسن کاکوروی نے نعتیہ
قصائد لکھے ان کے بعض قصائد کی تشبیب
بالکل نئی ہے۔ مثلاً

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھوں پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

بیسویں صدی میں قصیدہ گوئی پر
زوال آگیا اس لئے کہ اس صنف کا تعلق
رؤساء و اُمراء سے تھا جن کی مدح میں شعراء
قصائد کہتے تھے اور صلہ اور انعام پاتے
تھے۔ جب شخصی سلطنتیں ختم اور جمہوریت
کا دور دورہ ہوا تو شاعر کس کی مدح کرتے
اور کہاں سے انعام پاتے

اس لئے قصیدہ نگاری صرف
مذہبی دائرہ میں محدود ہو گئی اور پیشوایان
مذہب کی نعت و منقبت کہہ کر شعرائے
ذوق قصیدہ نگاری کو پورا کیا ان لوگوں میں

میں محشر لکھنوی، عزیز لکھنوی کے قصائد شاندار پُرزور اور جدّت طرازی کا نمونہ ہیں غالب کا اثر ان کی زبان پر پایا جاتا ہے

قصیدہ نگاری کا مستقبل اگرچہ بالکل تاریک ہے لیکن اگر شعراء چاہیں تو اس صنف کو پھر زندہ کر سکتے ہیں جس میں ستائش کی تمنّا تو شامل ہوگی مگر صلہ کی کی پرواہ نہ ہوگی اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قصیدہ نگاری کو کردار نگاری کے لئے مخصوص کرلیا جائے۔ اگلے شعراء رئیسوں امیر بادشاہوں کی تعریف کرتے تھے اور ان اوصاف سے متصف کرتے تھے جن کے وہ زیادہ تر اہل ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی کردار نگاری قوم پر کوئی اثر نہ ڈالتی تھی۔ صاحبان کردار ہر عہد میں موجود ہوتے ہیں بڑے لوگوں میں بھی اور ادنیٰ طبقہ میں بھی صرف نگاہ کی ضرورت ہے اگر کسی شخص کا کردار قوم کے سامنے ایک مثالیہ کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اسکی مدح کیجائے تاکہ اسکا اثر موجودہ اور آئندہ نسل کے کردار پر اچھا پڑے۔ سرسید نے ایک جگہ لکھا ہے۔

جس طرح خوشامد ایک بدتر چیز ہے اسی طرح مناسب اور سچی تعریف کرنا نہایت عمدہ اور بہت ہی خوب چیز ہے جس طرح کہ لائق شاعر دوسروں کی تعریف کرتے ہیں کہ ان اشعار سے ان لوگوں کا نام بھی دنیا میں باقی رہتا ہے۔ دونوں شخص خوش ہوتے ہیں ایک اپنی لیاقت کے سبب سے اور دوسرا اس لیاقت کو تمیز کرنے کے سبب سے

اس نقطۂ نظر سے قصیدہ نگاری ایک تخلیقی کارنامہ بھی ہوگا۔ اور تنقیدی کردار بھی ہر زبان کے ادب میں خصوصاً انگریزی ادب میں ایسی بہت سی نظمیں ملیں گی جو شخصیات اور شخصی کردار پر لکھی گئی ہیں ان چھوٹی چھوٹی نظموں میں زندگی کا ایک گوشہ اور کردار کا ایک رخ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس طرح ہمارے شعراء بھی اگر کردار کے پہلوؤں کو حقائق کی روشنی میں نمایاں کریں تو قصیدہ نگاری کے صنف سے مفید مقصد تکمیل پا سکتا ہے مبالغہ یا اس قسم کی غیر ضروری باتیں صرف منتخبات قصیدہ میں تھیں لوازم قصیدہ نگاری میں نہ تھی اس لئے غیر ضروری اشیاء کو ترک بھی کیا جا سکتا ہے۔

قرآن پاک اسکی تدوین و تحفظ

از
حافظ عبداللہ خان
مجاہد - باپٹلہ
ضلع زمرۂ ساحل

کتب مقدسہ توراۃ' انجیل' زبور اور دیگر آسمانی صحیفے اپنی اصلی شکل و صورت میں محفوظ نہیں تھے جس کی وجہ سے دنیا چھ صدیوں تک ضلالت کے سائے اور کفر کی تاریکی میں گم تھی' لیکن اب وقت آگیا تھا کہ روحانیت کا ایک نیا موسم بہار آسکے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ آسمانوں کے وہ دروازے جو صدیوں سے زمین پر بند کر دئے گئے تھے یکایک کھل گئے۔ آسمانی برکتوں کی بارش کا سلسلہ جو رک گیا تھا وہ پھر سے جاری ہوگیا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر

قرآن حکیم حرا کے غار سے آفتاب ہدایت بن کر طلوع ہوا۔ انہ لقرآن کریم' اور اس کے طلوع ہوتے ہی ساری کائنات نورِ الٰہی سے جگمگا اٹھی۔ قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ قرآن حکیم نے تاریخ عالم کا صفحہ الٹ دیا۔ اور انسانیت کی از سرِ نو تعمیر شروع کردی۔ اس نے کفر کے طوق سے انسانوں کو نجات دلائی۔ انسانی غلامی و استبداد کی زنجیروں سے انہیں رہا کیا۔

نیکیوں کا ایک لشکر جرار مرتب کیا جس نے صدیوں کی پھیلی ہوئی برائیوں اور تہ بہ تہ جمی ہوئی گمراہیوں کو شکست فاش دی اور خدا کی بندگی اور پرستش کی ایک ایسی بادشاہت قائم کردی جس کے سامنے دنیا کی تمام طاقتیں سرنگوں ہوگئیں۔

قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے' جس نے گندوں کو پاک کیا' ذلیلوں کو عزت والا بنایا' اور غلاموں کو تخت شاہی پہ بٹھایا۔ لڑنے والوں کو صلح کا پیغام پہنچایا اور دشمنوں کو بھائی بھائی بنایا۔ گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھائی۔ کفار اور مشرکوں کے سینوں کو اسلام اور ایمان کی دولت سے مالامال کر دیا۔ جدھر اس کی کریمانہ نظر ہوتی کرم اور رحم کے سمندر رواں ہوگئے۔ جدھر اس کا منظرانہ ہاتھ بڑھا' تو نانِ شبینہ کے محتاجوں کو خزانوں کے مالک بنا دیا۔ اور وحشیوں کو جہانبان وجہانگیر کردیا۔

غرضیکہ قرآن سراپا کرم اور رحمت کا مجسمہ ہے۔ اس کے اندر عقلمندی اور دانائی کے خزانے پوشیدہ اور مضمر ہیں۔ وہ حکمت کا بے نظیر

سرچشمہ ہے۔ لیتں ٓ والقرآن الحکیم وہ نور ہے ایسا نور جس کی جگمگاہٹ سے سارا عالم تابناک اور روشن ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا واتبعوا النور الذی انزل معہٗ فرقان ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے اور دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتا ہے۔ اس پہ عمل کرنے والا باطل اور لغویات میں نہیں پڑ سکتا۔ وہ سارے عالم کو برائیوں سے ڈراتا رہتا ہے تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا۔ اس نے اندر مومنین نے لئے شفا ہی شفا اور رحمت ہی رحمت ہے وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین

یہ قرآن روح ہے اور اس کا یہ ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی ساحرانہ بلاغت وفصاحت سے ایسا موہ لیتا ہے کہ سننے والا سمجھنے والا بس اسی کا متوالا ہو جاتا ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا اور اسی طرح نازل کیا ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح کو (قرآن کو) دنیا کی بے شمار کتابوں اور ان گنت صحیفوں میں یہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں ذرہ برابر کسی حیثیت سے شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی بنا حکمت اور بصیرت پر رکھی گئی۔

اور ایسی حکمت وبصیرت کہ جس کے بعد کسی حکمت وبصیرت کا کوئی درجہ ہی نہیں ذالک الکتاب لاریب فیہ کیونکہ یہ بصیرت دنیا والوں کی طرف سے نہیں بلکہ رب البصائر کی طرف سے ہے ھذا بصائر من ربکم یہ بصائر تمہارے رب کی طرف سے ہیں۔

اس کتاب کی زبردست خصوصیت یہ ہے کہ خدا اور اسکے رسول کے دشمنوں کو نار جہنم سے ڈراتی ہے۔ اور اہل ایمان اور ارباب یقان کو جنت اور اسکی بہترین نعمتوں کی خوشخبری دیتی ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں بفحوائے کلام نبوت لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر ببال بشر قط نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے۔ حتیٰ کہ کسی دل میں بھی اس کا گذر نہیں ہوا۔ یہی وہ صحیفۂ مقدس ہے جس کے اندر سارے جہاں کی رہبری کا سامان موجود ہے فلا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی خشکی وتری ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہیں ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ دار خود مالک ارض وسما اور اس کا نازل کرنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک حرف بلکہ ایک ایک نقطہ محفوظ وموجود ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن مجید کا موضوع

جن و انس اس کا مرکزی مضمون ہے۔ انسان کی پیدا و تلاش کردہ راہوں کا ابطال اور اسکی ہدایت کا مدعا ہے۔ قرآن مجید ۲۳ سال کی مدت میں ہمارے آقا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور ان ہی الفاظ میں دنیا میں اَن گنت زبانوں پر جاری ہے، اور دلوں پر قابض، اور دماغوں پر حاوی ہے۔ وہ کلام دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہے۔ دنیا کے ہر حصہ میں کروڑہا اشخاص ہر روز پانچ دفعہ اس کے مختلف اجزاء ضرور پڑھ لیتے ہیں۔ جس طرح یہ اپنے نزول کے وقت موجود تھا اسی طرح آج بھی محفوظ ہے۔ اس کی صاف اور روشن تعلیمات کو مٹانے کیلئے کیا کچھ تدابیر نہیں کی گئیں لیکن سب کی سب رائیگاں گئیں۔ اور آفتاب حق برابر چمکتا ہی رہا۔ قرآن حکیم ان سب اعتراضات کو جو اس کے نزول کے زمانے میں کئے گئے یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جو الزامات لگائے گئے ان کو وہ خود بیان کرتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ قرآن حکیم جس زبان میں نازل ہوا، وہ آج تک بھی اسی زبان میں نور گستر ہے اور اسی قرآن کی بدولت آج بھی عربی زبان عالم اسلام میں زندہ ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی تمام مقدس کتابیں مثلاً تورات، زبور، انجیل، خطوط، وید، ژند پاژند سب کی سب اس وصف سے خالی ہیں۔

اس پر ایک طرف بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ جیسے غلام اور ضعفاء ایمان لائے تو دوسری طرف ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ، سعد بن وقاصؓ ابو موسیٰ اشعریؓ، خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ جیسے افراد بھی ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکے۔

قرآن کی تعلیمات وہ ہیں کہ جسے لوگ مان کر یا نہ مان کر اپنانے کے لئے مجبور ہوئے ہیں۔ افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات ومن فی الارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ کا دعویٰ کیا۔ یعنی میں نے آج کے دن تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا) اور یہی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا: واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ اور مجھ پر یہ قرآن اس لئے اتارا گیا کہ میں اس سے تم کو اور جہاں تک یہ پہنچے آگاہ کروں، قرآن کو سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کے لئے رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ۲۳ سالہ دور رسالت میں قرآن کریم کے ایک ایک حرف کی عملی اور

قولی تفسیر بیان فرمادی، یہاں تک کہ قرآن، کو دیکھ کر آپ پہچانے گئے اور آپ کو دیکھ کر قرآن پہچانا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق کچھ بیان کرنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا؟ حضور اکرم کے اخلاق قرآن ہی ہے۔ کان خلقہ القرآن۔

قرآن حکیم کس طرح نازل ہوا؟

اللہ نے ارشاد فرمایا شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔ اور فرمایا انا انزلنہ فی لیلۃ القدر بے شک ہم نے (قرآن کو) شب قدر میں نازل کیا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ رب العزۃ نے پورے قرآن شریف کو رمضان کی ایک رات میں دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آسمان دنیا پر نازل فرمایا اور وہاں سے حسب حکم حضرت جبرئیل امین حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا حضور پر ۲۳ سال میں نازل فرماتے رہے اور یہی مشہور مفسر صحابی عبداللہ بن عباس رض کا قول ہے، اور اس قول کی تائید اکثر صحابہ اور تابعین نے کی ہے۔ قرآن کریم کے نزول کا آغاز اور اس کا اختتام شب قدر میں ہوا اور اسکی تکمیل ۲۳ برس میں ہوئی، اس سلسلہ میں مختلف اقوال کو علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب اتقان میں نقل فرمایا ہے۔ قرآن کے نزول کی تاریخ کے بارے میں اختلاف ہے۔ مشہور مورخ و مفسر امام طبرانی ۲۱ سے ۱۷ ار رمضان المبارک کی تاریخ کو مختلف روایات سے صحیح ثابت کیا ہے۔

عہد رسالت میں وحی اور اسکی کتابت

حضور اکرم پر اللہ کی طرف سے جو وحی آتی تھی اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں ہوتی تھی اور دوسری وہ جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ نہیں ہوتے لیکن مفہوم اسی کا ہوتا تھا۔ پہلی قسم قرآن حکیم ہے اور دوسری قسم حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے لیکن من جانب اللہ ہونے میں دونوں یکساں ہیں کہ دونوں کا نزول اور الفاظ بذریعہ وحی ہوا ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر انہیں جو وحی کی جاتی ہے پھر دونوں حضور ہی کی زبان سے گوہر فشاں ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پہ جو وحی آتی تھی، وہ چھ قسم سے آتی تھی۔

ایک یہ کہ مسلسل گھنٹی کی آواز آتی تھی،
اس صورت میں حضور کا چہرہ مبارک بدل جاتا تھا۔
سخت جاڑوں کا زمانہ ہوتا اور آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایسی حالت
میں حضورؐ اگر میری ران پر ہاتھ رکھے ہوتے تو مجھ کو ایسا
معلوم ہوتا کہ ران پھٹ جائے گی۔ مضبوط سے مضبوط اونٹ
پر سوار ہوتے تو وہ بار وحی کو نہ برداشت کرتے ہوئے
بیٹھ جاتا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ صورت حضورؐ پر
سخت تر ہوتی تھی اور اکثر یہ اس وقت ہوتی تھی جب کہ
عذاب، دھمکی، غضب کی کوئی آیت نازل ہوتی۔

دوسری یہ کہ جبرئیل امین دل میں پیام ڈال
دیتے تھے۔ تیسری یہ کہ جبرئیل انسانی شکل میں تشریف
لاتے تھے اور حکم پہنچاتے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر حضرت
دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔

چوتھی یہ کہ حضرت جبرئیل نیند کی حالت
میں آتے اور پیام الٰہی پہنچاتے تھے۔ جیسے سورۂ کوثر۔

پانچویں یہ کہ اللہ رب العزۃ بیداری میں
براہ راست کلام فرماتے، جیسے شب معراج میں سورہ بقرہ
کی آخری آیتیں۔ (آمن الرسول سے لیکر علی القوم
الکافرین تک) براہ راست عطا فرمایا اور نماز پنجگانہ
کی فرضیت اور اس شخص کی بخشش کا اعلان جس کا
خاتمہ شرک پر نہ ہو۔

چھٹی یہ کہ حالت نیند میں رب العزت
نے وحی نازل کی۔ علماء نے لکھا ہے کہ قرآن
حکیم میں اس قسم کی کوئی وحی نہیں ہے۔

قرآن کیسے جمع ہوا۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر
۲۳ سال میں حسب ضرورت و مصلحت تھوڑا
تھوڑا کر کے پورا قرآن نازل کیا گیا۔ آپ امی تھے
اور آپ کے مخاطب ولی بھی زیادہ تر امی تھے۔
جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ جو کچھ اترتا آپ
زبانی یاد فرماتے اور اپنے صحابہ کو یاد کرا دیتے اور
حکم دیتے کہ لکھ لیا جائے۔ چنانچہ صحابہ کھجور کے
پتوں، لکڑی کے تختوں، اونٹ کے کجاوؤں،
پتھر کے ٹکڑوں، چمڑے کے غلافوں، کپڑے کے
تھیلوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔

مستدرک میں ایک روایت نقل کی
گئی ہے کہ کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم
القرآن فی الرقاع اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے قرآن ناظرہ پڑھنے کو افضل قرار دیا تھا۔ بریں
بنا صحابہ کرام قرآنی آیات لکھوا کر اپنے پاس محفوظ رکھتے
تھے اور اکثر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

اور چند مخصوص صحابہ ایسے تھے جو کاتب
وحی کے نام سے پکارے جاتے تھے، جن کو حضور نے
خاص طور سے وحی لکھنے کے لئے مامور فرمایا تھا، ان

کی تعداد بیالیس ۴۲ بتائی جاتی ہے۔ ان میں حضرت ابوبکر رضؓ حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت زید بن ثابت رضؓ ابن مسعود رضؓ۔ ابن ابی کعب رضؓ۔ عبداللہ ابن سلام، معاویہ، ابو درداء رضؓ معاذ بن جبل رضؓ وغیرہ بھی ہیں اور آپ ان کاتبان وحی کو یہ بھی حکم دیتے تھے کہ فلاں فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھو۔

قرآن پاک کس ترتیب سے نازل ہوا؟

قرآن پاک لوح محفوظ میں بالکل اسی طرح موجود ہے جس طرح آج مصاحف میں موجود ہے۔ قرآن پاک کی کبھی چند آیات اتریں، کبھی ایک ہی آیت اتری، کبھی پوری سورت نازل ہوئی۔ کبھی نصف اور کبھی ربع۔ کبھی عقائد کے بارے میں احکام آئے تو کبھی نماز کے بارے میں، اور اوامر و نواہی کی تصریحات بیان ہوئیں۔ یہ تمام چیزیں الگ الگ لکھی جاتی رہیں۔ مگر جب قرآن حکیم کا متعدد حصہ نازل ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی اور جبرئیل علیہ السلام کی ہدایت سے اسی ترتیب سے لکھوانا شروع کیا جو ترتیب لوح محفوظ میں ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ آج مصاحف میں موجود ہے۔

چنانچہ بخاری شریف کی صحیح حدیث ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضؓ اور زید انصاری رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضورؐ سے قرآن لکھا کرتے تھے اور حضورؐ ہم سے فرماتے کہ فلاں آیت کو فلاں سورت میں لکھو۔ (بخاری شریف ج دوم)

تاریخ طبری ؒ میں ہے کہ رمضان ۲ھ ہجری میں حضور تراویح پڑھتے تھے اور حضرت جبرئیل امین جس قدر قرآن مجید اتر چکا ہوتا اس کی تلاوت کرتے اور سنتے و سناتے، اسی ترتیب سے جس ترتیب سے کہ لوح محفوظ میں ہے۔ اور جو ترتیب کہ آج قرآن حکیم کی ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اسکی جمع و حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے اور آسمانی کتابوں میں صرف قرآن ہی کا یہ خاصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی اپنی اصلی شکل و صورت میں محفوظ ہے۔ اور چودہ سو سال طویل دَور گزرنے کے باوجود اس میں تحریف و تبدیل نے راہ نہیں پائی۔ ارشاد خداوندی ہے۔ انا له لحافظون ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ ان علینا جمعه و قرآنه بیشک ہمارے اوپر ہی ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھانا سنقرئك فلا تنسیٰ ہم آپ کو پڑھائیں گے، آپ نہیں بھولیں گے۔

خلیفۂ اول کا عظیم کارنامہ

حضورؐ کا جس سال وصال ہوا ہے اس رمضان ۱۱ھ میں حضور اکرمؐ نے دوبار پورا قرآن شریف حضرت جبرئیل کو سنایا اور حضرت جبرئیل نے حضورؐ کو سنایا۔

جاری ہے

نعت شریف

پیشکش از:- سید وحید الدین قادری
متعلم زمرۂ ثالثہ

از
علیم صبا نویدی

دونوں عالم میں محمدؐ کا سفر افضل ہے
جس سے دنیا ہوی نوری وہ نظر افضل ہے

ربِ عالم نے بنایا تھا جسے اپنا حبیبؐ
اُس شہنشاہ کا آنکھوں میں ہے گھر افضل ہے

جس میں خوشبوئے محمدؐ کا خزانہ ہے بھرا
عشقِ احمدؐ میں گرفتار وہ سر افضل ہے

پھول پتوں کو تلاوت کی مہک دے کے صبا
جو کرے ذکرِ محمدؐ وہ شجر افضل ہے

قصائد ذوقی
قسط (۵)
بتصحیح و ترتیب و تحشیہ
از
ڈاکٹر وحید اشرف
پروفیسر و صدر شعبۂ عربی فارسی و اردو مدرا

قصیدہ ۲۹ فی المنقبت

۱۔ زلمعۂ رخت ای آفتاب پیشانی
اے آفتاب جیسی روشن پیشانی جمالے تیرے چہرے کی تابش سے
شود کلالۂ شب روی روز نورانی
طرۂ شب نورانی روز کا چہرہ بن جاتی ہے

۲۔ کدورتی کہ برد خور ز شب بدشواری
شب کی تاریکی جیسے سورج دشواری سے دور کرتا ہے
چو صبح خندہ زنان می بری بآسانی
اُسے تو ہنستے ہوئے آسانی سے دور کر دیتا ہے

۳۔ مکن ز باد پریشان کلالۂ خود را
اپنی زلفوں کو ہوا سے پریشان نہ کرو
کہ دل بباد رود زین چنین پریشانی
کیونکہ اس طرح کی پریشانی سے دل ہوا میں اڑ جاتا ہے

۴۔ نمود چین جبین تو از خطا گفتم
تو نے اپنی پیشانی سے شکن ظاہر کیا میں نے غلطی سے کہا
کہ شد شگاف ہویدا از خامۂ مانی
کہ مانی کے قلم میں شگاف پیدا ہو گیا۔

۵۔ ز لعل لب چو فشانی گہر بوقت سخن
گفتگو کے وقت اپنے لعل لب سے جب تو موتی برساتا ہے
ببحر وام دہد اشک ابر نیسانی
تو ابر نیساں کا پانی سمندر کو قرض دیتا ہے

۶۔ کلاغ خال و ہمای کلالہ میداری
تو سیاہ تل کا کلاغ اور طرۂ زلف کا ہما رکھتا ہے
رواست اگر بکنی دعوئ سلیمانی
اگر تم دعوئ سلیمانی کرو تو روا ہے

۷۔ فرا خور است اگر مطلع دگر گویم
اگر ایک اور مطلع کہوں تو مناسب ہے
بوصف زلف تو اے آفتاب پیشانی
تیری زلف کے وصف میں اے آفتاب پیشانی

۸۔ ز زلف تو کہ بود منبع پریشانی
تیری زلف جو پریشانی کا سرچشمہ ہے۔
ہزار دل بدر آید اگر بر افشانی
اگر تو اسے جھاڑے تو اسمیں سے ہزار دل نکلیں گے

۹۔ مکن مکن بسر زلف دراز خود را باز — کزو دراز شود فتنه و پریشانی

اپنی دراز زلف کو مت کھولو۔ — کیونکہ اس سے فتنہ و پریشانی دراز ہو جائیگی

۱۰۔ ز تابش شرر آه من زند هر شب — به اشتیاق تو ای ماه لاف شعبانی

میری آہ کی چنگاری سے ہر شب — تیرے اشتیاق میں شعبان المعظم کی ڈینگ مارتی ہے

۱۱۔ مگر که غمزه تو از سنان شاه آموخت — که بگذرد ز جگر هر دمی بآسانی

شاید تیرے غمزے نے شاہ کے سنان سے سیکھا ہے — کہ ہر دم آسانی سے جگر کے پار ہو جاتا ہے

۱۲۔ شه سریر کرم حضرت عمر که برد — .... خدادانی

سریر کرم کے بادشاہ حضرت عمر

۱۳۔ شهنشهی که ز تاب حسام او در کان — شرار پاره شود گوهر بدخشانی

وہ شہنشاہ کہ جس کے نیزہ کی تابش سے کان میں — گوہر بدخشانی شرار پارہ بن جاتا ہے

۱۴۔ بحلقه در او سود جبهه از بن گوش — امیر روم و شه هند و شاه شروانی

اُن کے در کے حلقہ میں اپنی بن گوش کی پیشانی کو گھسا، روم کے امیر ہند کے شاہ اور شروانی کے بادشاہ نے

۱۵۔ اگر نسیم کرامت بگلخن اندازد — کنند ز سوسن و سوری و گل گلستانی

اگر نسیم کرامت گلخن میں بھیجے — تو وہ سوسن سوری اور گل سے گلستان بن جائے

۱۶۔ حسام سام فروزش چو جان رستم سوخت — قرین عنقا بشد صدمهٔ نریمانی

جب اسکی آگ بھڑکانے والی حسام نے رستم کی جان کو جلایا تو نریمان کا صدمہ عنقا تک پہنچا

۱۷۔ بچرخ حوت بگفتا که تشنه ام ای چرخ — ز بیم شاه عرق کرد و گفت حمانی

حوت نے چرخ سے کہا کہ میں پیاسی ہوں — شاہ کے خوف سے چرخ کو پسینہ آگیا اور پوچھا کیا تم حمام میں ہو؟

۱۸۔ فتاده است بچین قبای اقبالش — قصور قیصری و قدرت قدر خاقانی

اس کے اقبال کی قبا کے شکن میں پڑے ہوئے ہیں — قیصر کے محل اور شاہ چین کی طاقت ،

۱۹۔ اگر سواطع رائش بآسمان تاید | گذارا حور و خورشید و ماہ لافانی

اگر اس کی رائے کی روشنی آسمان پر چمکے | تو زحل، خورشید اور ماہ اپنی لاف زنی چھوڑ دیں

۲۰۔ صہیل ابرش او در ریاض جنت رفت | بگفت لمع برافش کہ ای اخی ہانی

اس کے گھوڑے کی آواز جنت کے باغ میں پہنچی | اس سے بجلی کی تابش نے کہا کہ اے بھائی ٹھہر جاؤ

۲۱۔ ز دست عدل گر بیشہ را بیارا ید | رقیب شیر شود گاؤ و برہ چوپانی

اگر اپنے عدل کے ہاتھوں سے وہ جنگل کو آراستہ کر دیں تو شیر نگہبان ہو جائے اور گاؤ و برہ چوپانی کریں

۲۲۔ بدفتر کرمش آفتاب از خود شد | ز شمع صبحدمش سوخت ریش طولانی

ان کے کرم کے دفتر میں آفتاب از خود رفتہ ہو گیا۔ صبح کی شمع سے اپنی طویل داڑھی کو جلا دیا۔

۲۳۔ چو کوفت دمدمہ اقبال و بہفت اقلیم | امیر باختر انداخت تاج سلطانی

جب اس کے اقبال نے ہفت اقلیم میں اپنا دمدمہ بجایا۔ باختر کے امیر نے اپنا تاج سلطانی پھینک دیا

۲۴۔ چو گوی چرخ بمیدان اعتلا آید | جلال او کند از دست جاہ، چوگانی

جب آسمان کا گیند بلندی پر آتا ہے | تو اس کا جلال اپنے جاہ کے ہاتھوں سے چوگانی کرتا ہے

۲۵۔ بعہد او کہ جہان گشتہ است آسودہ | ہمی دمد گل جمعیت از پریشانی

اس کے عہد میں جبکہ دنیا آسودہ حال ہو گئی ہے | پریشانی سے جمعیت کا پھول نمودار ہوتا ہے

۲۶۔ بآسمان چو کف او ببارد آب کرم | ز ابر آب بریزد کہ ہست بارانی

جب وہ اپنی ہتھیلی سے آسمان پر ابر کرم برساتا ہے | تو بادل سے پانی برستا ہے جسے بارش کہتے ہیں۔

۲۷۔ شہنشہا ملکا چون بدید سلطانیت | گذاشت شاہ ختن شوکت قدر خانی

اے شہنشاہ جب تیری سلطانی کو دیکھا | تو شاہ چین نے سلطانی کی شوکت کو ترک کر دیا

۲۸۔ ز سفرہ دیدۂ خورشید را کنی در آب | درون سوختگان را درو بہ پیچانی

تو اپنے دسترخوان سے خورشید کی آنکھ کو حریص بنا دیتا ہے | اور تو سوختہ دلوں کو اپنے دسترخوان سے مستفید کرتا ہے

۲۹۔ شہنشہا اگر اندر میان بر گاہے | غطمطم کف خود را ز جود جوشانی

اے شہنشاہ اگر کبھی خشکی میں (ق) آپ اپنی ہتھیلی کے سمندر کو اپنی سخاوت سے جوش میں لائیں

۳۰۔ ز رشک بحر شود بر و بر شود بحری | زبسکہ آب بہ ارجا رود ز طغیانی

تو رشک سے سمندر خشکی بن جائے اور خشکی سمندر ہو جائے | اس سبب سے کہ پانی طغیانی کر کے چاروں طرف پھیل جائیگا

۳۱۔ اگر ز نافۂ خُلق تو بوی می یابد | غزال چیں کہ مثل شد بمشک افشانی

اگر تیرے نافۂ خُلق کی خبر پا جائے (ق) چین کا غزال جو کہ مشک افشانی میں ضرب المثل ہے

۳۲۔ چنان عرق زخجالت کند در آں اقطار | کہ آب نوشد از و عالم بیابانی

تو وہاں شرم سے اس کو اتنا پسینہ نکلے | کہ بیابان کے ساکنین اس سے پانی پئیں

۳۳۔ باصل و نقل اگر گرز خویش را سنجی | در آن زمان کہ کند آسمانت میرانی

اگر اپنے گرز کو اصل و نقل سے مقابلہ کرے (ق) اس وقت کہ آسمان میزانی کرے۔

۳۴۔ ز بار کفہ یکی بگذرد ز دلو دگر | ز لوشبا شنود صد رہ آفریں خوانی

تو کفہ کے بار سے ایک پلڑا ڈول سے اونچا ہو جائے اور دوسرا پلڑا بے خبر سے سینکڑوں آفریں سنے

۳۵۔ درخش زاں بدرخشد ز ابر در باراں | کہ ابر را ز کرم گاہ گریہ خندانی

بارش میں بجلی اس لئے بادل سے چمکتی ہے | کہ تو بادل کو اپنے کرم سے رونے کے وقت ہنسا دیتا ہے

۳۶۔ فرا خور است شہ چرخ را غلامی تو | ترا سزد ملکا حشمت جہانبانی

سورج کو تیری غلامی سزاوار ہے | اے شاہ جہانبانی کی حشمت تجھی کو زیبا دیتی ہے

۳۷۔ چو بحر کف تو زد جوش از کمال کرم (ق) رسید آب بنزدیک ابر نیسانی

جب کمال کرم سے تیرے کف کے سمندر نے جوش مارا تو پانی ابر نیساں تک پہنچا۔

۳۸۔ ز تاب رای تو سر کنان رطوبت او (ق) بجای جمع شد ای مقصد ثنا خوانی

تمہاری رائے کی روشنی سے اسکی رطوبت تیزی سے | ایک جگہ جمع ہو گئی اے ثنا خوانی کے مقصد

۳۹۔ از آن سحاب کہ مجموع بود نہ شق گشت | بہر یکی فلکی شد ز صنع یزدانی

وہ بادل جو ایک تھا اسکے نو ٹکڑے ہو گئے | اور خدا کی قدرت سے ہر ٹکڑا ایک فلک بن گیا۔

۴۰ چو ابر کف تو گوہر فشاں شود شاہا | سحاب و ابر فلک وا کند بدامانی

اے شاہ جب تمہارے کف کا بادل گوہر فشاں ہوتا ہے تو آسمان کا بادل دامن پھیلا دیتا ہے۔

۴۱۔ ز تاب تیغ تو گردد سرشک چشم عدم | وجود خصم تو در عالم ہیولانی

تمہاری تیغ کی تابش سے عدم کی آنکھ کا آنسو بن جاتا ہے تمہارے دشمن کا وجود ہیولانی عالم میں

۴۲۔ عجب نباشد اگر شستہ گردد از تن خصم | ز آب چشمۂ تیغ تو روح حیوانی

عجب نہیں اگر دشمن کے جسم دھل جائے | تمہاری تیغ کے چشمہ کے آب سے اس کی حیوانی روح

۴۳۔ ز فر معدلت تو بہ بیشہ و بیدا | نگاہ دارد اسد را رمہ بچوپانی

جنگل میں تمہارے انصاف کی شوکت سے | شیر کی نگہبانی رمہ کرتا ہے

۴۴۔ نواخت لطف تو این نای سبز را کہ خرید | بجامہ از شفق سرخ کردہ ارزانی

سبز آسمان کو تمہارے لطف نے نواز دیا تو وہ پوشیدہ ہو گیا۔ لیا اس میں سرخ شفق سے رنگین کر کے

۴۵۔ کرا مجال کہ در مدح تو سر افرازد | درین ہم است حماسی بعجز طیّانی

کس کی مجال ہے کہ تمہاری مدح کا دعویٰ کر سکے | اس راہ میں حماسی بھی عاجزی میں ثراز خاکی ہے

۴۶۔ ببوستان ثنای تو طبع من گل گشت عجب نباشد اگر مہ کند خیابانی

آپ کی ثنا کے بوستان میں میری طبیعت پھول بن گئی۔ عجب نہیں اگر چاند اس میں خیابانی کرے

۴۷۔ ز تخم لفظ خیابان صحفہ زینت یافت

لفظ کے تخم سے صحفہ کے خیابان نے زینت پائی

در آن زمان ز مدیح تو کرد ریحانی

اس وقت آپ کی مدح میں ریحانی کی

۴۸۔ سواد من چو بیاض کمال گر بودی

اگر میرا سواد کمال کا بیاض ہوتا

کلاغ ہند شدی شارک خراسانی

تو ہند کا کوا خراسان کا شارک ہو جاتا

۴۹۔ مرا سزد بریاض کمال گل کردن

کمال کے باغ میں پھول کھلانا مجھے سزاوار ہے

ز راہ راست نمودن ہزار دستانی

سیدھی کی راہ سے ہزار دستانی کرنا

۵۰۔ مرا ست خسروی و شاہی کمال کہ من

کمال کی شاہی کا حق میرا ہے کہ میں نے

بہند ریختہ ام شکر صفاہانی

ہند میں صفاہانی شکر برسائی ہے

۵۱۔ سزد اگر زنم اندر سواد ہندوستاں

مناسب ہے اگر میں سواد ہندوستان میں

براہ منقبت گنج بادحسانی

تمہاری منقبت کی راہ میں حسانی خزانے کو لوٹ لوں

۵۲۔ ز طمطراق من آگہ شدی بعجم

اگر عجم میرے طمطراق سے واقف ہوتے

ہزار زہ کندی گنج خیر شروانی

تو خاقانی شروانی اپنے عصا میں میری ہزار تعریف کرتا

۵۳۔ امیر خسرو ہندوستان طوطی النطق

ہندوستان کے طوطی نطق امیر خسرو

کہ میفشاند ز لب جملہ گوہر کانی

کہ جو لب سے کان کے گوہر برساتے تھے

۵۴- اگر بملک سخن آب و تاب من دیدی
اگر سخن کے ملک میں میری آب و تاب دیکھتے

بدر شدی ز چہ غم چو ماہ کنعانی
تو ماہ کنعان کی طرح چاہ غم سے باہر نکل آتے

۵۵- اگر بساوہ بکوبیم دمامۂ اقبال
اگر اپنے اقبال کا دمامہ ساوہ میں بجاؤں

ہمین نہند مسلّم کمال سلمانی
تو میرے کمال سلمانی کو سب تسلیم کرلیں

۵۶- بدست ایمن من ہر سخنور توران
میرے دائیں طرف توران کا ہر سخنور

بدست ایسر من ہر فصیح ایرانی
میرے بائیں طرف ایران کا ہر فصیح

۵۷- برای آنکہ چراغ طبیعتم تابد
چونکہ میری طبیعت کا چراغ روشن ہے

بطاق صفحہ برد حرف از شبستانی
وہ شبستان سے صفحہ کے طاق میں حرف لاتی ہے

۵۸- خموش ذوقی ازین قصہ چند ہزلیات
ذوقی خاموش ہو جاؤ کیونکہ یہ سب لاف و گزاف ہے

کہ روی صفحہ سیہ گشت از پشیمانی
اس لئے کہ تمہاری پشیمانی سے چہرہ کا صفحہ سیاہ ہو گیا ہے

قصیدہ (۳) فی المنقبت

۱۔ اگر توای سروقد گلرخ درآئی اندر چمن خراماں
خجل شود سرو و گل بشوید طراوت صفحۂ گلستاں

اے سروقد گلرخ اگر تو چمن میں خراماں آجائے
تو سہی سرو اور گل کا پسینہ گلستان کے صفحہ کی طراوت کو دھو دے

۲۔ بگدیہ خواہد جمال و خوبی زتو عروس فلک ہمیشہ
ازاں سبب ہر سحر کشاید بہ پیش روی تو دست و داماں

عروس فلک تجھ سے ہمیشہ حسن کی بھیک مانگتی ہے
اسی سبب سے ہر صبح کو تیرے آگے اپنا ہاتھ اور دامن پھیلاتی ہے

۳۔ مکن پریشاں کلالہ خود کہ تا نیاری بعالم افتد
برآر عارض ز زلف مشکیں چو از شب تیرہ مہر رخشاں

اپنی زلف کو پریشان کر دو کر دنیا میں پریشانی پیدا ہو جاتی ہے۔ سیاہ زلف سے اپنے رخسار کو باہر نکالو جیسے تاریک شب سے روشن

۵۔ چو تابش آفتاب رخشاں نمود از نور ظلمت شب
بخندہ گفتی برآمد اکنوں ز کاکل من رخ درخشاں

جب رات کی تاریکی کے بعد روشن سورج کی تابش ظاہر ہوئی۔ تو تو نے ہنسکر کہا کہ اب میرے کاکل سے روشن چہرہ باہر آگیا

۶۔ چو در دنداں لفروزت صدف بدید از زبان دریا
گرفت وام از برای گریہ سرشک ز چشم ابر نیساں

جب تیرے لفروز دانتوں کی صدف نے سمندر سے دیکھا
تو رونے کیلئے ابر نیساں کے آنکھ سے آنسو قرض لئے

۷۔ چو آتش افگندہ ای بجانم ز دود آں کاکل مشوش۔ بود کہ از سوز جان علی اللہ برآورم پیش شاہ گیہاں

تو نے اپنی پریشان زلف کے دھوئیں سے میری جان میں کیا آگ لگادی۔ ممکن ہے کہ سوز سے اپنی جان کو شاہ گیہاں کے سامنے پیش کر دوں

۸۔ شہ فلک اقتدار عثماں کہ از نہیبش سپہر والا
عرق کند آنچناں کہ گردد غریق حوت و دلو و سرطاں

فلک اقتدار شاہ عثمان کہ ان کے خوف سے بلند آسمان
اتنا پسینہ نکالتا ہے کہ اسمیں حوت، دلو اور سرطان غرق

۹۔ شہی کہ از تیغ و تیر و خنجر برد سر دشمناں و حنجر

وہ بادشاہ کہ تیغ، تیر اور خنجر سے دشمنوں کا سر اور حلق کاٹ دیتا ہے

بحار خون تا بہ در کف بر رواں کند ہمچو شیر غرّاں

شیر غرّاں کی طرح خون کا دریا زمین کی ہتھیلی پر بہا دیتا ہے

۱۰۔ لموع تیغش ولوع دریا نوای کوسش صداع تندر

اس کے تیغ کی چمک دریا کی خواہشمند ہے، اسکے کوس کی آواز بجلی کی کڑک کے لیے دردِ سر ہے۔

شعاع سیفش یراع بیضا تلاق گرزش طراق لبنان

اسکے تلوار کی کرن سفید سرکنڈا ہے، اسکے گرز کی آواز لبنان پہاڑ کو توڑ کر طراق کی

۱۱۔ ز اشتعال شرار تیغش فتاد آتش بجیب گردوں

اسکے تیغ کے شرار کے اشتعال سے آسمان میں آگ لگ گئی

سحر بیفشاند آب بر وی ز چشمۂ شارق درخشاں

صبح کو روشن خورشید کے چشمہ نے اس آگ پر پانی ڈالا گیا۔

۱۲۔ لوای والای اعتلا تش کلاہ خورشید و تاج مہ شد

اس کی بزرگی کا بلند جھنڈا سورج اور چاند کا تاج ہو گیا

ثقالت گرز جان ستانش بہ پشت ماہی نہاد شہلان

اس کے جانستان گرز کا وزن (البان جیسے) مچھلی کی پیٹھ پر کوہ شہلان رکھ دیا۔

۱۳۔ صہیل اسپش بگوش ماہی بریخت سیماب از کہ و مہ

اس کے گھوڑے کی آواز نے مچھلی کے کان میں سیماب انڈیل دیا

زحل عجب کرد گفت یارب مرا گراں از چہ گشت آذاں
زحل کو تعجب ہوا اور کہا کہ خدایا مرے کان کس سبب سے گراں ہو گئے

۱۴۔ شہنشہا سرورا بزرگا ز اعتلای لوای جاہت
اے بزرگ شاہ آپ کے جاہ کے جھنڈے کی بلندی سے

زحل عجب ہے کہ شاخی برست و شد عرش را گریباں
زحل کو تعجب ہے کہ ایک شاخ بڑھ کر عرش کا گریبان بن گئی

۱۵۔ ز میغ تیغ تو بارش خوں بگشت زار مصاف بارد
تمہاری تیغ کے بادل سے جنگ کے میدان میں خون کی بارش ہو رہی ہے

بطبعہا میدمد ہزاہز ز برق خنگی تو میداں
تمہاری جنگجو برق سے میدان میں دشمنوں کے اندر کھلبلی مچ گئی ہے

۱۶۔ سر تو بالاتر از سر مہ کلاہ فر تو تاج رفرف
آپ کا سر چاند سے بلند تر ہے آپ کے شوکت کی ٹوپی رفرف کا تاج ہے،

قدم گہ تو سپہر والا نشان کفش تو ماہ تاباں
آپ کا قدمگاہ بلند آسمان ہے آپ کے جوتے کا نشان ماہ تاباں ہے

۱۷۔ چہ تیر از کنام شست تو پرید سوی سپہر والا
آپ کے شست سے تیر نکلا اور بلند آسمان کی طرف اُڑا

نمود مہ عظم فربہ طائرکہ تا تر نجد رواں جہاں
چاند سوئی چڑیا کی طرح فربہ ہو گیا تاکہ جہان کی روح کو رنج نہ ہو

۱۸۔ شد از ہیبت تو چرخ لرزاں شہنشہ آسماں بتر زاں
آپ کے خوف سے آسمان لرزاں ہے اور سورج کا حال ابتر ہے
شکست افلاک را کمر زاں لعرش در شد فغان کیواں
افلاک کی کمر ٹوٹ گئی ہے اور کیوان کا نالہ عرش تک پہنچ گیا۔

۱۹۔ اگر نگاہ کرم کشائی بدیدۂ چرخ رونمائی
اگر آپ نگاہ کرم کھول دیں اور آسمان پر کرم سے توجہ کردیں
فلک رود با شکستہ پائی بسوی دشت نشاط پویاں
تو فلک اپنی شکستہ پائی کے باوجود خوشی کے میدان کی طرف رواں ہو جائے

۲۰۔ تو ئی بزرگی کہ شاہ خلخ بود غلام خطائی تو
تو وہ بزرگ ہے کہ شاہ خلخ تمہارا خطائی غلام ہے
مطیع حکم تو روم و قیصر بزیر دست تو چین و خاقاں
تمہارے مطیع روم، قیصر، چین، اور خاقان ہیں،

۲۱۔ اگر نہی گرز سر گراں را بکوہ شہلان جہاں خدیوا
اے شاہ جہاں اگر آپ اپنا گرز گراں کوہ شہلاں پر رکھ دیں
بپشت ماہی ورم فزاید بجیب تحت الثریٰ ز شہلاں
تو تحت الثریٰ میں شہلاک کے بوجھ سے ماہی کی پیٹھ پر ورم کا نشان پڑ جائے

۲۲۔ نمود تابی ز تیغ تیزت بدیدۂ ماہ گفت یارب
اپنے تیغ تیز کی تاب چاند کی آنکھ کو دکھائی، اسنے کہا خدایا،

ربیع ثانی است شوکت شہ درین مہ از بر جلیست شعبان

شاہ کی شوکت بہار ثانی ہے اس ماہ میں زمانہ کی سعی کیوں ہے

۲۳۔ چو از سر دست میکشائی کمان و تیرای شہ مظفر

اے مظفر بادشاہ اگر آپ ہاتھ سے کمان و تیر چلا دیں

زہم بیک تیر خوں فشانی ز اختران سپہر گرداں

تو ایک تیر سے گردون گرداں کے ستاروں کے خون بہنے لگیں

۲۴۔ درخش رخش تو گنبدی زد بگنبد آسمان درآمد

آپ کے برق نما گھوڑے نے جست لگائی اور آسمان کے گنبد میں پہنچا

زگرم سیری آں تگاور عرق رواں شد ز ابر آبال

اس تیز رو کی تیز روی سے ابر آبال کو پسینہ آ گیا۔

۲۵۔ کمینہ ذوقی لوای مدحت بلند زاں سال کند کہ گوید

کمینہ ذوقی آپ کی مدحت کا جھنڈا اسطرح بلند کرتا ہے کہتا ہے

درفش خاور کہ افسر افتد ز دیدن پرچمش بیاداں

سورج کہ اس کو دیکھ کر تاج گر جاتا ہے۔

۲۶۔ زند چو سرو سہی مدحت بیانگ سبزی کہ دل نواز د

جب وہ مدح کا نغمہ سرو سہی دلنواز لہجۂ بانگ سبز میں چھیڑتا ہے

بچرخ شبدیز ماہ گلگوں ز گنج بارش جہد بجولاں

تو آسمان میں ماہ گلگوں کا گھوڑا اس نغمہ کی بارش سے جولانی کرتا ہے

۲۷۔ بگلشن مدح تو ہزارم خوشی و دلشادی است کارم

آپ کی مدح کے گلشن میں میں بلبل ہوں میرا کام خوشی منانا ہے۔

بتو یا ور من توئی و یارم چرا شوم پائی بست احزاں
چونکہ آپ میرے یاور ہیں اور میں آپ کا یار ہوں تو میں کیوں غم کا بیہر ہوں

۲۸۔ زنم چو گل خندہ ہر زمانی بمدح تو خواندہ داستانی
میں پھول کی طرح ہر وقت ہنستا ہوں آپکی مدح میں نغمہ گا کر

بود کہ یابم ز تو مکانی بہ محفل اہل علم و ایقاں
شاید کہ میں اہل علم و یقین کے درمیان جگہ پاؤں

قصیدہ ۳۱۔ فی المنقبت

۱۔	توئی اعظم بدہر یا عثماں	شاہ اکرم بدہر یا عثماں
	تم ہو اعظم بدہر یا عثماں	شاہ اکرم بدہر یا عثماں
۲۔	از نہیب حسام محرق تو	سوخت ضیغم بدہر یا عثماں
	جل گیا تاب نیزہ کے ڈر سے	دل ضیغم بدہر یا عثماں
۳۔	شد ز الطاف عام افروزت	منعدم غم بدہر یا عثماں
	آپ کے لطف عالم آرا سے	منعدم غم بدہر یا عثماں
۴۔	توئی از روی فضل بعد عمر	شاہ عالم بدہر یا عثماں
	منزلت میں ہیں آپ بعد عمر	شاہ عالم بدہر یا عثماں
۵۔	ز التماع تو گشت ذو الانوار	چشم آدم بدہر یا عثماں
	نور سے آپ کے ہے ذو الانوار	چشم آدم بدہر یا عثماں

۶- بدر آید ز نام جان بخشت — شادی از غم بدہر یا عثماں
آپ کے نام سے ہویدا ہے — شادی از غم بدہر یا عثماں

۷- شد ز افضال عالم آرایت — غم و ہم کم بدہر یا عثماں
آپ کے عالم آرا افضل سے ہے — غم و ہم کم بدہر یا عثماں

۸- می نشیند ز عدل تو یکجا — اسعد و ارم بدہر یا عثماں
آپ کے عدل سے اکٹھا ہیں — اسعد و رم بدہر یا عثماں

۹- کس نباشد ز فضل و رافت تو — طبع درہم بدہر یا عثماں
آپ کے فضل سے نہیں ہے کوئی — طبع درہم بدہر یا عثماں

۱۰- از پی پای بوست استادہ — آسماں خم بدہر یا عثماں
آپ کی پای بوسی کی خاطر — آسماں خم بدہر یا عثماں

۱۱- تا ز رای منیر تو افروخت — جملہ عالم بدہر یا عثماں (ق)
جب سے روشن ہے رائے سے تیری — جملہ عالم بدہر یا عثماں

۱۲ ہمچو آئینہ ایست زنگ آلود — ساغر جم بدہر یا عثماں
مثل آئینہ زنگ خوردہ ہے — ساغر جم بدہر یا عثماں

۱۳- تا فرو ریختی بگاہ سخن — گوہر از فم بدہر یا عثماں
جب سے برسایا ہے بگاہ سخن (ق) — گوہر از فم بدہر یا عثماں

۱۴- چوں صدف پارہ گشت بی قیمت — لولوی یم بدہر یا عثماں
پارہ ہائے صدف کی مثل ہوا — لولوی یم بدہر یا عثماں

۱۵-	تا ز لمعان رای تو افروخت	چرخ اعظم بدہر یا عثماں
	جب سے روشن ہے رائے سے تیری (ق) چرخ اعظم بدہر یا عثماں	
۱۶	جز رُخ روز کس نمی بیند	شب مظلم بدہر یا عثماں
	دن ہی دن ہے نظر نہیں آتی	شب مظلم بدہر یا عثماں
۱۷-	شد بجام عدوی تو آتش	آب زمزم بدہر یا عثماں
	تیرے دشمن کے جام میں ہے آگ	آب زمزم بدہر یا عثماں
۱۸-	چوں بُریدی سرا عادی را	ہمچو صنیغم بدہر یا عثماں
	کاٹا جب دشمنوں کے سر جو تھے	مثل صنیغم بدہر یا عثماں
۱۹-	با شرار جحیم فاسق سوز	دشمنت صنم بدہر یا عثمان
	با شرار جحیم وہ دشمن	ہو گئے صنم بدہر یا عثماں
۲۰	از ثنای تو سمع و نطق آموخت	کرّ و ابکم بدہر یا عثماں
	پائے ہیں سمع و نطق بھی تم سے	کرّ و ابکم بدہر یا عثماں
۲۱-	چوں ز گو پال تو شود مندک	قاف اعظم بدہر یا عثماں
	آپ کا نیزہ جب کرے ریزہ (ق) قاف اعظم بدہر یا عثماں	
۲۲-	سرخ گردد بخاک قاروں را	جامہ از دم بدہر یا عثماں
	خاک قاروں کا رنگ ہوتا ہے	سرخ از دم بدہر یا عثماں
۲۳-	ذوق از بندگی ثنا گر تو	ہست ہر دم بدہر یا عثماں
	ہے ثنا گر غلام تو ذوق	تیرا ہر دم بدہر یا عثماں،

۲۴ ـ بندۂ پست را تو الی کرد | باعُلا ضم بد ہر یا عثمان
اپنے بندہ کو آپ کر دیجے | باعُلا ضم بدہر یا عثمان

قصیدہ ۳۲ فی المنقبت (در مدح خلیفۂ سوم)

۱ ـ ملکا پادشاہ ادواری | مرحبا پادشاہ ادواری
سرورا آپ شاہ زمن ہیں | مرحبا آپ شاہ زمن ہیں

۲ ـ شاہ چین و ختن بہ پیشت گفت | بے خطا پادشاہ ادواری
شاہ چین و ختن معترف ہے | بے خطا آپ شاہ زمن

۳ تیر شد رفا دم تو گفت کمان | زہ کہ با پادشاہ ادواری
تیر نکلا کہ حکم آگیا ہے | آپ کا آپ شاہ زمن

۴ چوں لبسوی تو دید گردوں گفت | بخدا پادشاہ ادواری
بولا چرخ بر لب یوں کہ واللہ | حبذا آپ شاہ زمن

۵ ـ بر سپہر جلال و چرخ کمال | ماہ یا پادشاہ ادواری
باجلال و کمال آسمان پہ | مہ لقا آپ شاہ زمن

۶ ـ ماہ با آفتاب رخشاں گفت | لبسما پادشاہ ادواری
چاند سورج میں سرگوشیاں ہیں | پادشا آپ شاہ زمن

۷ ـ شدہ ہندوی تو زحل فرمود | ز اعتلا پادشاہ ادواری
بندہ تیرا زحل کہہ رہا ہے | ز اعتلا آپ شاہ زمن

۸ ـ خلق را دور کردہ اندر حال | از عنا پادشاہ ادواری
خلق سے دور غم کر دیا ہے | غم زُبا آپ شاہ زمن

۹ — ہر کسی شاہی از ہوا گیرد — بی ہوا بادشاہ ادواری
شاہ دنیا ہوا کے ہیں بندے — بے ہوا آپ شاہ زمن ہیں

۱۰ — احتیاج زر است لازم شاہ — بغنا بادشاہ ادواری
زر کے محتاج ہیں شاہ دنیا — باغنا آپ شاہ زمن ہیں

۱۱ — ہر یکی بخل دارد و شاہ است — بسخا بادشاہ ادواری
بخل میں شاہ ہیں شاہ دنیا — باسخا آپ شاہ زمن ہیں

۱۲ — بعلا آفتاب والائی — بعطا بادشاہ ادواری
ہیں بلندی میں خورشید چرخ آپ — دہر عطا آپ شاہ زمن ہیں

۱۳ — چوں نوازی شہ فلک گوید — بگدا بادشاہ ادواری
ماہ و خورشید در کے تمہارے — ہیں گدا آپ شاہ زمن ہیں

۱۴ — بندہ را از نگاہ رافت خود — دہ علا بادشاہ ادواری
اپنے بندہ پہ کرد عنایت — دو علا آپ شاہ زمن ہیں

۱۵ — وز ثنای خود اندرون دلش — دہ ثنا بادشاہ ادواری
قلب کو اس کے اپنی ثنا سے — دو ثنا آپ شاہ زمن ہیں

۱۶ — خاطرش را بدست لطف آرای — بصفا بادشاہ ادواری
کر دو آراستہ اسکے دل کو — باصفا آپ شاہ زمن ہیں

۱۷ — ذوقی بے وقار و عز باشد — بے نوا بادشاہ ادواری
ذوقی پہ ہو نوازش کہ یہ ہے — بے نوا آپ شاہ زمن ہیں

۱۸ — بندگیت بدیدہ خواہد کرد — بندہ تا بادشاہ ادواری
ہے غلامی میں آنکھیں بچھائے — یہ گدا آپ شاہ زمن ہیں

۱۹ — ہر دو روز و شب ہمیں باشد — ملکا بادشاہ ادواری
روز و شب اسکا ہے یہ وظیفہ — سرورا آپ شاہ زمن ہیں

۳۳ قصیدہ فی المنقبت

۱۔ ای رخت ہمچو لالہ تر لعل
لے وہ کہ تیرا چہرہ لالہ تر کی طرح لعل ہے
لب لعل تو لعل اندر لعل
تیرا لب لعلیں لعل کے اندر لعل ہے

۲۔ چند بر اشک من زنی خندہ
میرے آنسوؤں پہ کب تک خندہ زنی کرو گے
در فشاں چوں ستم کنی بر لعل
(خندہ سے) موتی برسا کر میرے خونیں آنسوؤں پر کب تک ظلم کرو گے۔

۳۔ دیدم اندر لب تو دنداں را
تمہارے لب کے اندر میں نے دانتوں کو دیکھا
نشنیدم کہ دُر بود در لعل
میں نے نہیں سنا تھا کہ لعل میں موتی ہوتا ہے۔

۴۔ گر ہما یابد از لب تو خبر
اگر ہما کو تمہارے لب کی خبر ہو جائے
ریزد اندر ہوا ز ہر پر لعل
تو ہوا میں ہر پر سے لعل برسائے

۵۔ بطلب از دو چشم چوں کان نم
میری دو آنکھوں کی [illegible] کان کی طرح ہی طلب کرو
گر بخواہی برای زیور لعل
اگر تم زیور کے لئے لعل چاہتے ہو۔

۶۔ چوں کنم سر بپای تو مانند
میں تیرے پاؤں کو اپنے سر کیسے مثال دوں
کی فشاند ز لب صنوبر لعل
صنوبر ہونٹ سے کب لعل برساتا [illegible]

۷۔ ہر لب لعل خود مشو مغرور
اپنے لب لعل پہ [illegible]
کہ شد از خون من سراسر لعل
کیونکہ لعل سراسر میرے خون سے بنا ہے

۸۔ آنچنانست در ہوای لبت
تیرے لب کی تمنا میں ایسا ہے
حال من ای لبت چو گوہر لعل
(ق) میرا حال اے وہ جس کے لب گوہر کی طرح سرخ ہیں۔

۹۔ کہ کنم کان چشم را ہر صبح
کہ ہر صبح گویا اپنی آنکھ کے کان کو تیار کرتا ہوں
تا فشانم بپای داور لعل
تا کہ پای داور پہ لعل نچھاور کروں

۱۰۔ شاہ اورنگ اعتلا عثمان
بلندی کے تخت کے شاہ عثمان
کہ خور او را بود بر افسر لعل
کہ سورج اس کے تاج پر لعل ہے

۱۱۔ پادشاہی کہ از نگاہِ کرم ۔۔۔ میکند ھر عذار چوں زر لعل

وہ بادشاہ کہ جسکے نگاہِ کرم سے ۔۔۔ ہر زرد چہرے کو لعل میں رنگ بنا دیتا ہے

۱۲۔ از حسامش کہ ریخت خون عدو ۔۔۔ بر فلک گشت چشمۂ خور لعل

اس کے حسام سے جب اس نے دشمن کا خون بہایا ۔۔۔ خورشید کا چشمہ آسمان پہ لعل ہو گیا

۱۳۔ گر نگاہ کرم ببیند ازو ۔۔۔ شود البرز و قاف و گرد لعل

اگر اپنی نگاہ کرم ڈالی دے ۔۔۔ تو البرز قاف اور گرد و غبار لعل ہو جائیں

۱۴۔ خنجر زال و سام و رستم را ۔۔۔ کردہ در رزمگہ بخنجر لعل

زال، سام اور رستم کے خنجر کو ۔۔۔ میدان جنگ میں اسکی خلق کاٹ کر لعل بنا دیں

۱۵۔ تکمۂ لعل خصم او میخواست ۔۔۔ یافت اینک ز خون خنجر لعل

اس کا دشمن لعل کا تکمہ چاہتا تھا ۔۔۔ اس کو خنجر کے خون سے یہ لعل مل گیا

۱۶۔ مگر از خون دشمنان وی است ۔۔۔ این چنین روی زرد آذر لعل

شاید اس کے دشمنوں کے خون سے ہے ۔۔۔ آذر کا ایسا زرد چہرہ لعل رنگ

۱۷۔ تیغ او خون دشمن او ریخت ۔۔۔ شد بمعدن ز ہیبتش اصفر لعل

اس کی تیغ نے اس کے دشمن کا خون بہایا ۔۔۔ معدن میں اس کے خوف سے جو زرد تھا وہ لعل رنگ ہو گیا۔

۱۸۔ دشمن او ز تیغ او خواہد ۔۔۔ مایل از طبع او شود بر لعل

اس کا دشمن اس کی تیغ سے طلب کرتا ہے ۔۔۔ اگر اس کی طبیعت لعل پر مائل ہو ۔

۱۹۔ چہ تماشاست در سر تیغش ۔۔۔ کہ کند روی بحر با بر لعل

اس کے سر تیغ میں کیا تماشا ہے ۔۔۔ کہ سمندر اور خشکی دونوں کو لعل بنا دیتا ہے

۲۰۔ تا بزد موج خون اعدایش ۔۔۔ بدر آید ز بحر گوہر لعل

جب اس کے دشمنوں کے خون میں موج آ دی ۔۔۔ تب ہی کے سمندر سے لعل نکلتا ہے

۲۱۔ تیر او خست سینۂ خورشید ۔۔۔ شد شفق را قمیص یکسر لعل

اس کے تیر نے سورج کے سینہ کو زخمی کیا ۔۔۔ شفق کی قمیص یکسر لعل ہو گئی

۲۲۔ تازبانہ زد آتش تیغش — شد بجا نوں زکاں شرر ہر لعل

جب اسکی تیغ کی آگ شعلہ فشاں ہوئی — تو کان کا ہر لعل بھٹی کی چنگاری بن گئی

۲۳۔ چوں بخارد حسام او خارا — بدر آید ز سنگ مرمر لعل

جب اس کا نیزہ پتھر کو توڑتا ہے — تو سنگ مرمر سے لعل نکلتے ہیں

۲۴۔ ذوقی از کاں مدحت تو شہا — بحر را رختہ است در بر لعل

ذوقی نے آپ کی مدح کے کان سے اے شاہ — سمندر کو خشکی میں لعل بنا دیا ہے

۲۵۔ اینک اینک ردیف باتش — ای شہنشاہ جود گستر لعل

اس کے اشعار کی یہ ردیف — اے جود گستر شہنشاہ لعل ہے

۲۶۔ تا بود زیب بحر در یتیم — چشم کان را چنانکہ زیور لعل

جبتک سمندر کو در یتیم زیب دیتا رہے (ق) — کان کی آنکھ کا زیور جس طرح لعل ہے

۲۷۔ باد از بحر گوہر تیغت — چوں دل کان حسود را سر لعل

آپ کے تیغ کے گوہر کے سمندر سے — حاسدوں کا سر کان کے دل کی طرح لعل ہے